مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؒ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

۵

قصائد و مثنویاتِ فارسی

میرزا اسد اللہ خان غالبؒ

قصائد و مثنویاتِ فارسی

مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؔ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۵

قصائد و مثنویاتِ فارسی

میرزا اسد اللہ خان غالبؔ

باہتمام

غلام رسول مہر

۱۹۶۹

مجلسِ یادگارِ غالب

★

صدرِ مجلس:

پروفیسر حمید احمد خان ستارۂ پاکستان / ستارۂ امتیاز وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبد الرحمن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہر لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبہ فلسفہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سید امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلس ترقی ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسسہ مطبوعات فرینکلن لاہور

کیپٹن عبد الواحد مؤسسہ مطبوعات فرینکلن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدین احمد صدر شعبہ امورِ طلبا پنجاب یونیورسٹی لاہور

گروپ کیپٹن سید فیاض محمود ناظم شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سید عبد اللہ صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ناظم ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج و صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وقار عظیم، غالب پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سید وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلہ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبۂ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

معتمد

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات، حکومت پاکستان ڈھاکہ

ڈاکٹر عبد الشکور احسن، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب معتمد

سید سجاد باقر رضوی، لیکچرر انگریزی، یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

پیش لفظ

مجلسِ یادگارِ غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مُطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مُقرر ہُوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصُوبہ بنایا تھا اُنھیں مَیں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہُوں۔

یُونیورسٹی کے ایک اَور فیصلے کی رُو سے شعبۂ اردُو میں کُرسیِ غالب قائم ہُوئی۔ مَیں مسرّت کے ساتھ اِعلان کر رہا ہُوں کہ اِس اسامی پر پروفیسر سیّد وقار عظیم کا تقرر کیا جا چُکا ہے۔

(پروفیسر) علاءُالدّین صِدّیقی

وائس چانسلر، جامِعہ پنجاب

لاہور

سینیٹ ہال

مارچ ۱۹۶۹ء

تعارف

★

فروری ۱۹۶۶ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہو رہے ہیں۔ اِس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صِرف شعبۂ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی "(کرسیٔ غالب)" قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلۂ مطبُوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سیّد سجّاد باقر رضوی شریک معتمد مقرّر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبدالشکور احسن مجلس کے دُوسرے معتمد قرار پائے۔

اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلۂ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدرِ مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسّر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اِس سلسلۂ کُتب کی ترتیب، تالیف یا تصنیف میں حصّہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلقّہ کتاب کے سرورق

کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اِس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جارہی ہے۔

مجلس کے سلسلۂ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اُردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونیٔ ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ اِن سب کتابوں پر مؤلّفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوانِ غالب کا نسخۂ حمیدیہ، جسے صدرِ مجلس نے مرتّب کیا ہے، ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقّیٔ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صِرف یہی ایک کتاب مجلس یادگار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اِس یگانۂ روزگار کے شخصی، فنّی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اُردو نہیں جانتے مگر انہیں

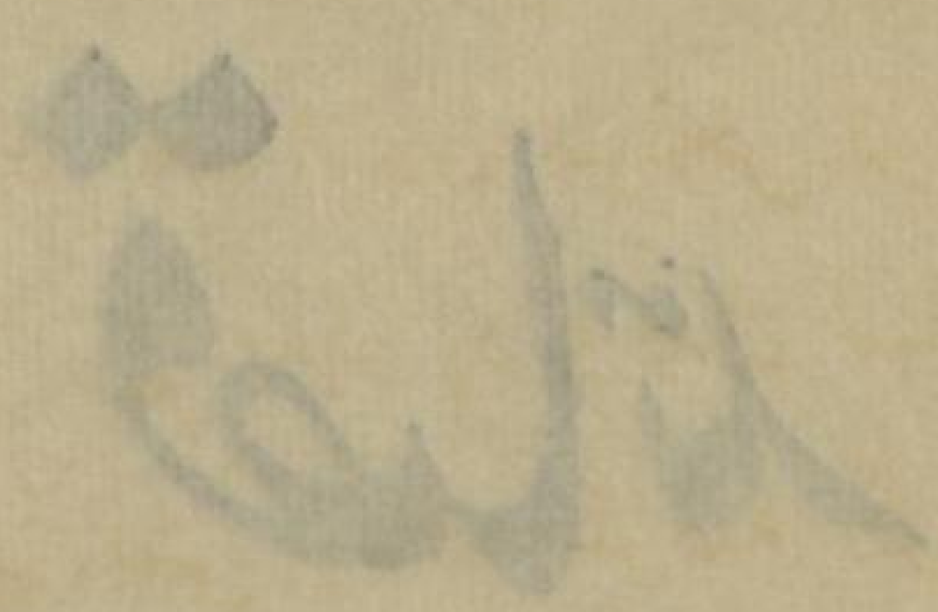
غالب کے فکر و فن سے متعارف کرانے کے لئے ایک مفصّل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ "میں نے غالب سے کیا پایا" ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اِس میں متعدّد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثّرات جمع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا اِن کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب کی حیات بعدِ ممات کی دُوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اِس دُوسری صدی میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دُنیا کو ہند اسلامی تمدّن کے آخری ترجمان سے رُوشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں
صدر مجلس یادگار غالب
جامعۂ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال
فروری ۱۹۶۹ء

قصائد



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

کیفیت عرفی طلب از طینت **غالب**
جام دگراں بادۂ شیراز نہ دارد

میرزا غالب کے فارسی کلیات نظم (مطبوعہ ۱۸۶۳) میں کل چونسٹھ قصیدے تھے - مزید سات قصیدے جو کلیات کی طباعت کے بعد کہے گئے ، " سبد چین " اور " باغ دودر " کے ذریعے سے منظر عام پر آئے - میں نے یہ تمام قصیدے پیش نظر مجموعے میں یکجا کر دیے ہیں - بہتر ہوتا کہ انہیں تا بحد امکان تاریخی ترتیب میں رکھا جاتا ، لیکن میں نے خاصے غور و فکر کے بعد رد و بدل مناسب نہ سمجھا ، کیونکہ جو ترتیب ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزر جانے کے باعث خاصی متعارف ہو چکی ہے ، وہ یکقلم غیر متعارف اور اجنبی ہو جاتی - رہا تاریخوں کا معاملہ تو اس سلسلے میں جتنی بھی معلومات حاصل ہو سکیں، وہ ہر قصیدے کی تمہید میں پیش کردی گئیں - "سبد چین" اور " باغ دورد " کے قصیدے کلیات کے قصیدوں کے بعد رکھے گئے - اس طرح قصیدے یکجا بھی ہوگئے اور بہ اعتبار مآخذ ان کا امتیاز بھی قائم رہا -

فارسی میں میرزا کے شعری جواہر پاروں کا سب سے بڑا ذخیرہ قصیدوں ھی کی شکل میں ہے ، یہاں تک کہ انھیں غزلیات پر بھی تفرق حاصل ہے - ھمارے ھاں قصیدوں کے باب میں عام تصور یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کی حد درجہ مبالغہ آمیز ستایش اور بھٹئی پر مشتمل

ہوتے ہیں جن سے شاعروں کو عطیے یا انعامات اور اعزازات کی امید تھی اور یہ اسی غرض سے کہے جاتے تھے یا جو شاعر درباروں سے وابستہ ہوتے تھے ، ان کا فرض منصبی ہی یہ تھا کہ مختلف تقریبات پر قصیدے کہہ کہہ کر پڑھیں اور ممدوح کے لیے تفریح و نفس پروری کے مواقع بہم پہنچاتے رہیں ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قصیدے واقعی بر محل کہے گئے اور انھوں نے مختلف مواقع پر اہم تاریخی کردار بھی ادا کیا ، لیکن بیشتر قصیدے ایسے تھے ، جنھیں حد درجہ مبالغہ آمیز ستایش کے مضحکہ خیز مرقعوں کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

میرزا کے فارسی قصیدوں میں تیرہ ایسے ہیں ، جن کا تعلق حمد ، نعت اور مناقب سے ہے ۔ ایک ان کے واقعۂ اسیری کے تاثرات پر مشتمل معلوم ہوتا ہے ۔ اسی حادثے کی مضراب نے ان کے ساز فکر و احساسات سے وہ خونچکاں نغمے پیدا کیے، جو سات بندوں کی صورت میں منضبط ہوئے اور "حبسیہ" کے نام سے مشہور ہیں ۔ یہ اسی نوعیت کی ایک بہترین نظم ہے ۔ باقی قصیدے رسماً مدحیہ ہیں ۔ تا ہم میرے اندازے کے مطابق عرفی کی طرح میرزا کی قصیدہ گوئی بھی کمالات شعری کے اظہار و نمایش کا ایک خاص وسیلہ تھی ۔ غالباً اسی بنأ پر میرزا نے عرفی سے نسبت خصوصی کے متعلق وہ شعر کہا تھا ، جو اس تحریر کے عنوان میں مرقوم ہے ۔ انھیں عرف عام کے مطابق قصیدے نہیں بلکہ مستقل نظمیں تسلیم کر لینا مناسب ہو گا ۔

ان قصیدوں کو بہ اعتبار نفس مطالب تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے : اول تشبیبیں ، جو مختلف عنوانوں پر مشتمل ہیں ۔ مثلاً توحید و تصوف و حکمت کے مسائل ، یا سرما ، گرما ، نمود صبح وغیرہ کی منظر کشی ، خدمت گزاران خلق کے اوصاف و خصائص کا ذکر

به صورت دعوت حق ، جنہیں خواجہ حالی مرحوم نے ”سالکان طریقت“ سے تعبیر کیا ، اس لیے کہ میرزا نے ان کے لیے ” رہرواں “ کی اصطلاح استعمال کی ہے - آئین دھر کے بصائر و حکم ، وجوب و امکان کے مباحث ، عقل فعال سے سوال و جواب ، جن میں زندگی کے بعض دقیق معاملات کی چہرہ کشائی کی ہے - دوم اپنے غیر معمولی وہبی کمالات کی داستان سرائی اور زمانے کی قدر ناشناسی کی دلدوز تصویریں یا خاندانی عظمت کی طرف اشارے - میری نظر سے جن عظیم‌القدر شاعروں کا کلام گزرا ، ان میں سے شاید ھی کوئی اس آخری وصف میں میرزا کا ھمسر ھو - یہاں تک کہ عرفی بھی نہیں ، حالانکہ وہ خودستائی میں ممتاز مانا جاتا ہے اگرچہ جو کچھ اس نے کہا وہ خودستائی نہ تھی ، بلکہ حقیقت تھی - پھر اس کے اظہار میں جو بانکپن عرفی اور اس کے بعد میرزا غالب نے پیدا کیا اس کی مثالیں دوسرے شاعروں میں شاید ھی ملیں -

تیسرا اور آخری حصہ مدحیہ اشعار ہیں - جن کی حیثیت میرے تصور کے مطابق رسمی ہے - یعنی وہ اس لیے کہے گئے کہ قصیدے کی صنف ان کی متقاضی تھی یا حالات ایسے تھے کہ قصیدہ کہنے کے لیے کوئی نہ کوئی تقریب لازم تھی اور اس تقریب کی خانہ پری مدحیہ اشعار کے بغیر ھو ھی نہیں سکتی تھی - لیکن آپ جابجا ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس تقسیم سہ گانہ میں پہلی اور دوسری قسم کے اشعار بہت زیادہ ہیں مدحیہ اشعار یقیناً کم ہیں - یہی حقیقت میرزا نے ایک مکتوب میں ھر گوپال تفتہ پر واضح کی تھی ، فرماتے ہیں :

> اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا - وہ روش ھندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دیں - میرے قصیدے دیکھو ، تشبیب کے شعر بہت پاؤگے اور مدح کے شعر کمتر - نثر میں بھی یہی حال ہے -

بعض قصیدوں میں خاندانی پنشن کی پوری کیفیت دل آویز انداز میں نظم کر دی ہے اور اپنے مطالبے بھی پیش کر دیے ہیں ۔ بعض قصیدوں میں یہ ذکر ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شرکت کا جو الزام لگایا گیا ، وہ بے اصل ہے ۔ تین قصیدے مولانا مفتی صدرالدین آزردہ مرحوم ، نواب مصطفیٰ شیفتہ مرحوم نیز نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر مرحوم کے متعلق ہیں ، جو میرزا کے عزیز بھی تھے اور شاگرد رشید بھی ۔ یہ محض دوستانہ و محبّانہ جذبات کے مرقعے ہیں اور ان سے کسی بھی نوع کی منفعت مقصود نہ تھی ۔

اصل مبحث زیادہ تفصیل کا متقاضی ہے ۔ مگر قصیدوں کا دیباچہ اس کا موزوں محل نہیں ۔

میں نے اپنی دانست کی حد تک قصیدوں پر ضروری تمہیدات لکھیں اور حواشی میں بعض مشکل الفاظ و تراکیب کی تشریح بھی کی اور بعض اشعار کے مطالب بھی اختصاراً پیش کر دیے ۔ اس سے زیادہ تفصیل کتاب کے مقررہ حدود سے باہر تھی ، کیونکہ اصل مقصود شرح قصائد نہ تھی ، صرف ان کی اشاعت تھی ۔ میرا اندازہ ہے کہ بہ صورت موجودہ میرزا کی اس اہم ترین صنف شعر کا مطالعہ خاصا سہل ہو گیا ہے ۔ اگر کہیں کوئی لغزش یا فروگزاشت نظر آئے تو اسے میری کم علمی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ تصور فرمائیے ۔

میرزا نے اپنے متعلق جو کچھ کہا تھا ، وہ آج بھی اسی طرح درست و بجا ہے ، جس طرح کہتے وقت درست و بجا تھا اور ان‌شاءاللہ آیندہ بھی اس کی محکمیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا :

عیار فطرت پیشینیاں زما خیزد
صفاے بادہ ازیں دُرد تہ‌نشیں پیداست

۲۴ جنوری ۱۹۶۷
مسلم ٹاؤن ۔ لاہور　　　　　　مہر

فہرست مضامین

۱

در توحید

مرزا غالب نے یہ قصیدہ عرفی کے قصیدے پر لکھا ہے - اس کا بھی پہلا قصیدہ توحید ھی میں ہے یعنی :

اے متاع درد در بازار جاں انداختہ

بانکی پور کے مخطوطے میں اس کا عنوان ہے ''قصیدہ در توحید حضرت باری'' اور طبع اول کلیات میں ہے ''قصیدۂ اول در توحید'' -

ای ز وهمِ غیر غوغا در جهاں انداخته
گفته خود حرفے و خود را در گماں انداخته[۱]

دیده بیروں و دروں از خویشتن پر وانگهی
پردۂ رسمِ پرستش درمیاں انداخته

---

۱ - اس قصیدے کے آغاز میں مرزا نے یہ عبارت لکھی تھی :

"برچیدن بساط خردہ‌کاری ، بہ انجامیدن قطعہ و مثنوی و فاتحہ و نموداری و آغاز قوس نزولی قصیدہ نگاری بہ نگارش قصیدہ در توحید حضرت باری" (مخطوطہ کلیات نظم فارسی در کتب خانہ بانکی پور پٹنہ) -

یہ عبارت نیز قصیدوں کی تمام تمہیدی عبارتیں پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کتب خانہ بانکی پور اور کتب خانہ رام پور سے نقل کر کے لائے تھے اور انھیں کی مہربانی سے مجھے ملیں -

اے اساس عالم و اعیاں به پیوندِ الف
همچناں بر صورتِ علم و عیاں انداخته

نقش بر خاتم ز حرفِ بےصدا انگیخته
شور در عالم ز حسنِ بےنشاں انداخته

چرخ را در قالبِ ابداع در واریخته
خاک را بر نطعِ۱ پیدائی ستاں انداخته

عاشقاں در سوقفِ دار و رسن وا داشته
غازیاں در معرضِ تیغ و سناں انداخته

رنگها در طبعِ اربابِ قیاس آمیخته
نکته ها در خاطرِ اهلِ بیاں انداخته

آں چناں شمعے براهِ شبرواں افروخته
ایں چنیں گنجے بجیب بیدلاں انداخته

با چنیں هنگامه در وحدت نمی گنجد دوئی
مرده را از خویش دریا بر کراں انداخته

رایضے۲ کش پویهٔ دشتِ خیالت در دل است
وهم در شبگیر، دستش بر عناں انداخته

کاتبے کش نشاء وصفِ جلالت در سر است
لرزه در تحریرِ کلکش از بناں انداخته

---

۱ - فرش چرمیں -

۲ - چابک سوار -

نردبانے بستہ با دیوارِ کاخے در نظر
انتعاشے[۱] در نہادِ این و آں انداختہ

رفتہ ہر کس تا قدمگاہے و زآنجا خویش را
پایہ پایہ از فرازِ نردباں انداختہ

اے بہ نزہت‌گاہِ تسلیمِ رسولِ حق‌شناس
ز آتشِ نمرود طرحِ گلستاں انداختہ

وے بہ‌رستاخیزِ تار و مارِ قومِ ناسپاس
جانِ اژدر در تنِ چوبِ شباں انداختہ

ہرکجا سرہنگِ حکمت در سیاست‌گاہِ قہر
قرعۂ عرضِ شکوہِ قہرماں انداختہ

در بروتِ نحسِ اصغر[۲] چنگِ سفاکی زدہ
در گلوے سعدِ اکبر[۳] طیلساں[۴] انداختہ

از تو در ہنگامہ بازی خوردگانِ تار و پود
رقعہ رقعہ از پلاس و پرنیاں انداختہ

و ز تو در بازارِ سودا پیشگانِ ہست و بود
بے متاع آوازۂ سود و زیاں انداختہ

---

۱ - بلند ھونا -

۲ - مریخ ستارہ -

۳ - مشتری ستارہ -

۴ - ردا یا چادر جو عرب خطیب اور قاضی، خطبہ دیتے یا مسند عدل پر بیٹھتے وقت کندھوں پر ڈال لیتے تھے - ھمارے دور میں گاؤن (Gown) پہننے کا دستور ہے -

دادہ در توحیدم آئینِ غزل گفتن بہ یاد
اے ہم از گفتار بندم بر زباں انداختہ

بر رخِ چوں ماہ برقع از کتاں انداختہ
در نہفتن پردہ از رازِ نہاں انداختہ۱

گشتہ با چشمِ بتانش نقشِ ہم‌طرحی درست
ہر کرا دردت بہ بسترِ ناتواں انداختہ

شحنۂ عشقت کرا بنشاندہ بر نطعِ قصاص
بر کنارِ نطع فرشِ ارغواں انداختہ

تا بود عاشق بہ زندانِ عدم دائم اسیر
در نہادش شورِ سودائے دہاں انداختہ

تا بود شاہد بہ آزارِ دلِ عاشق حریص
در دلش ذوقِ سماعِ الاماں انداختہ

غم چو گیرد سخت، نتواں شکوہ از دلدار کرد
بہرِ آسانی اساسِ آسماں انداختہ

گل چو ماند دیر، گردد بر دلش بازار سرد
بہرِ تجدیدِ طرب طرحِ خزاں انداختہ

گلخن افروزانِ داغت ہشت گلشن را چو خس
در گزارِ نالۂ آتش‌فشاں انداختہ

جادہ پیمایانِ راہت نُہ فلک را چوں جرس
در گلوئے ناقہ‌ہائے کارواں انداختہ

---

۱ - یہ مطلع ثانی اور غزل کا مطلع ہے -

آتشے از روے گلہاے بہار افروختہ
شعلهٔ در جانِ مرغِ صبح‌خواں انداختہ

دجلهٔ در ساغرِ معنی‌طرازاں ریختہ
رشحهٔ در کاسهٔ دریا و کاں انداختہ

سر بہ تیغ از دوشِ جانبازاں سبک برداشتہ
بار بر دلہاے نامرداں گراں انداختہ

جز بدیں آب آتشِ زردشت نتواں سرد کرد
کعبہ را جوے بہشت از ناوداں انداختہ

جز بدیں الماس نتواں ایں‌چنیں دُر دانہ سفت
رخنہ از اسلام در کیشِ مغاں انداختہ

چشم را بخشیدہ چوناں گردشے کارباب ہوش
بر زمیں دانند طرحِ آسماں انداختہ

دادہ ابرو را بدینساں جنبشے کاہلِ قیاس
در تنِ شمشیر پندارند جاں انداختہ

اے ز شرمِ خاکسارانِ تو از شہپر ہما
چوں گلیمِ کہنہ ظل را بر کراں انداختہ

ذوقِ تمکینِ گدایانِ تو گنجِ شاہ را
از دلِ رنجور و چشمِ پاسباں انداختہ

تا دریں صورت ز چشمِ دشمناں پنہاں بود
دوست را اندر طلسمِ امتحاں انداختہ

تا علاجِ خستگی آسایشِ دیگر دهد
خارها در رهگزارِ میہماں انداختہ

اے عمل را دادہ فرجامِ مکافاتِ عمل
گرچہ دانا شرحِ آں را بر زباں انداختہ

تندخویاں را بہ داغِ ناشکیبی سوختہ
نام‌جویاں را بہ بندِ دودماں انداختہ

آنکہ وصفت را ز خودبینی بہ گفتن دادہ ساز
بر سمندِ شعلہ، خس برگستواں[1] انداختہ

سوخت عالم را صریرِ کلکِ من، **غالب** منم
کاتش از بانگِ نے اندر نیستاں انداختہ

رقصِ خس بر شعلہ زانساں سرخوشم دارد کہ من
دانم اندر بادہ ساقی زعفراں انداختہ

مے‌سرایم نغمۂ توحید و شورِ ایں نوا
چوں نیم[2] سوراخہا در استخواں انداختہ

زانکہ این تُرکِ تبہ اندیشہ در عنوانِ حمد
حرفے از فقر و فنا اندرمیاں انداختہ

---

۱ - ایک پوشش جو میدان جنگ میں جاتے وقت گھوڑوں پر ڈال لیتے تھے تا کہ وہ زخموں سے محفوظ رہیں، جس طرح جنگجو خود زرہ اور خود پہن لیتے تھے - ہندی میں اسے پاکھر کہتے تھے -

۲ - یعنی چوں "نئے من" میری نے کی طرح -

تا شناسد حد خود زیں سرزنش خود را به قہر
در تمنائے بہشتِ جاوداں انداختہ

ایں گراں‌جاں عندلیبِ بےنوا کاندر خیال
شاخِ طوبیٰ را ز بارِ آشیاں انداختہ

ز ابلہی سنجد کہ رضواں در ہوائے مقدمش
طرحِ جشنِ تازه در باغِ جناں انداختہ

نیستش سرمایهٔ کردار تا مزدے بود
چشم بر رسمِ عطا و ارمغاں انداختہ

با خموشی ساخت پندارم بہ امیدِ قبول
گفتہ خود حرفے و خود را در گماں انداختہ

*****

۲

در نعت سیدالمرسلین ﷺ

یہ نعت عرفی ھی کی زمین میں لکھی گئی ہے - عرفی نے اس میں منقبت لکھی، جس کا مطلع ہے :

دمیکہ لشکر غم صف کشد بہ خونخواری
دلم بہ نالہ دھد منصب علمداری

مخطوطہ بانکی پور میں اس قصیدے کا عنوان ہے :

''بہ مصقلۂ نعت زنگِ خمول از آئینۂ
گفتار زدودن ۔''

کلیات کی طبع اول (نولکشور) میں عنوان ہے''از قصائد دومیں و در نعت نخستیں''

مرا دلے است بہ پس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روے تر از شاھدانِ بازاری

بہ لاغری کنم آساں قبولِ فیضِ سخن
کہ رشتہ زود رباید گہر ز ھمواری

بہ تنگیِ دھنِ دوست، خاطرے دارم
کہ دل ربودہ ز دشمن بہ نغزگفتاری

ز طوطیانِ شکرخا مگوی و از من جوی
نشاطِ زمزمه و لذتِ جگرخواری

چو زلف جوهرِ تیغم بود پریشانی
چو چشمِ ناز بخویشم رسد ز بیماری

نه مایه‌بخشیِ دل در حقِ زبان بیش است
مژه چه پیش برد دعویِ گهرباری

نه جوشِ خونِ دل از قدرِ گریه افزون است
چرا نه باشدم از تابِ چهره گلناری

زبسکه عمر سپردم به بذله‌پالائی
زبسکه خوی گرفتم به لذتِ خواری

ز آبِ خضر نشان میدهم بآسانی
به ذوقِ عربده جان میدهم بدشواری

چو مژده دوست‌نوازم، چو فتنه خصم‌گداز
به دل ز سادگی و با زبان ز پرکاری

چو بادِ تند که هنگامه‌سنجِ خویشتن است
ستیزهٔ بودش با غبار پنداری

ملالِ خاطرِ حاسد ز من بدان ماند
که گردِ ره به‌هوا پیچد از سبکساری

چه ننگ اگر به سخن هم فن است، چون به سخن
زدوده‌ام ز ورق داغِ ننگِ هم کاری

مرا کہ عرضِ ہنر دوزخِ پشیمانی ست
ہمیں بس است مکافاتِ حاسد آزاری

شد آں کہ ہم قدماں را ز سن غبارے بود
ز رفتگاں بگزشتم بہ‌تیزرفتاری

مسنج شوکتِ عرفی کہ بود شیرازی
مشو اسیرِ زلالی کہ بود خوانساری

بہ سومناتِ خیالم درآی تا بینی
رواں فروز برو دوشہای زناری

بساطِ روے زمیں کارگاہِ ارژنگی
بتانِ دیر نشیں شاہدانِ فرخاری[۱]

جحیم جوشدم از پردۂ نفس چو مرا
بود بجانِ عدوے نبی شررکاری

بہشت ریزدم از گوشۂ ردا کہ مرا
ز خوانِ نعتِ رسول است زلہ برداری

مطاعِ آدم[۴] و عالم محمدِ[ص] عربی
وکیلِ مطلق و دستورِ حضرتِ باری

شہنشہے کہ دبیرانِ دفترِ جاہش
بہ جبرئیل نویسند عزت آثاری

---

۱ - فرخار : فرہنگوں کے مطابق ترکستان کا ایک شہر جہاں کے حسن و جمال کو خاص شہرت حاصل ہے ۔

عدو کُشے که ز چاکِ کنارِ توقیعش
دویده تا دلِ خسرو جراحتِ کاری

افاضهٔ[۱] کرمش در حقائقِ آفاق
بسانِ روح در اعضاے جانور ساری

افادهٔ اثرش بر قوائمِ[۲] افلاک
بهشکلِ رعشه بر اندامِ آدمی طاری

دراں نورد که وحدت بچارسوے شهود
فروخت رونقِ هنگامهٔ خریداری

متاعِ او به تماشا سپرد ارزانی
حدوثِ او به قدم داد گرم‌بازاری

نشانِ رتبهٔ ذاتش به عالمِ توحید
دو پایه برتر از افعالی و ز آثاری

تو کز وجوب مغایر شماری امکانش
ز احولیست نگه در مقام زناری

چناں بود که به‌بیند بخواب کس خود را
ازو مشاهدهٔ حق به عین بیداری

دراں مقام که هنگامه سازِ کثرت کرد
نهفت جادهٔ مقصود اندراں تاری

---

۱ - فیض پہنچانا -

۲ - جمع قائمه ، وہ چیزیں جن کی بنیاد پر کوئی چیز کھڑی ہو -

ظہورِ ایزدِ یکتا بہ صورتِ خاصش
نہادہ در رہِ اعیان چراغِ غمخواری

چنیں کہ سےنگرم جلوۂ حجاب گداز
چہ مشکل است دگر خویشتن نگہداری

سئے مشاہدہ پُر زور و من ز سادہ دلی
خورم چو بیش کنم حرصِ بیشتر خواری

سخن مذاقِ دگر یافت ، شورشے دارد
نمک فشانیِ مستی بہ مغز ہشیاری

عناں گسیختہ بیراہہ تاختن تا چند
بہ‌شرع پیچم و گردم بپویہ ہنجاری

بہ مطلعے کہ ز غیبت رساندم بحضور
کشم نوائے نیایش بہ نالہ و زاری

زہے ز حرفِ تو اندیشہ را مددگاری[1]
خرد بسایۂ شرعت ز فتنہ زنہاری

تو و کلیم[۴] و کفش اجرِ آستاں‌روبی
تو و مسیح[۴] و دمش اجرتِ ہواداری

اسیرِ دامِ ترا خلد در ہواخواہی
مریضِ عشقِ ترا حور در پرستاری

---

۱ - یہ مطلع ثانی ہے -

تو مہ شگافی و خرشید را بگرداند
رفیقِ ۱ تو بہ قدم گاہِ قدرت اظہاری

دم از ترانۂ خوے تو در اثرسنجی
دل از فسانۂ موے تو در نشاں‌داری

بہ عطرسائیِ موجِ نسیمِ نوروزی
بہ مشک زائیِ نافِ غزالِ تاتاری

ق

اگر نہ خاصہ ز بہرِ بساطِ عزتِ تست
بناے کعبہ دریں کہنہ چاردیواری

چرا ست اینکہ حقش کردہ کارفرمائی
چرا ست اینکہ خلیلش نمودہ معماری

چو سوج و بحر ستایش‌گرِ ترا پیوست
نشاطِ فیضِ ازل با زباں کند یاری

سخن یکے است ولے در نظر ز سرعتِ سیر
کند چو شعلۂ جوّالہ نقطہ پرکاری

سخن ز مدحِ تو بالد بخویش کز تعظیم
بصد ہزار زبانے ستودۂ باری

---

۱ - حضرت علی رضؓ کی طرف اشارہ ہے، جن سے سورج کو لوٹانے کا واقعہ منسوب ہے - میرزا نے یہ مضمون ایک اور شعر میں بھی باندھا ہے :
ز حیدریم من و تو، ز ما عجب نبود
کہ آفتاب سوے خاوراں بہ گردانیم

به فیضِ کحلِ ولاے تو در نظردارم
که آنچه حدِ نظر نیست در نظرداری

خود از احاطهٔ علمیهٔ تو بیروں نیست
هر آنچه پیشِ تو گویم همے به ناچاری

ز آسماں گلهٔ اتفاق ناسازی
ز بخت شکوهٔ توفیقِ زشت کرداری

به من دریں که فرو ریزد از زباں ، چه گرفت
شکایتے که نه گنجد به دل ز بسیاری

به داوری سروکارم به جمعے افتاده است
که برگزیدهٔ چرخ اند در ستمگاری

چو فتنه جامعِ قانونِ عالمآشوبی
چو غمزه صاحبِ فرهنگِ مردمآزاری

فگنده دلو و رسن را بچاه و بر سرِ چاه
شکستهاند سبوے مرا به سرشاری

بسا بگشته و هم بر پئے نخستینم
بسانِ گاوِ خراس اندریں طلبگاری

ز ناوکم تنِ خصم ایمن ست و من خسته
قضا سپرده به پیکانِ تیر سوفاری

کجا ست دست که چینم ثمر ز نخلِ امید
اگر رسد به زمیں شاخش از گرانباری

اگرچہ ز اشتلمِ[1] بخت سیزیم ناکام
بداں صفت کہ کسے جاں دہد بہ دشواری

معاشِ من بہ معادِ عدوے تو ماند
ز رنگ رنگ نژندی[2] ، ز گونہ گوں خواری

ولے بایں ہمہ درماندگی چو یاد آرم
ز رحمتے کہ بحالِ جہانیاں داری

ز ہم فروگسلد بند بندِ فتنہ اگر
بہ قدرِ ذوق بہ بالم دریں گرفتاری

دو روزہ راہ بہر رنگ میتواں پیمود
بلند و پست سرافرازی و نگونساری

ننالم از ستمِ غیر بر تو باد کہ تو
مرا بہ دستِ من دیوسار نگزاری

بہ جنبشِ اثرِ لا الہ الا اللہ
غبارِ ہستیِ غالب ز پیش برداری

---

۱ - الف تے اور لام مضموم : تندی، سختی، شدت، ظلم و جور -

۲ - سرنگونی ، پستی ، خواری - ان شعروں میں بظاہر اس دور کی ذاتی حالت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے ، جب میرزا خاندانی پنشن کے مقدمے میں الجھے ہوئے تھے اور نواب شمس‌الدین احمد والی فیروز پور جھرکا سے اختلافات آخری حد پر پہنچ گئے تھے -

٣

در نعت خاتم الانبیا ﷺ

اس نعت کے عنوان کی عبارت تھی :

''خردۂ مینا از بساط بزم برھم خوردہ طرب برچیدہ بہ جیب دل انداختن و در سفر از خار خار ذوق وطن نالیدن و جراحت ھاے دوری را از دارالشفاءِ رسول عربی سرھم نہادن ۔''

اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ نعت دوران سفر کلکتہ میں کہی گئی تھی ۔

آں بلبلم کہ در چمنستاں بہ شاخسار
بود آشیانِ من شکنِ طرۂ بہار

آں ساقیم کہ از اثرِ رشحۂ کفم
خمیازہ را بہ موجِ گل انپاشتے خمار

آں مطربم کہ سازِ نواے خیالِ من
غیر از کمندِ جاذبۂ دل نہ داشت تار

آں کوکبم کہ در تب و تابِ نوردِ شوق
اوجِ من از رسیدنِ مے یافتے قرار

آن ریشهٔ نگاهِ آسیدم که دمبدم
بود از نمِ طراوتِ دل شوقم آبیار

هر غنچه از دمم به‌فضاے شگفتگی
فیضِ نسیم و جلوهٔ گل داشت پیشکار

هر جلوه را ز من به‌تقاضاے دلبری
از غنچه بود محملِ نازے به رهگزار

هم سینه از بلاے جفاپیشه دلبراں
فرهنگ کاردانیِ بیدادِ روزگار

هم دیده از اداے مغاں‌شیوه شاهداں
فهرستِ روزنامهٔ اندوهِ انتظار

هم در زمانه بهرِ رواجِ نشاطِ خویش
هم درمیانه از اثرِ عکسِ روے یار

پیمانه را به نرخِ چمن دادسے بها
آئینه را به‌موجِ شفق بستمے نگار

شوقم جریدهٔ رقمِ آرزوے بوس
ذوقم قلمروِ هوسِ مژدهٔ کنار

فکرم به جیبِ شاهدِ اندیشه گلفشاں
کلکم به‌طرفِ گلشنِ نظاره لاله‌کار

از چشم و دل نهادِ مرا بود تاج و تخت
وز رنگ و بو بساطِ مرا بود، پود و تار

بختم بہ جیبِ عشرتیاں می‌فشاند گل
سعیم ز پائے محنتیاں۱ می‌کشید خار

وقتِ مرا روانیِ کوثر در آستیں
بزمِ مرا طراوتِ فردوس در کنار

ساقی ز بادہ بر اثرِ نغمہ عذر خواہ
مطرب ز نغمہ در ہوسِ بادہ حق‌گزار

از پردہ‌ہائے ساز نفسہا اثرفشاں
وز جلوہ‌ہائے ناز نظرہا کرشمہ‌بار

ہموارہ ذوقِ مستی و لہو و سرور و سوز
پیوستہ شعر و شاہد و شمع و مئے و قمار

با کیسہ در خصومت و با کاسہ در لجاج
رندانِ پاکباز و شگرفانِ شادخوار

بدمستیِ شبینہ و خوابِ سحرگہی
رنگینیِ سفینہ و اشعارِ آبدار

اکنوں منم کہ رنگ بہ رویم نمی رسد
تا رخ بہ خونِ دیدہ بہ‌شویم ہزار بار

صدرہ ز داوری بہ گرو باز بردہ‌ام
افتادگی ز خاک و پریشانی از غبار

---

۱ - جو دیوان دھلی میں طبع ہوا تھا، اس میں ''محتسباں'' چھپ گیا - بعض اصحاب اسی کو ترجیح دیتے ھیں، لیکن بظاھر ''محتسباں'' یہاں بالکل موزوں معلوم نہیں ھوتا - نیز ''عشرتیاں اور محنتیاں'' کا تقابل قائم نہیں رھتا -

نقشم به نامه نیست بجز سرنوشتِ داغ
تارم به جامه نیست بغیر از تنِ نزار

نم در جگر نه‌مانده ز تردستیِ مژه
دل را به پیچ و تابِ نفس می‌دهم فشار

چشمم کشوده‌اند به کردارهاے من
ز آینده نا امیدم و از رفته شرمسار

پایم به گل ز حسرتِ گشتِ کنارِ جوی
خارم به دل ز یادِ هم‌آهنگیِ هزار

هم دردِ من فتاده در آشوب‌گاهِ بیم
شمعِ سحرگه و قدحِ دستِ رعشه‌دار

خو کردنم به وحشتِ شبهاے بیکسی
برد از ضمیر دهشتِ تاریکیِ مزار

در پیکرم ز درد و دریغ است جان و دل
در بسترم ز خاره و خار است پود و تار

هم تن ز ضعف وقفِ شکنهاے بے حساب
هم دل ز رنجِ داغِ المهاے بے شمار

از خونِ دیده هر مژه ام شاخِ ارغوان
وز سوزِ سینه در نفسم تابِ لاله‌زار

کاشانهٔ مرا در و دیوار شعله‌خیز
همسایهٔ مرا سر و دستار پر شرار

پیموده‌ام دریں سفر از پیچ و تابِ عجز
در هر قدم هزار بیابان و کوهسار

داغے به دل ز فرقتِ دهلی نهاده‌ام
کش غوطه داده‌ام به جهنم هزار بار

بخت از سوادِ کشورِ بنگاله طرح کرد
بر خویش رختِ ماتمِ هجرانِ آں دیار

با ایں همه نهیب که جاں می‌رسد ز تن
با ایں همه نورد که دل می‌رود ز کار

لختے به‌دل‌فریبیِ شوقِ جنوں مزاج
لختے به پُشت‌گرمیِ جانِ امیدوار

محوم چناں که مهر نه‌دانم ز دشمنی
مستم چناں که گل نه‌شناسم ز نوکِ خار

هر گردِ فتنه طرهٔ خوباں کنم گماں
هر زخمِ کینه خندهٔ مستاں دهم قرار

پست و بلند را نه‌سگالم به ناز و عجز
رد و قبول را نه‌پزیرم به فخر و عار

هرگونه زهرِ عربده اندر مذاقِ من
مانندِ تلخیِ مئے ناب است خوشگوار

در دشت بر دمیدنِ نیّر ز طرفِ کوه
چشمِ مرا ست جلوهٔ روے به تابسار

دکانِ روستائی و شبهاے برشکال
دانم سوادِ سایهٔ تاک است و آبشار

آیا بود کـه گریه به دل تازگی دهد
چون سبزهٔ که بردمد از طرفِ جویبار

آیا بود کـه دستِ تهی موجِ زر زند
چون آتشے که سرکشد از پردهٔ چنار

آیا بود که از اثرِ اتفاقِ بخت
دیوانه را به وادیِ یثرب فتد گزار

هم دوشِ شوق را دهمے حله زاں نسیم
هم چشمِ بخت را کشمے سرمه زاں غبار

سایم بر آستانِ رسولِ ص کریم سر
جاں را به فرقِ مرقدِ پاکش کنم نثار

هم مزدِ سعی بخشم و هم مژدهٔ سکوں
از بوسه پاے خویش کنم بر درش فگار

فخرِ بشر، امامِ رسل، قبلهٔ امم
کز شرعِ اوست قاعدهٔ دانش آستوار

آں ابتداے خلق کـه آدم[۴] دریں نورد
هم‌چوں امامِ سبحه برون است از شمار

آں منتهاے همت هستی که در وجود
اندرمیانِ دهر نشاں می‌دهد کنار

در معرضِ لطافتِ مهرش جهان جهان
گلهاے شیشه می‌دمد از مغزِ کوهسار

در موقفِ سیاستِ قهرش زمان زمان
مهر از شعاع می‌کشد انگشتِ زینهار

دانی چرا ست کز اثرِ جلوۂ قدش
بر خاک نقشِ سایه نه‌گردید آشکار

وقتیکه ریخت طرح مثالش ز نورِ خویش
برداشت از میانه حجاب آفریدگار

هم سطوتش به عرضِ شکوهِ شهودِ حق
از هر نگه دریده جگرگاهِ اعتبار

هم قدرتش به دعویِ شرحِ کمالِ خویش
قانونِ نطق را ز رگِ سنگ بسته تار

از فیض‌بخشیِ نفسش غفلت ، آگہی
وز دلنوازیِ کرمش جبر ، اختیار

در بزمِ رنگ و بوے نگاهش ز مرتضی(رض)
در رزم آبروے سپاهش ز ذوالفقار

حقا که لفظِ احمد و لطفی که تحت او ست
گنجے است شایگان و طلسمے است استوار

اما پئے کشایش این معنوی طلسم
فطرت شگرف قاعدۂ کرده اختیار

بایدت نخست میم ز احمد فرا گرفت
کاں میم اسمِ ذاتِ نبی را ست پردہ‌دار

هرگه به یمنِ معرفتِ ذاتِ احمدی
میم از میانه رفت و احد گشت آشکار

بے پردہ بنگر از الف الله جلوه‌گر
و ز حا و دال بشمر و دریاب هشت و چار[۱]

دارم سرِ حضور که در عرضِ خدمت است
شوقم عناں گسسته‌تر از بادِ نوبهار[۲]

اے آنکه چشم در رهت از موجِ هر غبار
فردوس را به دامِ نگه می‌کند شکار[۳]

تقدیر از وجودِ تو شیرازه بسته است
مجموعهٔ مکارمِ اخلاقِ کردگار

---

۱ - یہ مضمون میرزا کی مثنوی ''ابر گہربار'' کے باب منقبت میں بھی موجود ہے - فرماتے ھیں :

در احمد الف نام ایزد بود ز میم آشکارا محمد بود
الف میم را چو شوی خواستار نه ماند ز احمد بجز هشت و چار

فرق صرف اتنا ہے کہ مثنوی میں احمد کے الف کو نام ایزد بتایا ، یہاں اسے اللہ کا نشان قرار دیا - ''میم'' محمد رسول‌اللہ صلعم اور حا و دال جیسے مثنوی میں بارہ تھے ، ویسے ھی یہاں بارہ رہے -

۲ - اس مصرع کا بڑا حصہ ایک غزل میں بھی آیا ہے :

هلاکِ شیوهٔ تمکیں مخواه مستاں را
عناں گسسته تر از بادِ نوبهار بیا

۳ - یہ مطلع ثانی ہے -

توفیق در زمانِ تو ترتیب داده‌است
فرهنگِ آفرینش و شرحِ رموزِ کار

هم گوهرِ ترا ز فروغِ خود آبرو
هم صانعِ ترا به وجودِ تو افتخار

در یمن کرده‌اند یسارِ ترا یمین
در بذل داده‌اند یمینِ ترا یسار

جنت به کارگاهِ ولاے تو حله‌باف
رضوان به بارگاهِ رضاے تو پیشکار

در عالمے که بردمد از عرصه رستخیز
در موقفے که سرزند از پرده گیر و دار

بر دامن از سپیدی‌ِروها کشی طراز
در دام از رهائیِ است بری شکار

بخشش به نقد سجده روائی عطا نه کرد
نگرفت تا نخست ز سنگِ درت عیار

رحمت ثواب را به سراپرده جا نه داد
ناورد تا ز دفترِ جودت براتِ بار

بے رخصتِ ولاے تو طاعاتِ مدعی
بے مزد همچو کوششِ دهقان به شوره‌زار

بے عشرتِ رضاے تو اوقاتِ زندگی
تنگ و تبه چو دیدهٔ مور و دهانِ مار

تا پنجهٔ عطاے تو گردیده پرده‌در
تا سایهٔ لواے تو گردیده پرده‌دار

خواهم رواج و رونقِ جنت ز خار و خس
نازم سپیدروئیِ مشتے سیاه کار

نظاره گر به عرضِ نگه بال می‌زند
با نزهتِ جمالِ تو سطرے است از غبار

اندیشه گر به سعیِ قلم ناز می‌کند
در حضرتِ جلالِ تو طفلے است نےسوار

می‌خواستم که شاهدِ مدحِ ترا کنم
دامان و جیب پُر ز گهرهاے شاهوار

در پیچ و تابِ عرضِ جنونِ شمارِ شوق
ابیات را ز صد به‌رسانم بصد هزار[۱]

هر لفظ را به قافیه آرم هزار جا
هر پرده را به ولوله سنجم هزار بار

اما ادب که قاعده‌دانِ بساطِ تست
داد از نهیب حوصلهٔ آز را فشار

ازبسکه بر جگر نمکِ دور باش ریخت
گردید خامه در کفم انگشتِ زینهار

دیگر چه گفت؟ گفت که اے **غالب**ِ حزیں
دیگر چه گفت؟ گفت که اے رندِ خاکسار

---

۱ - اس قصیدے کے کل اشعار ایک سو ایک ہیں -

هرچند شوق تشنهٔ عرضِ عقیدت است
اما تو و ستایشِ ممدوحِ کردگار!

از ناکسی بنال و جبین بر زمین بسای
کلک و ورق بیفگن و دستِ دعا برآر

تا کسوتِ وجودِ شب و روز را به دهر
از تابِ مهر و پرتوِ ماه است پود و تار

تا سینه راست ناله در اندازِ کاو کاو
تا دیده راست جوشِ نگه سازِ خار خار

تا سجده راست در رهِ حق مژدهٔ قبول
تا عذر راست بر درِ بخشش نویدِ بار

تا شاخ را ز عیش بود غنچه خنده‌ریز
تا ابر را ز شوق بود دیده اشکبار

بادا محیطِ نور ز فیضِ تو موجزن
بادا بنایے دهر ز شرعِ تو استوار

عزمِ مجاهدانِ تو با چرخ هم‌عنان
سعیِ موافقانِ تو با خلد هم کنار

دایم ز وضعِ چرخِ ثوابت محیط باد
بر تارکِ عدوے تو ابرِ تگرگ‌بار

لاغر چناں که در خم و پیچِ فغان و آه
نتواں شناختن تنش از ناله‌هاے زار

آں را که برده آلفتِ گیسوے تو به خاک
سنبل دمد ز جیبِ سوادِ شبِ مزار

و اں را که برخلافِ تو رفته است در لحد
دودے برآورند و لیکن هم از دمار

*****

۴

در نعت و منقبت

مخطوطہ بانکی پور میں اس کا عنوان ہے :

''برومندیِ نخل نعت کہ اصل سعادت است، بہ پیوند منقبت کہ شاخ میوہ‌دار نہال ارادت است ''۔

دیوان مطبوعہ دھلی میں ہے :

''در نعت مصطفوی بہ شمول منقبت مرتضوی''

کلیات فارسی نول کشور میں ہے :

''قصیدہ چہارم مشترک در نعت و منقبت''

چوں تازہ کنم در سخن آئینِ بیاں را
آواز دهم شیوہ‌ربا ہم‌نفساں را

رقصد قلمم بے خود و من خود ز رہِ مہر
بر زهره فشانم اثرِ جنبشِ آں را

در زمزمہ در بر رخِ داؤد[۴] کشایم
تا بہرہ فرستد ز رہِ گوش زباں را

جبریل[۴] دود در ہوسِ فیضِ سروشم
چندانکہ چکاند چو خوی[۱] از روے رواں را

۱ - خوی : پسینہ ۔ اس کا تلفظ ''خے'' ہے ۔

هرگه که به مشاطگیِ ناز کشایم
پیچ و خمِ جعدِ نفسِ عطرفشاں را

رضواں دود از حلقۂ حوراں به رہِ باد
افگندہ ز کف غالیه[۱] و غالیه‌داں را

هرگه که به گوهرکدۂ راز نهم روے
آوردنِ آرایشِ سیماے بیاں را

در راہ گهرریزہ فشانم که پس از من
زیں جادہ شناسند رہِ گنجِ نهاں را

هاں وایه‌پرستاں ز جواهر مشمارید
تلخابِ رگِ قلزم و خونابۂ کاں را

گوهرکدۂ راز بود عالمِ معنی
و ز لفظ گهرریزہ بود وادیِ آں را

لفظِ کهن و معنیِ نو در ورقِ من
گوئی که جهان است و بهار است جهاں را

آں دیدہ به لفظم نگرد نازشِ معنی
کاندر تنِ یوسف نگرد شادیِ جاں را

فرزانه ز هر خانه که فیضے رسدش خاص
خواهد شرفِ ذاتِ خداوندِ مکاں را

---

۱ - ایک خوشبو جو مختلف خوشبوئیں ملا کر بنائی جاتی ہے ، مثلاً مشک ، عنبر، کافور اور درخت بان کا روغن -

نازم روشِ زهره که در شکرگزاری
از حوت به تثلیث به‌بیند سرطان را

چون من ز سخن یافتم این مرتبه، خواهم
کز عرش فراتر نگرم پایهٔ آن را

وین پایه در آن است سخن را که ستایم
ممدوحِ خداوندِ زمین را و زمان را

آن کز اثرِ گرم‌روی در شبِ معراج
در بالِ ملک سوخت نشاطِ طیران را

شاهے که پئے سجدهٔ خاکِ کفِ پایش
ارزش نه بود جز سرِ صاحب نظران را

حق تا به فرستاد ز غیبش به شهادت
کز خاطرِ این نشاء برد رشک جنان را

از فرطِ محبت که بدان جانِ جهان داشت
نگزاشت قضا سایهٔ آن سروِ روان را

در کشورِ لطفش کنی ار شهر و دهی فرض
زان گونه در آنجا نگری امن و امان را

کز فرطِ رواجِ زر و بیکاریِ آهن
بر سنگِ محک رشک بود سنگِ فسان را

در موقفِ قهرش نگری بر روشِ داد
دار و رسن و درّه و شمشیر و سنان را

از بہرِ ثناگستریِ تست، وگرنہ
اندازۂ گفتار نہ‌بودے حیَوان را

از بہرِ نثارِ قدمِ تست، وگرنہ
ایزد بہ کفِ خاک نہ دادے دل و جان را

گر با رخِ عشاقِ تو تشبیہ دہندش
گلگونہ شود خلدِ بریں روے خزان را

نازم بہ کسانے کہ بہ تشبیہِ خمِ تیغ
دیدند بر ابروے تو ماہِ رمضان را

در عالمِ عدل تو بہ مہرِ رمۂ دشت
گرگانِ ستم پیشہ رقیب اند شبان۱ را

در نکتہ گر از قعرِ جہنم سخنے رفت
در مضجعِ۲ خصمِ تو رہ افتاد گمان را

آن کیست کہ بیند چو بہ رفتار درآری
بر اوجِ سما رخشِ دل آویزعنان۳ را

ایں بس کہ بہ تسکینِ دل از سایۂ تنگش
اندیشہ بدل جاے دہد کاہکشان۴ را

رفتارِ تو آن کرد بہ افلاک ز شوخی
کز چاک بود خندہ بر افلاک کتان را

---

۱ - پاسبان و نگہبان -

۲ - خواب گاہ -

۳ - یعنی براق -

۴ - کہکشاں کو براق کے تنگ کا سایہ قرار دیا ہے -

هرچند شناسندهٔ هر راز شناسم
آں چشمِ نہاں بین و ضمیرِ همه داں را

لیک از تفِ آں زهر که غم در قدحم ریخت
لب تشنگیِ ذوقِ بیان است عیاں را

فریاد رسا! داد ز بے برگیِ ایماں
کایں نخل به تاراجِ فنا رفت خزاں را

در خویشتن ایماں شمرم لیک ازاں دست
کاندر تنِ محبوب شمارند میاں را[1]

از عمر چهل سال به هنگامه سرآمد
سرمایه ببازیچه تلف گشت دکاں را

روز آخر و من سست پے و قافله بس دور
درباخته‌ام از غمِ ره تاب و تواں را

زیں روے که طاعت نه‌کنم لیک خداوند
از من نه‌برد مایهٔ آرایشِ خواں را

هرگه که خورم ناں تنم از شرم گدازد
چندانکه ز خویش آب کشم دست و دهاں را

در جلوه پرستم رخ و گیسوے صنم را
در شیوه پسندم روش و کیشِ مغاں را

---

۱ - جس طرح شعرا کے نزدیک حسینوں کے جسموں میں کمر پتلی ہوتے ہوتے معدومیت کے قریب پہنچ جاتی ہے، وہی کیفیت میرے ایمان کی ہے۔

در قاعدهٔ سجده سر از پا نه‌شناسم
در روزه ز شوال نه‌دانم رمضان را

گیرم که نهادم بود از سجده لبالب
اے وائے گر از ناصیه جویند نشان را

شرع آنهمه خود بین و من ایں مایه سبکسر
کز ساقیِ کوثر طلبم رطلِ گران را

تا نامِ مے و ساقیِ کوثر به زبان رفت
صدره لبم از مہر ببوسید زبان را

آں قوتِ بازوے تو کز برقِ نہیبش
ریزد جگر و زهره زهم شیرِ ژیان را

در کیشِ تو ناتافته رو از دمِ شمشیر
بر خصمِ تو نکشاده کمیں پشتِ کمان را

آں اصلِ نژادِ تو که در عالمِ بینش
یابند ازو گر ز تو جویند نشان را

گردِ سر آں کس که به دوشِ تو نهد پاے
گردش بود از راهِ ارادت دوران[۱] را

دورانِ تو و یارِ تو فرخنده قرانے است
در طالعِ من جلوه ده آثار قران را

---

۱ - ابتدا کے تینوں حرف (د ، و ، ر) مفتوح جیسے طیران، خفقان وغیرہ، مگر فارسی میں دوسرے حرف کو بالعموم ساکن کر دیتے ہیں -

زاں رو کہ امیدم بہ گرانمایگیِ تست
در خاطرِ من رہ نہ بود بیم و زیاں را

پروازِ مرا شوقِ تو شہپر بود ارنہ
کو قدرتِ گفتارِ منِ ہیچ‌مداں را

در پیچ و خم ہستیِ موہومیِ من بیں
آویزشِ بختِ دژم و طبعِ جواں را

من ایں ہمہ بےدستگہ و خامہ گہرپاش
در دستِ تہی تا چہ شمار است بناں را

از غالبِ دل‌خستہ سجو منقبت و نعت
دریاب بخونِ جگر آغشتہ فغاں را

******

۵

در منقبت حضرت علی علیہ‌السلام

مخطوطہ بانکی‌پور میں اس کا عنوان ہے :

''صورت نمائی راز شبانہ در آئینۂ فروغ صبح گاہی بہ کشودن بند نقاب سخن بہ‌تائید نازش مدح ید اللٰہی ۔''

دیوان مطبوعہ دہلی میں عنوان ہے :

''در منقبت امیرالمومنین علیہ‌السلام '' اور طبع نولکشور میں ہے ''قصیدۂ پنجم در منقبت'' ۔

صبحے کہ در ہوائے پرستاریِ وثن[۱]
جنبد کلیدِ بت‌کدہ در دستِ برہمن

در رُفت و روبِ دیر ، دمِ گرمِ راہباں
آرد بروں گداختۂ شمع از لگن

خیزند دستہ دستہ مغاناں نہ‌شُستہ روی
در اہتمامِ چیدنِ برسم[۲] ز نارون[۳]

---

۱ ۔ بت، خواہ پتھر کا ہو یا کسی قسم کی دھات یا لکڑی کا ۔

۲ ۔ ہوم نام ایک درخت ہے جو حوالی فارس میں بہ کثرت ہوتا ہے اور اسے درخت گز یا جھاؤ سے مشابہ بتاتے ہیں ۔ مجوسیوں کا دستور ہے کہ جب وہ (دیکھیے اگلا صفحہ)

از شورِ دیریاں بگمانِ خروش صور
اموات را ز رقص بتن بر درد کفن

رخشد ستارہ از رخِ ناشستۂ صنم
بالہ بنفشہ از قدِ خم گشتۂ شمن[۱]

بر روے خاک جلوہ کند سایہ در نظر
بر بوے دوست حلقہ زند مرغ در چمن

خواهد چراغِ کشتہ چو شخصِ بریدہ‌سر
خیزد گلِ شگفتہ چو رنجورِ خستہ تن

بر جامِ مُل ز دیدۂ شبنم چکد نگاہ
بر روے گل ز طرۂ سنبل دود شکن

غوغاے روز پردہ کشاید ز خوب و زشت
آواے کوس خواب رباید ز مرد و زن

برخیزم و شرارۂ آذر بهر دو کف
روبم ز رخت خواب و فشانم ز پیرهن

اپنی مخصوص دعائیں یا کتاب پڑھتے ہیں تو درخت هوم کی نرم و نازک اور بےگرہ شاخوں سے ایک ایک بالشت کے برابر ٹکڑے کاٹ لیتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص ایک ٹکڑا هاتھ میں رکھتا ہے - ممکن ہے برهمنوں کے هاں بھی یہی دستور هو -

۳ - انار کی قسم کا ایک ایرانی درخت جسے گلنار فارسی کہتے ہیں۔ اس کا پھول بڑا هوتا ہے - یعنی ناروں کی چھوٹی چھوٹی شاخیں بھی کاٹ کر هاتھ میں لے لیتے تھے -

---

۱ - بت پرست -

بر بوے طرۂ کہ شبم بر مشام خورد
بر رہ‌گزارِ باد بہ دم در کشم ختن

از ذوقِ مژدۂ کہ نگارم بہ خواب داد
در انبساطِ وجد بہم برزنم چمن

گرداب خانہ‌زادِ محیط است، لاجرم
گردم بہ ذوقِ دوست ہماں گرد خویشتن

چوں برگِ گل ز بادِ سحرگاہیم زباں
رقصد بنامِ حیدرِ کرار[۴] در دہن

فیض دم انا اسداللہ برآورم
منصور لاآبالیِ بے دار و بے رسن[۱]

ساغر پئے صبوح لبالب کنم ز مے
چوناں کہ لب ز زمزمۂ یا ابوالحسن[۴]

شاہِ نجف، وصیِ نبی ص مرتضیٰ علی[۴]
آں از ائمہ اول و ثانی ز پنجتن

ذاتش دلیلِ قاطعِ ختمِ نبوت است
وقتِ غروبِ مہر دمد ماہ، بے سخن

مہ والیِ شب است و ولی‌عہد آفتاب
باید بہ روشنیِ مہ از مہر دم زدن

---

۱ - یہ مضمون میرزا کی ایک غزل میں بھی آیا ہے:

منصور فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازۂ انا اسداللہ درافگنم

پیغمبر آفتاب و فروغش جمالِ دیں
بعد از نبی امام مه و پیروان پرن۱

اے از تو بوده رونقِ دینِ محمدیؐ
رویت سهیل و کعبه ادیم و عرب یمن

بالیده از تو علم و عمل در پناهِ هم
اے آبروے خلوت و اے فخرِ انجمن

جز بر تو و نتائجِ پاکت ز سروری
ناسے ست چوں خدنگِ نگاه و چهِ ذقن

گر دشمنِ تو هست توانا ، شگفت نیست
جانش ز ذوقِ تیغِ تو خوں گشته در بدن

از کینه مهربانی و از عجز پُر دلی
زانگونه شد پدید ز عدلِ تو در زمن

کز نره‌شیر بچهٔ آهو نخورده رم
الا ز ماده‌شیر هم از جوشش لبن

در دشت رهروِ تو نه‌نوشد مگر رحیق
بر تخت پیروِ تو نه‌پوشد مگر خشن

یادت کنند ، روشنیِ خور دهد نفس
نامت برند ، حقهٔ پرویں شود دهن

---

۱ - پرویں، یعنی چند ستارے جنهیں عربی میں ''ثریا'' اور هندی میں ''جهمکا'' کهتے ہیں -

سوزِ غمِ تو بینم و نازم به بختِ خویش
کایزد مرا نه سوخت به داغِ نسوختن

طبعے است جز بذوقِ تو نا گشته منبسط
جانے است جز به سحرِ تو نابوده مرتہن

خواهم ز فرطِ رشک که در مجمعِ حواس
سحرِ ترا بخویش بدزدم ز خویشتن

داغِ غلامیِ تو مرا بر جبینِ دل
جوشِ مناقبِ تو مرا در خیالِ سن

نورے است از بطانهٔ[۱] توفیق جلوه‌گر
بحرے است درمیانهٔ ابریق موجزن

مستم بدیں طرب که به پردازشِ خیال
دارم به یادِ روے تو خلوت در انجمن

شادم بدیں هوس که به مدحِ تو جاوداں
بندم هزار دسته ز نسرین و نسترن

کافور فرِّ ایزدیم ده که خویش را
مرهم نهم به خستگیِ بندِ اهرمن

گفتی ز سے به حشر و نه‌رنجم ازیں درنگ
مستی دهد زیاده چو صهبا شود کهن

---

۱ - ... و شکم کا اندرونہ، مجازاً باطن یا ارادهٔ باطن - قبا کے استر کو بھی ... تر ہیں -
یطانہ کہے

لیکن ز رهروانِ بسر این رباط نیز
نتوان دریغ کرد سفالی ز دُردِ دن[۱]

آنم که تابِ غیرت آوای من کشد
از شاخِ سدره طائرِ قدسی به باب زن

کلکم بدان مشابه ز تیزی که بسترد
نقش نگار ارمنی از چشمِ کوهکن

بر رهگزارِ قافیه، خاص اندرین زمین
نگزاشتم نه‌چیده گلی غیرِ یاسمن

کوتاهیِ سخن نه‌بود از رهِ قصور
دانند اهلِ فن که منم اوستادِ فن

در مدحتِ تو ذوق فشانم نه بادخوان
دریوزهٔ گهر کنم از دل نه از عدن

دامِ مرا شکار فراوان بود، ولے
سیمرغ گشت قافیه بگزشتم از زغن

داری سرِ غریب نوازی، زہے نشاط
غالب نه دیده‌ای که غریب است در وطن

---

۱ - مٹکے کی تلچھٹ -

٦

در منقبتِ حضرت علی علیہ السلام

اس قصیدے کے عنوان میں بانکی پور والے مخطوطے کے مطابق یہ عبارت درج ہے :

''از جوش جگر تشنگی ذوق ستایش امیرالمومنین ، بہ گرداب اندیشہ در افتادن و بہ مینو از سر چشمۂ کوثر سر برآوردن و ہم درآں مستی از بناں افشاندن'' ۔

دیوان مطبوعہ دہلی میں ہے - ''در منقبت ابوالائمہ مرتضیٰ علی علیہ السلام'' اور نولکشوری کلیات میں ہے ''قصیدۂ ششم در منقبت'' ۔

نازم بہ گراں‌مایگیِ دل کہ ز سودا
ہر قطرۂ خوں یافتہ پروازِ سویدا

اجزاے وجودم ز گدازے کہ ز جاں یافت
پالود بداں شیوہ کہ دل گشت سراپا

دریاب مذاقم ز کلامسم کہ نہ‌باشد
میناے مرا پنبہ بغیر از کفِ صہبا

نالِ قلم از جوشِ گدازِ دلِ خویشم
سیراب بود ہمچو رگِ ابر ز دریا

رخشانیِ معنی دمد از پردهٔ لفظم
چوں شمع ز فانوس و مئے لعل ز مینا

میراث رسیدست ز خونیں نفسانم
داغے شررآندا و بیانے جگرآلا

یابی تہِ خاکسترِ ہر حرف شرارے
آتشکدہ کاواست دسم پارسیاں را

آنم کہ بہ افزایشِ اندازۂ فطرت
آنم کہ بہ آرایشِ اندازِ تماشا

نطقم ز دم انگیختہ از مغزِ خرد جوش
کلکم ز رقم ریختہ بر صفحہ ثریا

بیں عیسیٰ[۴] و سامانِ نوالش نفسِ گرم
ہاں موسیٰ[۴] و برہانِ کمالش یدِ بیضا

چوں دشت پُر از لالۂ خودرُوست بساطم
از جادہ نورداں نہ کنم مزد تقاضا

چوں لعلِ رگِ ابر گدازِ جگرستم
خونم ہمہ در دامنِ خود می‌چکد اما

گوئی مژۂ اشک فشانم کہ سراسر
بر گنجِ گہر مے‌زنم از نازِ سرِ پا

ہر زمزمہ کز کام و زبانم بہ‌تراود
جوید ز رہِ پردۂ گوشم بہ دلم جا

چوں سیل که از بادیه خیزد به بهاراں
مالد بزمیں سینه و گیرد رهِ دریا

هرچند دریں عرصه به هر رنگ که خواهی
با نیک و بدِ دهر بسر میرود اما

دل می‌طلبد دوستی و دشمنیِ خلق
لب تشنهٔ خونند چه اعدا، چه احبا

هشدار که مجنوں نتواں شد به‌تکلف
دیوانه تواں گشت ولیکن به مدارا

گر حوصله همپاے نمی‌بود دریں راه
درباختمے زَهره ز تاب و تبِ غوغا

آزادگی از موج بروں برد گلیمم
ورنه من و ایں دعوی و ایں حوصله؟ حاشا!

در جیبِ رفیقاں گلِ شاداب فشاندم
هرچند تفِ تشنگیم سوخت به صحرا

در بزمِ حریفاں رگِ مهتاب کشودم
گر خود همه گردوں نمکم ریخت به صهبا

نفریں نه‌زند سیلیِ صرصر به چراغم
تحسیں نه‌دماند ز رگِ سازِ من آوا

ازبسکه سیه‌مستِ مئے جنبشِ کلکم
درپردهٔ هر نقش دلم می‌رود از جا

بیراهه اگر گام زنم خرده مگیرید
در عربده راهم ز درازی است بپهنا

نظارهٔ خوبان و مئے و نغمه حرام است
دیدیم و شنیدیم ، سَمعنَا و اَطعنَا

با ایں همه هرجا کند آهنگ خرابی
سرگرمیِ شوقے که بود حوصله فرسا

با نغمهٔ مطرب نتواں شد متعصب
از جلوهٔ ساقی نتواں کرد تبرّا

شوق است که چوں نشاء توحید رساند
از دار برد پایهٔ منصور به بالا

شوق است که فرهاد ازو مُرده به سختی
شوق است که مجنوں شد ازو بادیه پیما

شوق است که مرآتِ مرا داده به صیقل
شوق است کزو طوطیِ طبعم شده گویا

شوق است کز اعجازِ اثرهاے قبولش
آئینهٔ پیدائی حرف است ورقها

قانع به سخن نیستم و باک ندارم
نز خویش سپاس است و نه از غیر محابا

نظّارگیِ جلوهٔ اسرارِ خیالم
در آئنهٔ چشمِ حسود و دلِ اعدا

ز آویزشِ دونان ز سخن باز نه‌مانم
سیلابِ مرا زین خس و خاشاک چه پروا؟

شوقم همه راز است من و عربده هرگز
سوزم همه ساز است من و شکوه مبادا

گر مهر و گر کین همه رعنائیِ وهم ست
شاد آنکه به نیرنگ نه‌گردید فریبا

اندیشه دو صد گلکده گل برده بدامن
اما همه از نقش و نگارِ پرِ عنقا

چون پردهٔ شب‌بارِ مصور بخیالست
این کارگهِ وهم ز پیدائیِ اشیا

آن وعظِ فقیهانهٔ زاهد که نه زیبد
بر صفحهٔ دین نقشِ رواجِ غمِ دنیا

وان نغمهٔ مستانهٔ رندان که نیرزد
دم سردیِ امروز بسرگرمیِ فردا

آن حسن و دمِ ناز ز افسونِ ادائے
جان باز دمیدن به تنِ صورتِ دیبا

وان عشق و گهِ عجز به امیدِ نگاہے
از خویش گزشتن بسرِ راهِ تمنا

گردیدنِ هفت اختر و نُه چرخ به هر سو
زین عربده بالیدنِ آثار بهر جا

گل کردن صد رنگ بهار از جگرِ خاک
بر جستنِ یک دسته شرار از رگِ خارا

هنگامهٔ ابلیس و نشان دادنِ گندم
افسانهٔ آوارگیِ آدم[۴] و حوا[۴]

دانسته شود هرچه ز اسرارِ تعین
سنجیده شود هرچه ز آثارِ من و ما

از خامهٔ نقاش برون نامده هرگز
هر نقش که بینی ز پسِ پرده هویدا

وحدت همه حدے است معین که خود از وے
هستی همه جزئیست حقیقی که مر او را

طرفے نتوان بست بسر گرسیِ اوهام
هرگز نتوان کرد پراگنده بر اجزا

آئینه به پیشِ نظر و جلوه فراوان
دل پُر هوس و صاحبِ خلوت‌کده تنها

پیدا و نهان مشغلهٔ حبِّ ظهور است
چون پرده برافتد نه نهان است و نه پیدا

مدهوشِ ره و رسمِ فنایم، خبرم نیست
بیخویش قدح می‌زنم از خمکدهٔ لا

ایمانِ من اے لذتِ دیدار کجائی
در کارِ مذاقم بچکان رشحهٔ الا

آں رشحه که گوئی ز گرانمایگیِ ناز
مُهرے است به گنجینهٔ کیفیتِ اسما

آں رشحه که ساری است در اعداد چو واحد
آں رشحه که حالی است به صورت چو هیولیٰ

آں رشحه که آئینهٔ تصویر نمائی ست
اسرارِ رقمهاے حیاتِ ابدی را

آں رشحه که گر در طلبش باز شتابند
کوشش ز عرق مزد دهد لولوے لا لا

آں رشحه که گر در صدفش باز چکانند
از موجِ گهرها دمد انگارهٔ دلها

آں رشحه که بے خواست چکد از کفِ ساقی
در عرض قدح در زدن اندر خمِ صهبا

زاں رشحهٔ نم فیض قبول است مرادم
ساقی علیؑ عالی و خم‌خانه تولّا

در سجده رو اے خامه که ایں اسمِ مبارک
منجملهٔ اسماے الٰهی ست همانا

گردِ سرِ ایں نام که معراجِ بیان ست
سبحانک یا ربِّ تقدس و تعالیٰ

آں مصطفوی رتبه که تشریفِ ولایش
بر تارکِ سلمانؓ بنهاد افسرِ منا[1]

---

۱ - تلمیح ہے اس روایت کی طرف جس میں رسول اکرم صلعم سے یہ ارشاد منسوب ہے :
"ا لسلمان منا اهل البیت" - (سلمانؓ فارسی ہمارے اهل بیت میں سے ہیں) -

آں شاہِ کرم پیشہ کہ ہنگامِ رکوعش
بالید خمِ حلقۂ خاتم ز مصلا

هم شوکتِ آثارِ علیؓ بود کہ داؤد[۴]
صد چشم بہ رہ داشت ز اجزاے زرہ وا

چوں اسلحہ سازاں کہ بسازند سر و برگ
تا مرد کند جلوہ‌گری در صفِ ہیجا

هم مژدۂ دیدارِ علی[۴] بود کہ می ریخت
درپردۂ احیا ز لب و کام مسیحا

چوں بادِ بہاری کہ بہ ہنگامِ وزیدن
از گل فگند غلغلہ در خطۂ غبرا[۱]

از مکرمتش نافِ زمیں نافِ غزال است
مشکیں ز چہ شد ورنہ لباسِ حرم آیا؟[۲]

نے نے غلطم کز اثرِ ذوقِ ظہورش
زاں قطعۂ دل خاک زند جوشِ سویدا

آں خاتمِ اسرارِ یداللہ کہ باشد
منقوش بہ اسمے کہ بود عینِ مسمیٰ

شد مہر نبوت فوه[۳] تا ساخت پیمبرص
از دوشِ نگیں خانۂ یاقوت کفِ پا

---

۱ - زمین -

۲ - اس مضمون کا ایک شعر اردو میں بھی ہے :

مشکیں لباسِ کعبہ علی[۴] کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نہ نافِ غزال ہے

۳ - ڈانک ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ، یعنی نگین کے نیچے چاندی یا سونے کا پترا چمک دمک بڑھانے کے لیے رکھ دیا جاتا ہے -

تا حلقه بگوش است ز نقشِ سمِ دلدل
بر طالع این دائره رشک است فلک را

یال و دُمش از پرتوِ دیدار گل‌افشان
گردِ سمش از جلوهٔ رفتار شفق زا

وان تیغِ دو سر کز اثرِ شرک زدائی
بر کوکبهٔ کفر زند صاعقهٔ لا

چون طرح شود با الف صیقلِ ایمان
در دیدهٔ توفیق دهد جلوهٔ الا

سررشتهٔ نطقم به گسستن زده اینک
از کارِ فروبستهٔ دل عقده کشایا

پیداست که هیچیِ همه را چه ستاید
من ذره تو خرشید، من و مدحِ تو حاشا!

اندیشه بخارے و رگِ خامه گیاہے
با فکر چه نیروی و بتحریر چه یارا؟

خواهم که ز جوشِ نفس و ولولهٔ شوق
بر شیوهٔ عشاق کنم مدحِ تو انشا

اے داغِ غمت مردمکِ دیدهٔ اشیا
عکسِ تو هرآئینه ز هر آئنه پیدا[1]

در جنبِ گرانمایگی قدرِ تو عالم
چون ذرّه به صحرا بود و قطره به دریا

---

۱ - مطلع ثانی -

نقشِ قدمِ مورچه پیشت به شبِ تار
چون جوهرِ آئینه ز آئینه هویدا

درپیشِ نگاهِ تو فلک پردهٔ عینک
در چشمِ خیالِ تو جهان محملِ لیلیٰ

میخوارِ ترا ننگ ز پیمانهٔ جمشید
بیمارِ ترا رنج ز تیمارِ مسیحا

خاشاکِ درت تاجِ سرافرازیِ رضوان
نقشِ قدمت غازهٔ رخسارهٔ حورا

هم موجهٔ رفتارِ تو ذوقِ رخِ یوسف[۴]
هم جادهٔ راهِ تو رگِ خوابِ زُلَیخا

در گردِ خرامِ تو نگه ریشهٔ طوبیٰ
در بزمِ تماشاے تو مژگاں یدِ بیضا

تقدیر به رخسارهٔ توقیع اماست
زد از رقمِ نامِ تو گلگونهٔ طغرا

توفیق به آئینهٔ اسرارِ نبوت
کرد از اثرِ راے تو پرداز مهیا

رفتارِ تو گر آئنهٔ خاک زداید
از پردهٔ هر ذره دمد دیدهٔ بینا

اعجازِ تو گر سوے نباتات گراید
از ریشهٔ هر برگ برآید لبِ گویا

گویند که کوثر مئے ناب است سراسر
گویند که فردوس نگار است سراپا

آں چشمه ز طرفِ قدحت رشحهٔ باقی
واں سبزه ز بزمِ طربت خردهٔ مینا

مهرِ تو دریں عرصه به سوداگرِ ایماں
بخشد به سلم۱ قیمتِ موعودهٔ کالا

روے تو دریں پرده به جویندهٔ دیدار
امروز دهد حاصلِ دریوزهٔ فردا

در پردهٔ سازم جگر اندوده خطا نیست
کز برق و شفق باز برد جلوه به یغما

دانی که مرا دعوی فضل و هنرے نیست
دیبای من از نقشِ کمال است معرّا

در دائرهٔ فکر ز آشفتگیٔ راے
هر دم نفسم پیچ خورد چوں خطِ ترسا

از صعوهٔ۲ بے بال و پرِ من چه کشاید
پروازِ ثنایت طلبد شهپرِ عنقا

آنم که رباعی ز غزل باز ندانم
تاریخ به معنی نشناسم ز معما

---

۱ - کسی چیز کی قیمت پیشگی دینا ، بیعانه ۔

۲ - ممولا ۔

ذوقِ تو دمانیده ز لب سبزۂ گفتار
مدحِ تو دوانیده به دل ریشۂ احیا

نطقم به شمارِ عددِ حرفِ علی[۴] شد
در رشتۂ تحریر ز شوخی گہرآما

تکرارِ رخِ قافیه چندانکه خراشید
شوقم به جراحت نمک افشاند ز ایطا[۱]

ترکانه زدم زمزمۂ مدح و ثنایت
در منطقِ اجداد نه بر مسلکِ آبا

این پارسیِ ساده ز آرایشِ دعوی
وین بندگیِ پاک ز آلایشِ غوغا

دور از اثرِ عربده و بحث و ستیزه
منظورِ نگاهِ دل و جاں بخشِ تو بادا

در عرضِ ثنایت نفسم جوهرِ معنی
در بزمِ ولایت لقبم **غالبِ** شیدا

سیراب سفالم ز نمِ رشحۂ کوثر
گلپوش مزارم ز هجومِ پئے مولیٰ

---

۱ - لغوی معنی پامال کرنا - اصطلاح کے مطابق دو مصرعوں یا ایک نظم کے شعروں میں کوئی قافیہ دوبارہ لانا - اس کی دو قسمیں ہیں ، ایطاء جلی اور ایطاء خفی - ایطاء خفی وہ کہ تکرار واضح نہ ہو ، جیسے دانا اور بینا - جلی وہ جو بالکل واضح ہو، جیسے فسوں گر اور نواگر یا خوشتر اور خوب تر -

۷

در منقبتِ حضرت علی علیہ السلام

مخطوطہ بانکی پور میں اس کے عنوان کی عبارت یہ ہے :

"بہ نیروے نازش بندگی گستاخانہ با ایستادگان طرف بساط مرتضوی عرض حال کردن" -

دیوان مطبوعہ دہلی میں ہے :

"در منقبت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب علیہ السلام" اور کلیات مطبوعہ نول کشور میں ہے "قصیدۂ ہفتم در منقبت" -

خواہم کہ ہمچو نالہ ز دل سر برآورم
دود از خود و شرارہ ز آذر برآورم

چاک افگنم ز نالہ بدیں نیلگوں پرند
روے عروسِ فتنہ ز خاور[۱] برآورم

---

۱ - مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل فرماتے ہیں کہ دیوان مطبوعہ دہلی میں "خاور" کی جگہ "چادر" تھا ، کلیات میں "خاور" - بظاہر یہ اصلاح تھی ، جو نظر ثانی میں ہوئی اور ترجیح اسی کو دینی چاہیے -

نشتر به باسلیق[۱] شکایت فروبرم
خونِ دل از رگِ مژۂتر برآورم

مرهم ز داغِ تازه به زخمِ جگر نهم
پیکاں ز دل به کاوشِ نشتر برآورم

طومارِ شکوۂ نفس از دل بدرکشم
برق از نوردِ بالِ کبوتر برآورم

آتش زنم ز آه بدیں خیمۂ کبود[۲]
دود از نهادِ چرخِ ستمگر برآورم

مانندِ برگِ بید ز اندوهِ بےبری
با خویشتن درافتم و خنجر برآورم

آتش به ژند و موبدِ[۳] برسم درافگنم
گرد از بت و برهمن و بت‌گر برآورم

پاے ادب ز گوشۂ دامن بدرکشم
دستِ تظلّمی برِ داور برآورم

جاے که گم کند نفس از بیم راهِ لب
افغاں ز دل چو دود ز مجمر برآورم

---

۱ - باسلیق (اصلاً یونانی) اور باشلیق (ترکی) دونوں کے معنی بادشاہ کے ہیں - اس سے مراد انسانی جسم کی رگ دست ہے ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دل و جگر سے نکلی ہے ، اس لیے اسے بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے -

۲ - آسمان -

۳ - آتش پرستوں کے حکیم و دانش مند اور مذہبی پیشوا -

در مکتبے که خامه بهٔ دزدد نوا ز خوف
از نقطه خط و ز آئنه جوهر برآورم

بر منبرے که زینه ز پاسِ نفس بود
هوے چو سالکانِ قلندر برآورم

ناچار چوں خداے به دادم نمی‌رسد
من نیز کامِ خویش ز مظهر برآورم

فرمانِ سرفرازیِ مشتِ غبارِ خویش
از شهسوارِ دوشِ پیمبر برآورم

یارب ز یاعلی[۴] نه‌شناسم ، قلندرم
یک مے ز آبگینه و ساغر برآورم

در دل به جستجو همه ایزد درآورم
و ز لب به گفتگو همه حیدر[۴] برآورم

هر شکوه کز فلک به دل است، از رهِ زباں
در بارگاهِ قاتلِ عنتر[۱] برآورم

دست از جفاے گردشِ گردوں بسر زنم
آه از ستیزه‌کاریِ اختر برآورم

مکتوبِ شکوهٔ غمِ دل بےنهایت ست
از پردهٔ کدام رقم سر برآورم

باشد که جوشِ دل به خروش آردم که من
حرفے نه گفته قصهٔ دیگر برآورم

---

۱ ۔ عنتر کو قتل کرنے والا یعنی حضرت علی علیه السلام ۔

گویم علی[۴] است آنکه ز فردِ عطاے او
جویم اقل و یک قلم اکثر برآورم

از سمِ دلدلش چو غبارے شود بلند
یاقوت‌ریزه بیزم و گوهر برآورم

در لجهٔ خیالش اگر سر فرو برم
ناگاه چوں حباب ز کوثر برآورم

جائیکه از صیانتِ عدلش سخن رود
پروانه را به طبعِ سمندر برآورم

چوں سبزه هر سرے که نهم در رهش بخاک
ازدر ز سقفِ گنبدِ اخضر برآورم

در شوقِ کویش از خس و خاشاکِ راهِ خویش
خاقانِ چیں به‌چینم و قیصر برآورم

بر درگهش ز پیچ و خمِ نقشِ پاے خویش
منشورِ سرفرازیِ سنجر برآورم

هم درمیانِ مدح ز اندوهِ بیکسی
افسانه‌هاے غیر مکرر برآورم

اندوهِ چیره‌دستیِ اعدا چو بشمرم
از داغِ سینه قطعهٔ محضر برآورم

بیدادِ سطوتِ شرکا گر بیاں کنم
آمیزش از طبیعتِ عنصر برآورم

تمکینِ خود بر آتشِ دل گر نشان دهم
رقصِ شرر ز طینتِ اخگر برآورم

چون التفاتِ شاه نویدِ طلب دهد
کونین را متاعِ محقّر برآورم

در لابه کوشم و چو غلامانِ خرد سال
صد خواهشِ محال میسر برآورم

هم تیر را به کلبه قلم‌زن لقب دهم
هم زهره را به حجره نواگر برآورم

ز استادگانِ طرفِ بساطے که در کشم
افزون ز صد هزار سکندر برآورم

عمامهٔ قضا بسرِ مشتری نهم
خرشید را برهنه ز خاور برآورم

خلوت به درسِ معرفتِ حق طلب کنم
سلمان رض برون نشانم و بوذر رض برآورم

قنبر دریں میانه اگر سرگراں شود
برخیزم و ستیزه به قنبر برآورم

تا خود اساسِ هستیِ من برکَنَد علیؑ
خود را فرازِ قلعهٔ خیبر برآورم

گستاخیم فرو خورد و من به خویشتن
غوغاے پایه‌سنجیٔ کیفر برآورم

گریم به هاے هاے و زنم سر بسنگِ راه
چندانکه مغزِ سر به ره اندر برآورم

گردن به زخمِ ریزهٔ خارا به دستِ خویش
بشگافم و زباں زِ پسِ سر برآورم

شاها اگر ز درد نه‌نالم بدیں نمط
انده چگونه از دلِ مضطر برآورم

چوں برق از تپیدنِ جاں در کشاکشم
گر دل بود ز سینه به خنجر برآورم

نے پاے آنکه از سرِ راحت تواں گزشت
نے جاے آں که خار ز بستر برآورم

دانی که از رداے تو تارے کشیده‌ام
از پیرهن اگر تنِ لاغر برآورم

تاکے دریں نورد ز بیدادِ ناکساں
هر دم نفس ز سینه مکدر برآورم

آخر نه من ز خیلِ گدایانِ درگهم
تاکے نواے گدیه به هر در برآورم

تاکے به عرض درد تغابن بریں بساط
روے از تپانچه چوں گلِ احمر برآورم

تاکے به شمع کشتهٔ بزمِ مرادِ خویش
شیون ز بے نیازیِ صرصر برآورم

حیف ست کز تو باشم و از بهرِ وجهِ رزق
دستِ طمع به پیشِ برادر برآورم

امروز دادِ خستگیِ من بده که من
از سینه خارِ حسرتِ محشر برآورم

در عرصه از هجومِ بلا جاے آں نه ماند
کز گردِ ایں سپاهِ گراں سر برآورم

ناگاه مژدهٔ ظفرم ده کزاں نشاط
بالم به خویش و گرد ز لشکر برآورم

نتواں به اوجِ جلوه‌گهِ مدعا رسید
اما گر از نگاهِ تو شهپر برآورم

وقتِ دعا ست تا نفسِ مشک سازِ دل
چوں دود از فتیلهٔ عنبر برآورم

خواهم که نالِ کلکِ نیایش نگار را
هم چوں شعاعِ مهرِ منور برآورم

داغِ غمت به سینهٔ **غالب** ز روشنی
با مهرِ نیمروز برابر برآورم

رحمے کنم به جانِ بداندیشِ دولتت
کامِ دلش ز دشنه و خنجر برآورم

*****

۸

در منقبتِ حضرت علی علیہ السلام

یہ قصیدہ مخطوطہ بانکی پور میں موجود نہیں۔ دیوان مطبوعہ دھلی میں اس کا عنوان ہے:

"در منقبت امیرالمومنین علی علیہ السلام"

اور طبع نولکشور میں ہے "قصیدۂ ہشتم در منقبت" خود مرزا غالب نے اس قصیدے کا نام "رطل گراں" رکھا تھا، جیسا کہ آخری شعر سے واضح ہے۔

دوش آمد و بہ بوسہ لبم بر دہاں نہاد
رازِ دہانِ خویش بہ لب درمیاں نہاد

وانگہ بہ منعِ ریزشِ رازِ لب از زباں
مُہرے ز بوسۂ دگرم بر زباں نہاد

چوں لب ز بوسہ گنجِ گہرہاے راز شد
بر کُنجِ لب ز تیزیٔ دنداں نشاں نہاد

زاں مشت مشت گل کہ ببالاے ہم فشاند
از بیمِ بادِ رائحۂ در مغزِ جاں نہاد

زاں رخ کہ دمبدم ز کنارم بہ سینہ سود
گوشے بروے دل پئے درکِ فغاں نہاد

تا دید جز بہ چاکِ گریباں نہ دوخت چشم
تارے درونِ روزنِ سوزن رواں نہاد

شد صحنِ خانہ دجلۂ خوں چوں فرو فشرد
آں آستیں کہ بر مژۂ خونفشاں نہاد

گستردنی چنانکہ تو دانی نہ بود نرم
بگرفت بالشِ پر و در زیرِ راں نہاد

نازم بہ پیش‌بینیِ ساقی کہ ہم ز پیش
آوردہ‌بود بادہ و از ما نہاں نہاد

چوں بود بادہ تیز، روے برگماشتم
تا رفت و آمد و شکر آورد و خواں نہاد

زاں پس کہ جلوۂ شفق اندر اداغ دید
زاں پس کہ ریزۂ شکر اندر دہاں نہاد

چشم و لبش نوازشِ انباز برنتافت
از پیشگہ شراب و شکر بر کراں نہاد

منظور بود جلوۂ یکتائیِ خودش
آئینہ را بہ عنف[1] در آئینہ‌داں نہاد

از بذلہ در کمینِ شکارافگنی نشست
تیرے ز ترکشِ سخن اندر کماں نہاد

---

۱ - درشتی و تیزی -

زاں گونہ گوں سخن کہ بہ ہنجارِ رمز گفت
منت ز نطق بر خردِ خردہ‌داں نہاد

گفت اے کہ در ہوائے تو رسوا شدم بہ شہر
مہرِ تو بند بر دلِ نازک گراں نہاد

پوشم دگر ز لالہ‌رخاں رخ کہ روزگار
داغِ وفا بناصیۂ ارغواں نہاد

بر سازِ ایں ترانہ کہ آں دلربا سرود
بر رغمِ ایں سپاس کہ آں دلستاں نہاد

گفتم کہ اے نہال قدِ خارزارِ خوی
گفتم کہ اے ستارہ‌وشِ آسماں‌نہاد

شب تار و خانہ خالی و ہم‌سایگاں بخواب
در رہگزر ز تو کہ تواند نشاں نہاد؟

گویم دگر بخلق کرا دل نشیں شود
کاں محوِ ناز پاے بریں آستاں نہاد

در سرکشی فسانۂ شہری، مدار باک
کایں شہرہ مُہر بر لبِ وہم و گماں نہاد

کینہای آشکارِ تو خود پردہ‌دارِ تست
گر ناز خوانِ آشتی درمیاں[1] نہاد

---

۱ - مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل کا بیان ہے کہ دیوان مطبوعہ دہلی میں ''در نہاں'' تھا - ''نہاں'' و ''آشکارا'' کا تقابل کتنا ہی جاذب ہو، لیکن بظاہر ''درمیاں'' نظرثانی میں بنایا گیا اور اسی کو ترجیح ہونی چاہیے -

دستے کہ چشمِ خلق ز خونش نہ دیدہ پاک
صدرہ ز مہر بر دلِ پُر خوں تواں نہاد

گویند تا دلِ کہ ز خنجر ز ہم درید؟
گویند تا سرِ کہ بہ نوکِ سناں نہاد؟

انگیزِ ایں سخن بہ دلِ دوست کار کرد
برداشت از طرب دل و بر امتحاں نہاد

بعد از ہزار لابہ کہ از روے ناز بود
بہرِ ثناے شہ قلمم در بناں نہاد

نفسِ نبیؐ، خداے نصیری[۱]، امامِ خلق
آں منتِ عظیم کہ حق بر جہاں نہاد

ہنگامہ گرم ساز صفِ واصلاں علیؓ
کز نورِ علم شمع بہ بزمِ عیاں نہاد

پروردگارِ ناطقۂ عارفاں علیؓ
کز حرفِ حق بہ کام و زباں داستاں نہاد

زاں پیشتر کہ حسن ز ذوقِ نما نما
آئینہ در مقابلِ اعیاں عیاں نہاد

---

۱ - ایک فرقہ جو نصیر سے منسوب ہے - مولوی غیاث الدین رام پوری کا بیان ہے کہ نصیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہتا تھا اور حضرت علیؑ کا فدائی تھا - حضرت نے اسے قتل کرا دیا - بہ ہر حال نصیریوں کے متعلق عام روایت یہی ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو خدا کہتے ہیں اور مرزا نے بھی یہی کہا ہے - نفس نبیؐ ، خداے نصیری اور امام خلق تینوں صفتیں حضرت علیؓ کی بیان کی ہیں -

از خوبیِ وجودِ وے ایزد به علمِ خویش
گلدستهٔ به مجمعِ روحانیاں نهاد

آورد حق ز خلوتِ خاصش به چار سو
تا عامه را متاعِ نظر بر دکاں نهاد

کوسِ بلندپایگیِ جاهِ خویشتن
نیز از فروتنی است که بر لامکاں نهاد

یزداں که رازِ خویش نبیؐ را به لب سپرد
یزداں که سوزِ خویش علیؓ را به جاں نهاد

شمعے ز آتشِ شجرِ طور برفروخت
واں را به خلوتِ علی اللهیاں[1] نهاد

اے کز نوازشِ اثرِ اسم و رسمِ تو
نامم زمانه **غالب** معجزبیاں[2] نهاد

گفتارِ من ز نازشِ مدحِ تو باج و ساو[3]
بر قهرمان سنبله[4] و تواماں[5] نهاد

---

۱ - وہ لوگ جو حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں -

۲ - یعنی اسد اللہ الغالب -

۳ - ساو بروزن گاؤ: باج و خراج - سکۂ زر خالص کو بھی ''ساؤ'' کہتے ہیں -

۴ - سنبلہ بروج آسمانی میں سے چھٹا برج جس کی شکل ایک لڑکی کی سی ہے اور اس کے ہاتھ میں خوشۂ گندم ہے - سنبلہ خوشۂ گندم ہی کو کہتے ہیں ، اسی لیے برج کا یہ نام رکھا گیا -

۵ - تواماں سے بظاہر مراد برج جوزا ہے -

هرچند چوں منے نہ تواند ترا ستود
گویم لطیفۂ کہ تواں دل براں نہاد
عنقائے قافِ قدرِ تو اوجِ ہوا گرفت
زو ماند بیضۂ کہ دریں آشیاں نہاد
مردم نہ بردہ راہ بجائے گماں کنند
کایزد اساسِ چرخ بریں خاکداں نہاد
اندیشۂ بلندروِ لامکاں نورد
چوں خواست بامِ کاخِ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فرازِ کوہ
بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد[۱]

---

۱ - میرزا نے ان دو شعروں کی شرح قدر بلگرامی کے نام ایک مکتوب میں یوں لکھی تھی:

''پہلے مصرع میں ''اندیشہ'' فاعل ہے ''خواست'' کا جو مصرع ثانی میں ہے، ''نہاد'' بہ معنی مصدری ہے - دوسرے شعر میں ''دید'' اور ''نہاد'' کا فاعل وہی اندیشہ ہے -

اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہو گا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھو لیں، مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے، جتنا زمین سے نظر آتا تھا - فرقداں ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر - ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقداں پر سے بام جاہ ممدوح نظر آوے گا، بہت قریب - ہم فرقداں پر گئے، وہاں بھی قریب نہ پایا - فرقداں پر ہزار پائی رکھی، اس پر چڑھ کر دیکھا تو بام ممدوح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بُعد ہے، جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں - یہ مبالغہ حد تبلیغ سے گزر گیا -

در علمِ خود ز خوے تو حق ساخت گلشنے
جز حق دگر که داند اساسش چساں نہاد

مانا که نامور ملکے اندراں مقام
بنیادِ نخلبندیِ آں بوستاں نہاد

ہر فضله کاں فتاد بهپیرایش از نہال
مزدورِ باغ در سبدِ باغباں نہاد

چوں جنسِ خانهخیز عزیز است نامِ آں
فردوس و خلد و جنت و باغِ جناں نہاد

بود است عین ثابتهٔ جوے انگبیں
کیفیتے کزاں لبِ شکرفشاں نہاد

دوزخ شد آنچه در دلِ خصمِ تو ہم به علم
سوزِ فراق آں چمنِ بےخزاں نہاد

فریادرس شہا! ز سپہرم شکایتے است
کاں جز به شاه خوش نبود درمیاں نہاد

با نکہتِ گلم به اثر ہمنفس شمرد
با منشیِ خودم به سخن ہمزباں نہاد

پیدا به کارسازیِ سودم نہاد دل
پنہاں بناے کارِ مرا بر زیاں نہاد

بے رونقی ز قحطِ خریدار چشم داشت
کایں مایه نرخ گوہرِ نطقم گراں نہاد

از شهرتی که مزدِ جگرکاویِ من است
بر جانِ من سپاسِ هزار ارمغان نهاد

چرخم مگر ز جملهٔ زندانیان گرفت
کاینک مدارِ من به دسی آب و نان نهاد

زین بی‌حیا بپرس که مارا کدام روز
مسند فرازِ تخت‌گهِ خاوران نهاد؟

زین بی‌نوا بجوی که مارا کدام شب
بالین و بستر از سمن و ارغوان نهاد؟

بالش ز مخمل ار نه بود، خشت قحط نیست
باری بود سری که به بالین توان نهاد

دودِ چراغ در شب و خونِ جگر به روز
سی سال خوردم و فلکش رایگان نهاد

یاقوت چید گر ز بساطم، سفال خواند
ور خود پلاس داد به من، پرنیان نهاد

گر برد رنجی از تنِ زارم تلف نه کرد
وان را ذخیره از پئی روح و روان نهاد

هر کزلکِ ستم که ز کینم به سینه راند
از تیزیش نشان به سرِ استخوان نهاد

اندیشه آن خطوط که دارم بر استخوان
نشمرده هم شمارهٔ ریگِ روان نهاد

هرچند بر طبیعتِ امکاں گزاشتم
نگسست بندِ غم که ز اول گراں نہاد

بارے به دست و ساعدِ خیبر کشاے خویش
کایزد دراں مجالِ کشادے چناں نہاد

بگسل به زعمِ من که گماں می‌کنم که چرخ
ایں بندِ استوار گراں جاوداں نہاد

زندانیِ اگر طلبد وایهٔ ز شاه
بند از عسس روا نه‌بود بر زباں نہاد

زیں رو بود که **غالب**ِ مسکیں به بندِ چرخ
دل بر عطاے پادشهِ انس و جاں نہاد

ہاں، ہم نشیں اگر نگری کایں گہرفروش
گنجِ سخن به‌قافیهٔ شایگاں[1] نہاد

یاد آر عذرخواهیِ سلماں[2] که گفته است
رسمے است بس قدیم نه‌گوئی فلاں نہاد

---

۱ ـ قافیهٔ شایگاں معیوب ہے ـ اس کی کئی صورتیں ہیں ـ مثلاً :

(ا) صیغہ ہاے اسم فاعل کو جیسے گریاں ، خنداں ، شاداں وغیرہ ایک نظم میں قافیہ بنانا ـ

(ب) ی اور ن نسبت کو ان الفاظ کا قافیہ بنانا جن کے آخر میں ”ی“ اور ”ن“ اصلی ہوں جیسے سیمیں وآتشیں قافیۂ جبین و کمین ـ

(ج) الف اور نون جمع کو ان الفاظ کا قافیہ بنانا جن کے آخر میں الف اور نون اصلی ہوں جیسے دوستان و یاراں اور زمان و مکاں ـ
شعرا نے ٹھہرا رکھا ہے کہ صرف ایک جگہ ایسے قافیے لانا جائز ہے ـ

۲ ـ سلمان ساوجی

نازم به نطقِ خویش که در شاهراهِ مدح
خود مست رفت و بر دگران ترجمان نهاد

چون پایه سنجِ مستیٔ خویش است لاجرم
نامِ قصیده ناطقه "رطلِ گران" نهاد

*****

۹

در منقبتِ سیدالشہدا علیہ السلام

مخطوطہ بانکی پور میں اس قصیدے کی عبارت کا عنوان یوں ہے :

''کاهش دل در کشا کش ناسازی طالع ذنبی و چارۂ
آں بہ قسمین بخور و لبوب کبیر نعت سبط نبی'' ۔

دیوان فارسی مطبوعہ دهلی میں عنوان ہے : ''در منقبت جگر گوشۂ رسول کونینؐ ، سیدالشهدا حضرت امام حسین علیہ السلام'' اور کلیات مطبوعہ نولکشور میں ہے :

''قصیدۂ نہم در منقبت سیدالشهدا علیہ السلام''

میرزا نے یہ قصیدہ بھی عرفی کے قصیدے پر لکھا ہے جو اس نے ابوالفتح گیلانی کی مدح میں کہا تھا اور بڑا زوردار قصیدہ تھا - اسی میں ایک جگہ کہا تھا :

خدایگانا بگویم بہ مدحِ خویش دو بیت

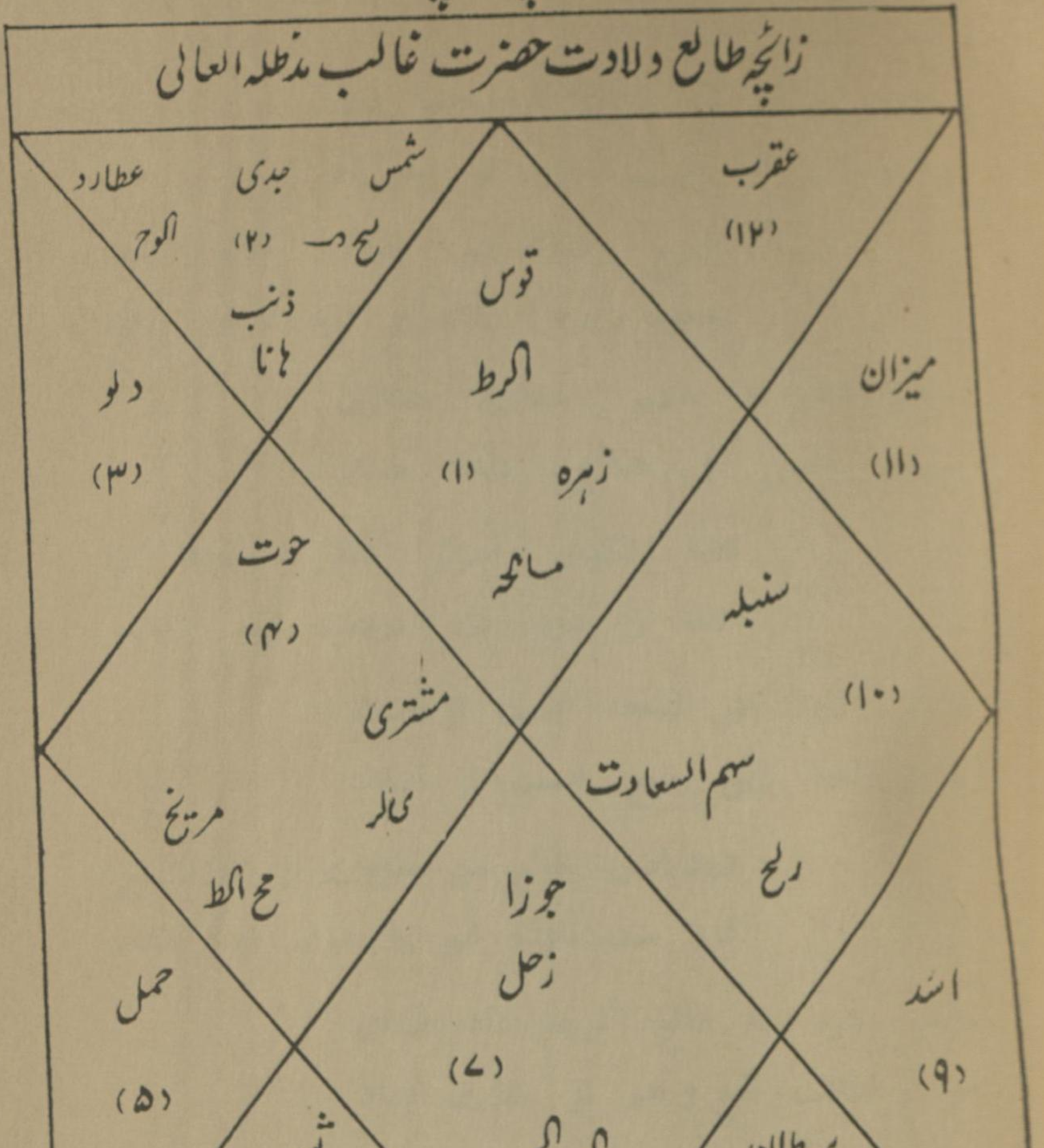
مگر مرا دلِ کافر بود شبِ میلاد
که ظلمتش دهد از گورِ اهلِ عصیاں یاد

بطالعے ز عدم آمدم به باغِ وجود
که رفته بود به دروازۂ ارم شدّاد[1]

---

۱ - مشہور ہے کہ شداد نے باغ ارم بنوایا ۔ جب وہ باغ میں داخل ہونے کے لیے بیرونی دروازے پر پہنچا تو بارگاہ قضا و قدر سے روح قبض کر لینے کا حکم صادر ہو گیا ۔ چنانچہ بیرونی دروازے هی پر وہ مر گیا - میرزا فرماتے هیں ایسا هی نصیبہ میں لے کر عدم آباد سے باغ هستی کے دروازے پر پہنچا -

پہلا زائچہ



مولانا عرشی فرماتے ہیں:

یہ زائچہ یونانی تقویم کے مطابق بنایا گیا ہے، اس لیے غالب نے اپنے..

.....اشعار میں جو احکام بیان کیے ہیں انہیں اسی تقویم کے قواعد و ضوابط کے تحت دیکھنا اور پرکھنا چاہیے۔

خروشِ مرگ کہ طوفانِ نا امیدیہا ست
غریو یاس کہ مرگے بہ نو مبارکباد

طلوعِ نشاۂ بیمِ ہلاک طالعِ وقت
ہجومِ عرض بلاہاے تازہ عرضِ بلاد

جحیم ناظر و خشمِ خداے مستولی
سہیم دشمن و ہیلاج دیدۂ حساد

قضا نگارشِ اسرارِ شکلِ زائچہ را
کند ز دُودِ دلِ دردمند اخذِ مداد۱

مگوی زائچہ کایں نسخہ ایست از اسقام
مگوی زائچہ کایں جامع ایست از اضداد

خود اصلِ طالعِ من جزوے از کمان استے
کزو ست ناوکِ غم را ہزار گونہ کشاد

خرامِ زہرہ بہ طالع اگرچہ دادہ نشاں
ہم از لطافتِ طبع و ہم از صفاے نہاد

ولے ازاں کہ غریب ست زہرہ اندر قوس
نشستہ بر رخِ نقدِ قبول گردِ کساد

تو گوئی از اثرِ انتقام ہاروت است
کہ مر بہ طالعِ من چرخ زَہرہ را جا داد

بہ صفرِ جدی ذنب را اشارۂ باشد
بہ خاک و حلقۂ دام و کمینگہِ صیاد

---

۱ - سیاہی ، روشنائی - زائچہ کلیات کی طبع اول کے بعد حذف ہو گیا -

چه دام؟ روح و روان را گدازشِ پر و بال
چه صفر؟ رنج و الم را فزایشِ اعداد

ز مهر و پیکرِ تیر آشکار گشته به جدی
فروغِ اخگرِ رخشنده و کفے ز رماد

به حوت درشده هم مشتری و هم مریخ
یکے کفیلِ صلاح و یکی دلیلِ فساد

یکے به هیئاتِ پیرے که ناگه از غوغا
به کنجِ صومعه وامانده باشد از اوراد

یکے به صورتِ تُرکے که از پئے یغما
ستیزه جوے درآید به خانهٔ زهاد

قمر به ثور که کاشانهٔ ششم باشد
چو نورِ خویش کند دستگاهِ خصم زیاد

سیاه گشته دو پیکر ز سیلیِ کیواں
چنانکه از اثرِ خاک تیره گردد باد

بدیں دو نحس نگر تاچه شکلِ مستقبل
کشیده‌اند ز تربیع خویش در اوتاد

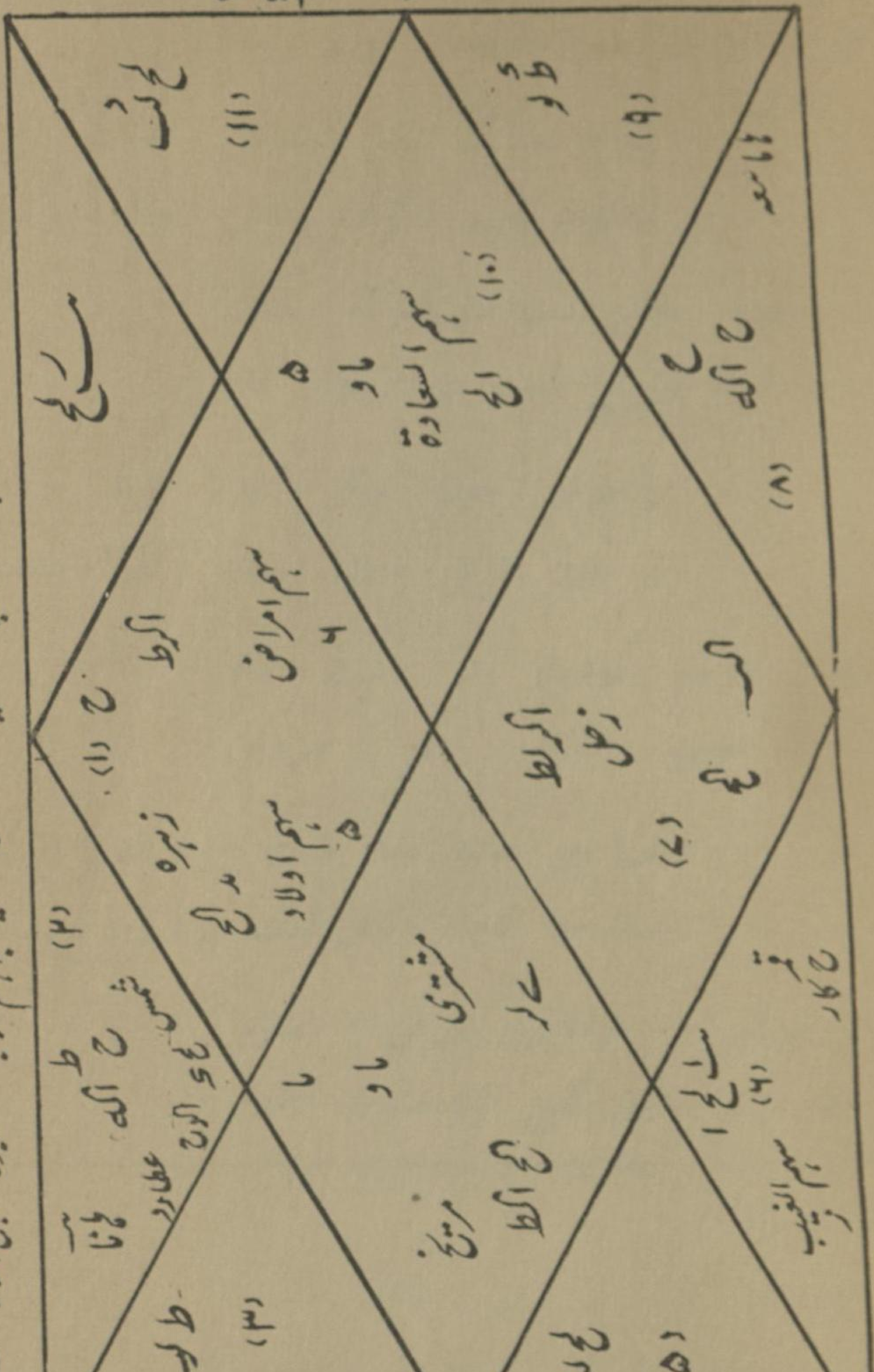
به چارمیں‌کده بهرام پنجمیں پایه
به هفتمیں زده کیواں به هفتمیں بنیاد

کند چو تُرکِ ستمگر به کشتن استعجال
کند چو هندوِ رهزن به بردن استبداد

دُوسرا زائچہ

موافق استخراج تقویم یُونانی،

زائچہ طالع ولادت باسعادت مطالع جناب غالب مدظلہ العالی کہ بوقت شب چار گھڑی پیش از طلوع صبح روز یکشنبہ ہشتم رجب سنہ ۱۲۱۴ ہجری مطابق آغاز سنہ ۱۷۹۸ عیسوی روی دادہ



وحسب استنباط پترۂ ہندی نیز طالع قوس است مگر ششمین درجہ و آفتاب و ذنب در طالع واقع

یہاں یہ عرض کر دینا چاہیئے کہ ۱۲۱۴ غلط چھپا ہے- سنہ ۱۲۱۲ ہونا چاہیئے- نیز مطبوعہ تقویم کے مطابق ۸ رجب سنہ ۱۲۱۲، ۲۷ دسمبر سنہ ۱۷۹۷ء کو تھی اور دن بدھ کا- آغاز سنہ ۱۷۹۸ء لکھنا محض قیاس پر مبنی ہے- یہ نیر درخشاں کا بیان ہے؛

ز حوت ہیبتِ طوفانِ نوح پردہ‌کشا
عیاں ز صورتِ جوزا نہیبِ صرصرِ عاد

تو و خدا کہ دریں کشمکش کہ من باشم
چگونہ چوں دگراں زیستن تواں بہ مراد

رواں ز غصہ سفالے است در گذرگہِ سنگ
خرد ز فتنہ چراغے است بر دریچۂ باد

ز جوشِ خونِ جگر دیدہ کوزۂ صباغ[1]
ز سوزِ داغِ دروں سینہ کورۂ حداد[2]

گزارشِ ہوسم نوبہار در دے ماہ
گدازشِ نفسم آفتاب در مرداد

مرا چو سایہ سیاہ است روز و شب تاریک
مرا چو شعلہ معاش است دود و داغ معاد

کبود پوشم و قرطاس پیرہن سازم
گہے بہ ماتمِ دانش گہے بہ حسرتِ داد[3]

---

۱ - رنگریز کا مٹکا -

۲ - لوہار کی بھٹی -

۳ - مولانا امتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے اس زائچے پر ایک مختصر سا مقالہ فروری ۱۹۶۷ء کے ''آجکل'' میں شائع کیا تھا - اس کا مفاد ملخصاً یہاں پیش کیا جاتا ہے :

(۱) زائچے دو تھے، ایک یونانی تقویم کے مطابق جو ۱۸۴۸ء کے مرتبہ کلیات فارسی میں ضرور شامل تھا - دوسرا ہندی تقویم کے مطابق جو کلیات نظم فارسی طبع اول میں چھپا -

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

نفس بہ لرزہ ز بادِ نہیبِ کلکتہ
نگاہ خیرہ ز ہنگامۂ الہ آباد ۱

(۲) میرزا نے یونانی تقویم کے مطابق زائچہ بنایا تھا۔ اس کے نیز ہندی تقویم کے مطابق میر خیرات علی مرحوم کی دو کتابوں، نیر اعظم اور کشاف النجوم کی مدد سے ہر خانے کے احکام کی کیفیت یہ معلوم ہوتی ہے :

(ا) خانۂ اول میں جو مولود کا طالع بھی ہے ، زہرہ (ہندی سکر) موجود ہے ، لہذا صاحب طالع کو شعر گو اور سخنور ہونا چاہیے ، مگر زہرہ اس خانے میں اجنبی مانی گئی ہے لہذا صاحب طالع کی قدر خاطر خواہ نہ ہو۔

(ب) خانۂ دوم میں شمس ھے جو تلاش مال و دولت نیز نقصان مایہ کا پتا دیتا ہے۔ عطارد (بدھ) اس خانے میں ہونے سے تلاش دولت میں مدد ملے لیکن صاحب طالع خرچیلا ، قوی ، خوش شکل اور شیریں گفتار ہو۔ چونکہ ذنب (کیت) بھی اس خانے میں موجود ہے لہذا صاحب طالع مکان موروثی سے محروم ہو ، نقصان مال کا رنج اٹھائے اور سفر بھی کرے۔

(ج) خانۂ چہارم میں مشتری (برہسپت) اس امر کی دلیل ھے کہ صاحب طالع کے والدین خوشحال اور صاحب جاہ و عزت ہوں ، مگر مشتری کے ساتھ مریخ کا ہونا اس پر دال ہے کہ صاحب طالع کے اہل خاندان کم ہوں۔

(د) خانۂ ششم میں قمر کا ہونا پتا دیتا ہے کہ صاحب طالع بے مقدور اور مبتلائے فسق و فجور ہو۔ اس خانے میں زحل کا موجود ہونا پتا دیتا ھے کہ صاحب طالع ہر شخص سے اچھا برتاؤ کرے۔

---

۱ - میرزا کے مفصل سوانح سے پتا چلتا ہے کہ ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل میں نواب شمس الدین احمد خاں ماخوذ ہوے۔ ۴ ربیع الاول ۱۲۵۱/ ۳۰ جون ۱۸۳۵ء کو میرزا نے پنشن کے متعلق اپنے پرانے مطالبات ایک

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

تو اے ستارہ نہ دانی کہ رنجم از آزار؟
تو اے سپہر نہ سنجی کہ ترسم از بیداد ؟
ترا غمے است بسرمایۂ گرانیِ کوہ
مرا دمے است بہ نیروے تیشۂ فرہاد

من و بلاے تو نطعِ ادیم و تابِ سہیل
من و جفاے تو شاگرد و سیلیِ استاد

فغان و حوصلۂ دل شرارہ و خارا
غبار و ناصیۂ بخت جوہر و فولاد

مفصل درخواست کی شکل میں لفٹنٹ گورنر آگرہ و الہ آباد کے پاس بھیج دے، کیونکہ اس زمانے میں دھلی کا علاقہ لفٹنٹ گورنر آگرہ و الہ آباد سے متعلق تھا۔ پنجاب سکھوں کے قبضے میں تھا اور اودھ پر سلاطین اودھ حکمران تھے۔ اس درخواست کا جواب لفٹنٹ گورنر نے یہ دیا کہ مقدمہ سوپریم کونسل میں پیش ہو چکا ہے، لفٹنٹ گورنر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کر سکتا، تمام کاغذات کلکتہ بھیج دیے جائیں۔ میرزا نے ۲۳ مارچ ۱۸۳۶ء کو دو درخواستیں لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل کے پاس بھیج دیں۔ مقدمے کی روداد کے علاوہ لکھا کہ سکرٹری اور ریزیڈنٹ نے میرا مقدمہ خراب کر دیا ہے، آپ خود انگریزی انصاف کے اصول پر فیصلہ فرمائیں۔ گویا الہ آباد سے اشارہ لفٹنٹ گورنر کی طرف اور کلکتہ سے سوپریم کونسل اور گورنر جنرل کی طرف ہے۔ یہ اس شعر کا پس منظر ہے۔

دوسرے زائچے میں ایک غلطی یہ ھے کہ سال ولادت ۱۲۱۴ء لکھا گیا حالانکہ ۱۲۱۲ء ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ تو بظاہر محض ہندسے کے باب میں اشتباہ کا معاملہ سمجھا جا سکتا ہے۔ بڑی غلطی یہ ہے کہ ۸ رجب کو جو میرزا کی تاریخ ولادت ھے اتوار نہیں بدھ تھا۔ اتوار اس صورت میں آ سکتا ھے کہ تاریخ ولادت ۱۲ رجب مانی جائے۔ میرزا نے ولادت کا دن اور وقت اپنی والدہ یا نانی سے سنا ہوگا اور بغیر تحقیق کے لکھ دیا۔ زیادہ امکان تاریخ کے غلط ہونے کا ھے۔ دن کے غلط ہونے کا نہیں۔ بہرحال دونوں میں سے ایک کا غلط ہونا یقینی ھے۔

من و ستم دلِ رنجور و التفاتِ طبیب
من و خطر رگِ مجنون و نشترِ فصاد

به گوش تابِ طبیعت روم ، معاذالله
نه‌دیده ام که خود ازکیست جمله بست‌وکشاد؟

ستاره را همه رفتار ز اقتضاے قضاست
چنانکه جنبشِ نرد از اناملِ نراد[1]

ز گردشے که به گردوں همے کنم ثابت
ستاره رفته به چشمک‌زنی که ها سمراد[2]

فلک کجائی و طالع چه و ستاره کدام
کنم شکایتِ دشمن ، ز دوست شرمم باد!

غزل سرایم و در مہر پیچم از اندوه
ترانه سنجم و برخیزم از سرِ فریاد

ز رشک گویم و داند که نالم از بیداد
رسیده‌ام به نگارے که کس بدو مرساد

تو گفته‌ای که چو میری فداے من گردی
شوم فداے تو ، من برنتابم ایں میعاد

ز جورِ تو به تغافل ز خویش بگزشتیم
به پشتِ چشم نهادیم شکوه را بنیاد

---

۱ - نرد کھیلنے والا -

۲ - وهم ، فکر باطل -

هزار بار ز خوباں گرفته‌ام به فریب
هم از مشاهده کام و هم از معانقه داد

تو آں نه‌ای که به هنگامه با تو درگیرد
به بحث جلوه سخن راندن از گل و شمشاد

گزیده گوئیِ **غالب** نگر که از تفِ مغز
چه نغز شیوه در ابداع کرده‌است ایجاد

بیا که شوق عنانِ سخن به‌گرداند
ز سنگلاخِ شکایت به مرغزارِ وداد

بیا که نیست ثباتے بدیں نشاط و ملال
بیا که نیست دوامے بدیں بیاض و سواد

بیا که زود سراید زمانهٔ اندوه
شود روانِ گرامی ز بندِ تن آزاد

بیا که داده نویدِ نکوئیِ فرجام
حسین[۴] ابنِ علی آبروے دانش و داد

بداں اشاره که چوں در خداے گم گردید
نمود نزدِ خدا امتِ نیا را یاد

دوئی نبود و سرش هم چناں به سجده فرود
زہے امام و زہے استواریِ پاساد[۱]

---

۱ - صیانت، حفاظت - خصوصاً اپنے آپ کو غیر مستحسن امور سے کاملاً محفوظ رکھنا -

عنایتِ ازلی گاہوارہ جنبانش
بزرگوارِ جہاں تا بہ آدم از اجداد

ہدایتِ ابدی پیش‌کارِ دیوانش
خدایگانِ امم تا بہ خاتم از اولاد

گزیں امامِ ہمامی کہ در خدا طلبی
فزودہ پیشِ خداوند آبروے عباد

بہیں شہیدِ سعیدیکہ باجِ تشنہ لبی
گرفتہ حبلِ وریدش[۱] ز خنجرِ جلاد

زہے بہ رتبہ ملقب بہ سید الشہدا
زہے بہ نطفہ موشح[۲] بہ سید السجاد

ز نقشِ پاے تو محراب سازیِ اقطاب[۳]
ز گردِ راہِ تو سجادہ بافیِ اوتاد[۴]

چراغِ بزمِ عزاے تو دیدۂ خونبار
نشانِ محوِ ولاے تو خاطرِ ناشاد

زند ز موجۂ خوں دیدہ در ہواے تو بال
بود ز لختِ جگر نالہ را بہ راہِ تو زاد

---

۱ - رگ گردن، شاہ رگ -

۲ - آراستہ -

۳ - اقطاب قطب کی جمع یعنی وہ بزرگ جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ معنوی اعتبار سے مختلف علاقوں کے انتظام و تدبیر پر مامور ہیں -

۴ - اوتاد ، جمع وتد کی - عام شہرت کے مطابق اولیاء اللہ کی ایک قسم جو ایک وقت میں پوری دنیا میں صرف چار ہوتے ہیں -

ز عتبه[۱] بوسیِ سپهرِ تو رو سپید احرام
ز دل‌نوازیِ نطقِ تو کامیاب ارشاد

ز تابِ داغِ غمت سرخروئیِ ارواح
ز فیضِ خاکِ درت سبزبختیِ اجساد

لوائے قدرِ تو بالائے ایں فرازیں کاخ
جہانِ جاہِ تو آں سوئے ایں فرودیں لاد[۲]

اجل نہیب به میدانِ رزم از تو عمود
قوی اساس در ایوانِ شرع از تو عماد

بیاں ز حزمِ تو صورت کشائے صلح و صلاح
نشاں ز عزمِ تو معنی نمائے جہد و جہاد

ز دانشِ تو به بال عطیهٔ ایثار
ز بینشِ تو به فیض افاضهٔ امداد

کند مشاهده شاهد ز تربتِ عاشق
نمودِ گریه ز دل همچو دجله در بغداد

بسانِ باده ز مینا به دیدهٔ بینا
دهد نشانِ گل از خاک کورِ مادر زاد

توئی که یادِ تو وقتِ نیایشِ یزداں
مبارک آمده همچوں درود در اوراد

---

۱ - دهلیز ، آستانہ -

۲ - بناء زیریں یعنی زمین -

ولے ولاے تو چوں فیضِ مبدء فیاض
رسیدہ است بہ ہر کس بہ قدرِ استعداد

چو عینِ ثابتہ را اقتضاے ذاتی ہست
نہ‌تافت نیّرِ مہرت بہ فرقِ ابنِ زیاد[۱]

قضا کہ دیدہ درستی کجا روا دارد
کہ سرمہ ہدیہ فرستد بہ کورِ مادرزاد

ستم رسیدہ اماما ! بہ خوں طپیدہ سرا !
کہ کربلا ز تو گردیدہ قبلہ‌گاہِ بلاد

چو خود بہ حوصلۂ لطفِ تست استظہار
چو خود بہ جائزۂ جودِ تست استمداد

چرا ز شوخیِ ابرام بایدم رو ساخت
چرا بہ عربدہ خاموش بایدم استاد

ز دل بہ لافِ ولاے تو جوش می‌زندم
رواں فروز قسمہاے راستی بنیاد

بہ سر بزرگی و کوچک دلی ز من بپزیر
اگر دمد ہمہ نقشِ الوف از آحاد

بداں خداے کہ از فرطِ مہربانیِ او
برند پیشِ وے از دستِ خویشتن فریاد

---

۱ - یعنی عبیداللہ ابن زیاد ، جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا اصل ذمہ دار تھا ـ

به رهبرے که گدایانِ کوے غفلت را
ز نورِ شرع چراغے به رهگزار نهاد

بدان سمیِ[۱] خداوند، کز کمالِ شرف
خداے راست ولی و رسول را داماد

بدان کریم که در جنبِ ریزهٔ الماس
جواهرِ جگر پاره بیروں داد

به رسم و راهِ تو کاورده رنگ و بوے وفاق
به خاکِ پاے تو کافزوده آبروے وداد

به ُنه گهر که تو آں را سحابِ نیسانی
نفوسِ قدسیه یعنی ائمهٔ امجاد

به رهروے که گراید به سایهٔ شمشیر
به تشنهٔ که ستیزد به دشنهٔ فولاد

به شدتے که رود در طریقِ استعجال
به حیرتے که بود در مقامِ استبعاد

به تازه روئیِ بستانیانِ سهر و وفاق
به زشت خوئیِ زندانیانِ بغض و عناد

به دشتبانیِ ُترکانِ ایبک و قبچاق
به میرزائیِ خوبانِ خلّخ و نوشاد

به دورگردِ غزالانِ دامنِ صحرا
به خوشخرام تذروانِ سایهٔ شمشاد

---

۱ - سمي بہ معني هم نام ، يعني ''علي'' بهي اسماء حسنىٰ ميں سے ہے -

به خواریِ اثرِ نغمه در نهادِ اصم
به هیچیِ رقمِ نامه پیشِ کور سواد

به آشتی که بود ویژه بهر سازِ نبرد
به مصلحت که بود خاصه از برای فساد

به نسبتِ هوسِ صیدِ گور با بهرام
به شهرتِ رمِ برقِ درفش با کشواد

به نوجوانیِ سهراب و غفلتِ رستم
به لغزشِ قدمِ رخش و چاه‌سارِ شغاد[1]

به انتشارِ شمیم و به انتعاشِ مشام
به اهتزازِ نبات و به انقباضِ جماد

به استواریِ دانش، به سست عهدیِ وهم
به سرفرازیِ شاهیں، به خاکساریِ خاد[2]

به بے‌دماغیِ بیمار و اختلاطِ طبیب
به بے‌گناهیِ اطفال و شدتِ استاد

به موکشائیِ یلدا و مرگِ آذر ماه
به هرزه‌تازیِ باحور و رخصتِ خرداد

---

۱ - رستم کا بھائی، جس نے دشمنوں کے ساتھ سازباز کے بعد اپنے شہرۂ آفاق بھائی کو ایک کنویں میں گرا دیا تھا اور وهیں وہ مر گیا - لیکن جب جھک کر کنویں میں دیکھنے گیا کہ رستم کا حال کیا ہے تو اس نے کنویں میں سے ایسا تیر چلایا کہ شغاد بھی مارا گیا -

۲ - خاد : چیل -

به صبرِ من که بود همچو آب در غربال
به عیشِ من که بود هم چو عید در اشناد

به یاسِ شب‌بسرآوردگانِ بزمِ وصال
به داغِ روزفرورفتگانِ باغِ مراد

به شادمانیِ بزمے که باشد اندر وے
شراب خم خم و رنداں حریص و ساقی راد

به خاطرے که ز سودائے رشکِ نکهتِ زلف
بسانِ زلف بخود پیچد از وزیدنِ باد

به سازگاریِ وادی که خامه در تحریر
دهد به لیلی و مجنوں ز خسرو و فرهاد

به شکوۂ که سرایند محرمانِ عروس
به مصلحت ز زبانِ عروس با داماد

به سادۂ که به بے پردگی دهد الزام
اگر به پرده‌گهِ نازش از گل آری یاد

به کلبۂ که نشیند به خاک پیش از خویش
به سایۂ که فتد در مغاک بعد از لاد

به حسرتے که بجوشد ز کاشکے یارب
به جراتے که تراود ز هرچه باداباد

به نخوتے که عدو را بود به مال و منال
به نازشے که مرا می‌رسد به خوی و نژاد

به آتشے که ز تری چکیده از لبِ من
به پیچشی که ز کژّی فتاده در حساد

که ذره ذرهٔ خاکم ز تست نقش‌پزیر
نه نقشبندِ ازل، نے زمانی و بهزاد

غمت اگر همه مرگ است من بداں زنده
ولایت ار همه درد ست من بداں دلشاد

ز تو که زیبدم البته رنگ رنگ سوال
ز تو که بخشیم البته گونه گونه مراد

امید را بدعاے همی‌دهم تسکیں
خرابه را به هواے همی‌کنم آباد

که چوں به حشر غلامانِ خویش بشماری
"کجا ست **غالبِ** آواره" بر زبانت باد!

✻✻✻✻✻

۱۰

در منقبتِ سومیں امام علیہ السلام

دیوان مطبوعہ دہلی میں اس قصیدے کا عنوان تھا : ''در منقبت سیدالشہدا علیہ‌التحیۃ والثنا'' اور کلیات فارسی مطبوعہ نولکشور میں ''دھمیں قصیدہ ہم در منقبت سومین امام'' ۔

میرزا غالب ۱۸۴۳ء کے کسی مشاعرے کا ذکر کرتے ہوئے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی کو لکھتے ہیں کہ ضیاءالدین احمد خاں نیر نے عرفی کا یہ مصرع آیندہ مشاعرے کی طرح میں دیا :

صد سال می‌تواں بہ تمنا گریستن

فرماتے ہیں کہ اس زمین میں طالب آملی کا قصیدہ ہے اور عرفی نے دو غزلیں کہی ہیں :

تا غالب بے نوا را بہ کدام زمزمہ در خروش آرند

اس سے بعد کے خط میں لکھتے ہیں کہ میں مشاعرے میں گیا ۔ نظام‌الدین ممنون اور امام بخش صہبائی بیمار تھے ، اس لیے نہ آئے ۔ آزردہ کی طرف آدمی بھیجا گیا ؛ وہ آئے اگرچہ دیر سے آئے ۔

> ''بندہ را در زمین گریستن قصیدہ اتفاق افتادہ بود ۔ آں می سنجیدم کہ ایں ورق را چو برات نامقبول باز برم و ریختہ‌گویاں را درد سر نہ دہم ۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بہ خود بالید و زبان بہ زمزمہ دستوری یافت ۔''

(کلیات نثر فارسی ص ۲۰۲)

اس مشاعرے میں آزردہ اور نیر نے بھی اسی زمین میں غزلیں پڑھی تھیں ۔

ابر اشکبار و ما خجل از ناگریستن
دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

فوّاره‌وار اشک ز فرقم جهد به هجر
گم‌کرده راه چشم به شبها گریستن

از ضبطِ گریه حالیِ من شد که مجملاً
رنجے است سخت حوصله فرسا گریستن

سردم گرم ز دور شناسند دور نیست
دارد چو سیل در دلم آوا گریستن

از رشکِ شمع سوختم اندازه‌داں کسے است
خوش جمع‌کرده سوختنی با گریستن

پنهاں دهند وایه به یارانِ تنگ دست
دارم نهفته بر لبِ دریا گریستن

نگزشت آب تا ز سر اینم هراس بود
کارد چه فتنه بر سرم آیا گریستن

خوش درگرفته صحبتِ من با گداختن
خوش صاف گشته الفتِ من با گریستن

گوئی در اهتمامِ دل و دیدهٔ من است
پنهاں به خوں تپیدن و پیدا گریستن

گوئیم و گفته را به تو خاطر نشاں کنیم
باقی است بعدِ مرگ به سیما گریستن

ما را به مسلکِ اثرِ خامهٔ قضا
در سرنوشت بود مهیا گریستن

ناگه ازان شتاب که اندر به ذات اوست
کرد آن اساس را ته و بالا گریستن

سرزد ز جوشِ گریه چنیں ورنه خود دراصل
امشب نه‌بود مردن و فردا گریستن

نشگفت گر به قاعده مستوفیانِ کار
از ما طلب کنند پس از ما گریستن

خواهم به‌خواندنِ غزلِ عاشقانه‌ای
بر رهگزارِ دوست به غوغا گریستن

گفتی کشم به علتِ بیجا گریستن
مردن هزار بار به از ناگریستن

اندوه و خوشدلی نه‌شناسیم کارِ ماست
یا خنده بر سحاب زدن یا گریستن

دارم به ذوق جلوۂ حسنِ برشتهٔ
نقشے کشیدن و به تمنا گریستن

خوں در دلم فگند غمت گر نه وام بود
خواهد چرا ز من به تقاضا گریستن

در مغزِ دانشم شررانـدا گداختن
در تارِ دامنم گہرآما گریستن

بود آتشے به دل ز فغاں تیز کردمش
تا در ضمیر نگزرد الا گریستن

در گریه در گرفتنِ زاں روے تابناک
پرویں فشاندن است و ثریا گریستن

تا با دلم چه کرد همی‌گریم و خوشم
کز من نمی‌کند به دلت جا گریستن

این است گر سرایتِ زهرِ عتابِ تو
خواهد فلک به مرگ مسیحا گریستن

هر قطره اشکم آئنهٔ رونماے تست
بتخانهٔ من است همانا گریستن

ناچار صبح میرد اگر شب بسربرد
با شمع فخر چیست به دعویٰ گریستن

از دل غبارِ شکوه به‌شستن نمے رود
گفتن مکدر ست و مصفا گریستن

حاشا که بر زبانِ منش گریه رو دهد
تاواں ز من ربوده به یغما گریستن

گویند در طلوعِ سهیل ست قطعِ سیل
ما را فزود زاں رخِ زیبا گریستن

بے‌گریه هیچگاه نه ای، **غالب** ایں چه خوست
خود بے تو هیچگاه مبادا گریستن

ھاں مطلعے دگر کہ بر آھنگِ ایں غزل
کردم بہ چشمِ خویش تماشا گریستن

گردد مگر بہ حیلہ دوبالا گریستن
خواھد دلم بہ طالعِ جوزا گریستن

جنسِ شفاعتے بہ سلم می‌تواں خرید
امروز باید از پئے فردا گریستن

ق

معذوری ار ز حادثہ رنجی، از آنکہ نیست
از نازکی بہ طبع گوارا گریستن

مسکیں نہ‌دیدۂ ز مغاں‌شیوہ بانواں
در خواب‌گاہِ بہمن و دارا گریستن ۱

---

۱ - ان دو شعروں کی مفصل شرح میرزا نے منشی نبی بخش حقیر کو لکھی تھی، فرماتے ھیں :

''مغاں شیوہ بانواں'' بانو بادشاہ کی بیوی کو کہتے ھیں اور الف نون جمع کا ھے یعنی بیبیاں - ''مغاں شیوہ'' کی وہ ترکیب ھے جو ''گل رخسار'' اور ''ماہ جبیں'' کی ترکیب ھے - یعنی وہ شخص جس کا رخسار مانند گل کے ھے اور پیشانی چاند کی سی ھے اور شیوہ مغاں کا سا ھے -

''مغ'' آتشکدے کا کارفرما - چونکہ بادشاھان پارس آتش پرست تھے تو وہ خدمت آتشکدوں کی عمائد و اکابر و اشراف و علما کو دیتے تھے - اور شراب کو چونکہ وہ بہت عمدہ چیز اور پاک اور متبرک جانتے تھے اور ھر سفلہ و فرومایہ کو نہیں پینے دیتے تھے، یہ بڑی مغوں کی تحویل میں رھتی تھی تا کہ وہ جس کو لائق سمجھیں اور اھل جانیں اس کو بہ قدرِ مناسب دے دیں -

(دیکھیے اگلا صفحہ)

دیوانگی است عربده، کوته کنم سخن
فرخ بود گریستن اما گریستن

کفر ست کفر در پئے روزی شتافتن
ننگ است ننگ در غمِ دنیا گریستن

بہ ہر حال وہ لوگ یعنی ''مغ'' بہت خوبصورت، خوش سیرت، عالم، فاضل، طرح دار بذلہ گو، حریف وظریف ہوا کرتے تھے۔ اس راہ سے پارسیوں نے مغاں شیوہ مدح معشوقوں کی ٹھہرائی ہے یعنی چالاک اور خوش بیان اور طرحدار اور ترچھا اور بانکا مانند مغوں کے اور اس کا نظیر ہندوستان میں یہ ہے کہ جیسے کسو بیگم یا عمدہ عورت کو کہیں کہ فلانی بیگم یا فلانی عورت میں کتنا ڈومنی پن نکلتا ہے۔

قصہ مختصر مغاں شیوہ اس محبوب کو کہتے ہیں کہ جو بہت گرم اور شوخ اور شیریں حرکات اور چالاک ہو۔ ''مغاں شیوہ بانواں'' مغاں شیوہ دلبراں[۴] ''مغاں شیوہ شاهداں'' خواهی بہ جمع اور خواهی بہ انفراد ترکیب مقلوب ہے یعنی بانوے مغاں شیوہ یا بانوان مغاں شیوہ۔
مدح جناب سیدالشہدا میں قطعہ ہے:

معذوری ار ز حادثہ رنجی ازاں کہ نیست
از نازکی بہ طبع گوارا گریستن
مسکیں نہ دیدۂ ز مغاں شیوہ بانواں
در خواب گاہ بہمن و دارا گریستن

حاصل معنی یہ کہ شاعر اپنے نفس کو یا کسو اور کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تو معاف ہے اگر وقائع و حوادث دهر سے آزردہ ہوتا ہے، اس واسطے کہ تو بہت نازک ہے اور گریہ و زاری کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ بیاں بر سبیل طعن و تعریض واقع ہے، جیسا کہ دوسری بیت میں کہتا ہے کہ اے شخص تو نے خواب گاہ بہمن و دارا میں پریزاد و نازک و مغاں شیوہ بیگمات کو روتے پیٹتے نہیں دیکھا کہ کیسے بادشاہان جلیل القدر کی بیبیاں تھیں اور کیسی طرحدار و نازک کہ جیسے مغ ہوتے ہیں پھر ان پر کیا مصیبتیں گزریں۔

(نادرات غالب ص ۳ - ۴)

گاہے به داغِ شاهد و ساقی گداختن
گاہے به مرگِ مامک و بابا گریستن

باید به درد هرزه گرستن دگر گریست
بیجا گریستیم و دریغا گریستن

چون موجهٔ سرشک هما شهپری نه کرد
گو باش هم‌نشیمنِ عنقا گریستن

رشک آیدم به ابر که در حدِ وسعِ اوست
بر خاکِ کربلاے معلیٰ گریستن

رفت آنچه رفت بایدم اکنون نگاه داشت
از بهرِ نورِ دیدهٔ زهراؓ گریستن

آن خضرِ تشنه لب که چو از وے سخن رود
در راه برخورد ز تپش با گریستن

گویند چشم روشنیِ دیده ماه و مهر
نازد به ماتمِ شهِ والا گریستن

بارانِ رحمتے که به اندازِ شست و شو
دارد به رو سیاهیِ اعدا گریستن

پاسِ ادب نخواست کز اعجاز دم زند
بر مرگِ شاه داشت مسیحا گریستن

وقتِ شهادتش به صفِ قدسیان فتاد
از اضطراب آدم و حوا[۴] گریستن

خود را نه دید زاں لبِ نوشیں به کامِ خویش
زیبد به شوربختیِ دریا گریستن

مزدِ شفاعت و صلهٔ صبر و خوں‌بہا
چیزے ز کس نخواسته الا گریستن

اے آنکه در حرم حجرالاسود از غمت
دارد بخود نہاں چو سویدا گریستن

سیماے ماتمِ تو ستایم که زیں شرف
شد روشناسِ دیدهٔ حورا گریستن

رضواں به آبیاریِ گلشن نمے‌رود
وامانده در گریستن و وا گریستن

با خاکیاں به جنگم و ز افلاکیاں به رشک
خواهم بر آستانِ تو تنہا گریستن

طرفے نه بست با همه شور از عزاے تو
گرید به پیشِ ایزدِ دانا گریستن

چوں رزقِ غیب دردِ ترا عام کرده‌اند
سر می‌زند ز مومن و ترسا گریستن

چو شحنهٔ غمِ تو برسمِ خراج خواست
از ساکنانِ خطهٔ غبرا گریستن

هر کس به چشم بسکه پزیرفت ایں برات
قسمت نیافت بر همه اعضا گریستن

غالب سنم که چوں به‌طرازِ ثنائے‌شاہ
سنجم ز غصه در دمِ انشا گریستن

گویند قدسیاں که ورق را نگاه‌دار
از تو گہر فشاندن و از ما گریستن

من خود خجل که حقِ ستایش ادا نه شد
این است چوں ثنا چه بود تا گریستن

شه فارغ از ثنا و عزا وانگہے به دہر
صد جا سخن سرودن و صد جا گریستن

در مدح دلپزیر بود تا نفس زدن
در نوحه ناگزیر بود تا گریستن

جز در ثنائے شاہ مبادا نفس زدن
جز در عزائے شاہ مبادا گریستن

*****

۱۱

در منقبتِ حضرت عباس علیہ السلام

یہ قصیدہ بھی بانکی پور والے مخطوطے میں موجود نہیں۔ نظر بظاہر اس مخطوطے کی تسوید کے بعد کہا گیا۔ دیوان مطبوعہ دھلی میں اس کا عنوان تھا: ”در منقبت حضرت عباس ابن علی علیہ السلام“ اور کلیات نظم فارسی مطبوعہ نول کشور میں عنوان ہے: یازدھمیں قصیدہ در منقبت حضرت عباس ابن حضرت علی علیہ السلام“۔

عرفی نے اس زمین میں دو قصیدے کہے، ایک نعت میں اور دوسرا خانخاناں کی مدح میں۔ غالباً خانخاناں کی مدح میں یہی قصیدہ ہے جس کے متعلق مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی نے فرمایا ہے:

> ”از تقریر اخلاص شاہ جہاں آبادی در ”ھمیشہ بہار“ معلوم می شود کہ خانخاناں یک مرتبہ عرفی را در جائزۂ قصیدہ ھفتاد ھزار روپیہ رعایت کرد“۔
> (خزانۂ عامرہ ص ۳۱۸)

میرزا نے بھی اس زمین میں دو ھی قصیدے کہے، ایک یہ جو حضرت عباس علمدار کی مدح میں ہے۔ دوسرا پہلے شمس الامرا حیدر آبادی کی مدح میں کہا تھا، پھر اس کی چند بیتیں بدل کر نواب وزیرالدولہ والی ٹونک کی مدح میں بنا دیا گیا اور اسی صورت میں شامل کلیات نظم ہے۔

آوارهٔ غربت نتوان دید صنم را
خواهم که دگر بتکده سازند حرم را

نازم به صنم خانه که شاهانِ جهان جوی
هم بر درِ آن خانه گزارند حشم را

چون فاش شد آخر که هم از خلق گرفتند
بے فائده از خلق نهفتند ارم را

سهل است که عشاق ز بیداد نه‌نالند
زین قوم محبت طلبد ذوقِ ستم را

لرزد دلم از گریه به حالِ فلک آرے
در بادیه از سیل خطرها ست خیم را

در راهِ وفا بسکه بود پویه بسر شرط
چشم از دل و از دیده فگندیم قدم را

گر بر خود ازین فخر به بالم که غم از کیست
بر هم‌نفسان تنگ کنم خلوتِ غم را

تا خسته دل از قحطِ مے و فرقتِ یارم
رنگ است ز خونابِ جگر بر مژه نم را

کو بادهٔ سیال که فیضش ز روانی !
از لون بصر را رسد از رائحه شم را

کو یارِ هنرور که به خلوت‌کدهٔ انس
از هوش به دزدی ببرد شیوهٔ رم را

حاشا که ز غم نالم اگر غم غمِ عشق ست
پیوندِ نشاط است بدیں زمزمه دم را

غم کاسهٔ سم بود فگندند دراں خاک
واں خاک تبه کرد گوارائیِ سم را

ایں چرخِ ستمگر که چو من غرقهٔ خوں باد
با یکدگر آمیخت دو صد گونه الم را

گویند که با دستِ تہی عشق وبال است
افتاده بریں قاعده اجماع امم را

خوں می خورم از ذوق و تو دانی که بدیں خورد
بر مائده سیری نتواں داد شکم را

در چشمِ شب و روز نه دانم ز چه زشت است
خوش کردم اگر طره و رخسارِ صنم را

بر شحنهٔ مریخ نه دانم ز چه تلخ ست
دل دادم اگر مطربهٔ زهره نغم را

بالجمله دگر با خودم از خویش حدیثے است
کز صدق و صفا مایه دهد صبحِ دوم را

نازم به کمالِ خود و بر خود نه فزایم
آثارِ در و بامِ صنادیدِ عجم را[1]

---

۱ - یہ بظاہر عرفی کے اس شعر پر چوٹ ہے :
از نقش و نگار در و دیوار شکسته
آثار پدید است صنادید عجم را

گوہر نہ بہ کاں، کاں بہ گہر روے شناس است
بر فرخیِ ذات دلیلم اب و عم را[1]

آبائے مرا تیغ و مرا کلک بساز ست
دستے است جداگانہ بہ ہر کار ہمم را

دریاب کـز الماس بود جوہرِ تیغم
ہرچند بہم برزدہ بینی دم و خم را

آں کس کہ شناسائیِ آہن بودش خوے
جوہر نگرد تیغِ فروریختہ دم را

کو بلبلِ شیراز[2] و کجا طوطیِ آمل[3]
تا پایہ بہ‌سنجیم نواسنجیِ ہم را

لا بلکہ اگر خواہم ازیں ہر دو سخنور
تحسینِ روش کلکِ دل آشوب رقم را

خاص از پئے کسبِ شرفِ مدح طرازی
ازہم بربایند بہ پرخاش قلم را[4]

---

۱ - یہ بھی عرفی ھی پر ضرب ہے ، جس نے کہا :
تا گوہر آدم نسبم باز بہ استد ز آبائے خود ار بشمرم اصحاب کرم را
ایں برق نجابت کہ جہد از گہر من مدح است ولی گوہر ذات اب و عم را
۲ - عرفی -
۳ - غالب -
۴ - عرفی نے بھی خانخاناں والے قصیدے میں ایسے شعر کہے ھیں :
انصاف بدہ ، بوالفرح و انوری امروز
بہر چہ غنیمت نہ شمارند عدم را
بسم‌اللہ کہ اعجاز نفس جاں‌دہ شاں را
تا من قلم اندازم و گیرند قلم را
اول رہ ایں نظم خود ایشاں بہ سپردند
پس باز نمودیم بہم منزل ہم را

فرماں‌دہِ اقلیمِ کمالم نہ‌کنم جمع
لعل و در و فیل و فرس و کوس و علم را

آزادہ‌روی در نظرم خوار و زبوں کرد
توقیعِ جہاں‌بخشیِ شاہانِ عجم را

سیم و زر و لعل و گہر آں بہ کہ ازیں چار
اوتاد بود طالعِ توفیق کرم را

بے وعدہ بہ درویش بدہ وایہ وگرنہ
سیمائے سرابست دریں راہ نعم را

ہمت نہ کشد ننگِ نکونامیِ احساں
برخیز و بہ بازیچہ فروریز درم را

رو ہمت از آں تشنہ جگر جوے کہ از سہر
بر تشنگیِ شاہ فدا ساختہ دم را

عباسِ [۴] علمدار کہ فرجامِ شکوہش
بازیچۂ طفلاں شمرد شوکتِ جم را

آں شیرِ قوی‌پنجہ کہ گردیدہ ز بیمش
دائر تبِ دیگر تبِ شیرانِ اجم را

آں راد کہ رد ساختہ بر خاک نشیناں
آوردۂ کاں را و بروں‌دادۂ یم را

حاجت بہ قسم نیز نہ ماند است، وگرنہ
ہر دم بہ عطایش خورد انصاف قسم را

از بسکه به نام‌آوریِ شیوۂ انصاف
پرداخته از نامِ ستم حرف و رقم را

هر شب فلک از دور به انجم بنماید
کایں خوابگه آں خانه براندازِ ستم را

خوابش به شبستانِ حسین[۳] ابن علی[۴] بیں
دریاب به پہلوے هم آرامشِ هم را

ایں هر دو گہر را ز دو سو یک گہر آمد
چوں نیست جدائی ز صدف گوهر و یم را

نساب نیارد که کنم منع ز عباس[۴]
فرزندیِ شاهنشه بطحیٰ و حرم را

اے هم گہرِ ختمِ رسل گردِ تو گردم
چندانکه کنم چِلقدِ۱ تن ظلِ علم را

حاشا که لب از مدحِ تو خاموش پسندم
نسیاں زده ره روے سیه باد هرم۲ را

شد تازه دمِ بندگیم جلوه‌گریها ست
عنوانِ نمایش ز حدوث است قدم را

---

۱ - چلته، یعنی ریشمی پارچے کے وہ گدے جو چارآئینے کے نیچے رکھتے تھے تا کہ لوہے کی سختی محسوس نہ ہو -

۲ - بڑھاپا - اس زمین میں عرفی کا ایک شعر جس میں لفظ ''هرم'' آیا ہے، بے مثال ہے - خانخاناں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :

رد می کند اسباب هرم بخت تو ترسم
کز زلف بت من برد آرایش خم را

از کودکیم درسِ ولاے تو روان است
دانی خود ازیں بیش که گفتم به تو کم را

در صومعهٔ مدحِ تو بهرِ طلبِ فیض
محرابِ دعا ساخته‌ام وجهِ اتم را

فرزانه حکیمم من و مدحت‌گرِ شاهم
در شعر ز من جوے براهینِ حکم را

اندر نظرم صورتِ یک معنیِ خاص ست
مضمونِ دعاے تو و مفهومِ اهم را

تا رسم نه باشد به هوا بیضه نهادن
کبکانِ خرامنده و زاغانِ دژم را

بادا علمت کبک خرامنده و گردون
چون بیضه ز پرچم ته پر باد علم را

******

۱۲

در منقبت امام دوازدہم علیہ السلام

یہ قصیدہ بھی حسب تحریر پروفیسر حمید احمد خاں، بانکی پور کے مخطوطے میں موجود نہیں ۔ قاضی عبدالودود کے قول کے مطابق اس کا عنوان ہے :

"در نعت صاحب الامر امام محمد مہدی ھادی علیہ التحیۃ والسلام و علیٰ آبائہ الکرام" ۔

(کلیات مرتبہ مولانا فاضل)

دیوان مطبوعہ دھلی میں اس کا عنوان تھا :

"در منقبت خاتم ائمۂ اثنیٰ عشر امام مہدی ھادی علیہ السلام" ۔

کلیات نظم فارسی مطبوعہ نولکشور میں ہے :

"قصیدہ دوازدہم در منقبت امام دوازدہم" ۔

هست از تمیز گر به هما استخوان دهد
آئینِ دهر نیست که کس را زیان دهد

مرد است مرد، هرچه کند، بے خطر کند
راد است راد، هرچه دهد، رایگان دهد

گلزار را اگر نه ثمر، گل بهم نهد
درویش را اگر نه سحر، شام نان دهد

گنجِ سخن نهد به نہاں‌خانۂ ضمیر
وانگه کلیدِ گنج به دستِ زیاں[۱] دهد

تا روزِ خاک تیره نه گردد ز رشکِ چرخ
رخشانیِ ستاره به ریگِ رواں دهد

تا آدمی ملال نه‌گیرد ز یک هوا
سرما و نوبهار و تموز و خزاں دهد

هم در بہار گل شگفاند چمن چمن
تا راحتِ مشام و نشاطِ رواں دهد

هم در تموز میوه فشاند طبق طبق
تا آرزوے کام و مرادِ دہاں دهد

نظاره را متاعِ اثر بر دکاں نهد
اندیشه را شمارِ گہر در نہاں دهد

آں را که بختِ دسترسِ بذلِ مالِ نیست
طبعِ سخن‌رس و خردِ خرده‌داں دهد

آں را که طالعِ کفِ گنجینه‌پاش نیست
نعم‌البدل ز خامۂ پرویں‌فشاں دهد

---

۱ - بعض اصحاب نے زیاں کی جگہ "زباں" پڑھا - مطلب یہ ہوا کہ گنجینۂ سخن کی کنجی زبان کے حوالے کر دی جاتی ہے - "زیاں" کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ گنجینۂ سخن اس لیے نہاں خانۂ ضمیر میں رکھا جاتا ہے کہ اسے لٹایا جائے - گویا اس کی کنجی "زیاں" کے حوالے کر دی جاتی ہے -

سنجم ترانهٔ غزلے کایں نوائے شوق
دل را نویدِ زندگیِ جاوداں دهد

گفتی لبم به بوسه دمِ وصل جاں دهد
آرے، اگر به هجرِ تو مرگم اماں دهد

دردِ دلم که پیشِ تو افسانه بیش نیست
چشمِ ستاره را مژهٔ خوں‌چکاں دهد

رنجد ز سیرِ باغ مگر در خیالِ دوست
از جوشِ لاله خاک ز خونم نشاں دهد

چوں دلستاں ربود به‌یغما دلے که بود
کامِ دلے که نیست نه‌دانم چساں دهد

چوں خود ز نازکی رقمِ صنع برنه‌تافت
سعیِ نظر چگونه خبر زاں میاں دهد

خوشنودم از سپهر نه‌داند مگر کسے
کو دل چو من به‌دلبرِ نامهرباں دهد

آتش چکد ز هر بنِ مویم اگر به فرض
ذوقم به خود قرارِ گل و گلستاں دهد

دانم که آسماں به زمیں پیشکار کیست
عکسِ چه جلوه روشنیِ روشناں دهد

چوں جنبشِ سپهر به فرمانِ داورست
بیداد نبود آنچه به ما آسماں دهد

رنگ از گل است و سایه ز نخل و نوا ز مرغ
ہر جا بہار ہرچہ بود درخور، آں دہد

در نشرِ نفحہ قرعہ بہ‌نامِ ہوا زند
در نشوِ سبزہ حکم بہ آبِ رواں دہد

ہر صبح بادِ صبح بہ مرغانِ شاخسار
سرمستیِ شمیم و نشاطِ فغاں دہد

مستیز با نسیم اگر بلبلے بہ باغ
جاں در نوردِ خار و خسِ آشیاں دہد

دارو ز بہرِ زندگی آمد، نہ بہرِ مرگ
جرمِ پزشک[۱] چیست اگر خستہ جاں دہد

پرویز دیریاب شہے بود، ورنہ بخت
آوارہ را بہ راہ ز شیریں نشاں دہد

فرہاد زودمیر کسے بود، ورنہ دہر
کامِ دلِ غریب پس از امتحاں دہد

دارم ز روزگار نویدے کہ آں نوید
در پیریم بشارتِ بختِ جواں دہد

از داورِ زمانہ بہ اندیشۂ درست
شادم کہ مزدِ بندگیم ناگہاں دہد

---

۱ - پزشک (پ اور ز مکسور) طبیب - مطلب یہ کہ دوا دارو اور علاج کی غرض زندگی کی حفاظت ہے ، لیکن اگر کوئی مرجائے تو اس میں طبیب کا کیا گناہ ہے ؟

هرگه بسرنوشت سرآید شمارِ غم
راهم به بارگاهِ شهِ انس و جاں دهد

کامِ دلم که پرسشے از شه نه‌بود بیش
گر مرزباں نه‌داد امامِ زماں دهد

سلطان دیں محمدِ مهدی[۲] که رائے او
منشورِ روشنی به شهِ خاوراں دهد

گردد اگر سپهر خلافِ رضائے او
عذر آورد قضا و قدر ترجماں دهد

اوباش را به بزمِ شهنشاه بار نیست
گردوں چه هرزه دردِ سرِ پاسباں دهد

گوئی دهانِ لب بهم آوردهٔ کسے ست
هر کوکبے که روئے به شب در جهاں دهد

زاں رو بود چنیں که ز روئے ادب سپهر
صد جا ز دور بوسه بر آں آستاں دهد

نا گفته ماند مدح ز افراطِ ذوقِ مدح
تا ایں کشاکشم چه سخن بر زباں دهد

چشمم پرد ز شوق و خسے کش نهم براں[۱]
هم در نهادِ من اثرِ زعفراں دهد .

---

۱ - آنکھ پھڑکے یعنی خود بخود حرکت کرنے لگے تو اس پر تنکا رکھ لیتے ہیں۔ میرزا فرماتے ہیں کہ میری آنکھ وفور شوق سے پھڑک رہی ہے، میں اس پر تنکا رکھوں تو میری فطرت پر اس کا اثر زعفران کا ہوتا ہے -

زود آ کہ فیضِ مقدمِ ہمنامِ مصطفیٰ[۱]
آفاق را طراوتِ باغِ جناں دہد

زود آ کہ شہسوارِ نظرگاہِ لافتیٰ[۲]
پردازشِ رکاب و طرازِ عناں دہد

توسن زند بہ خونِ دلیراں دم از شنا
چندانکہ نم گرانی برگستواں دہد

دشمن نہد ز برقِ سناں روے در گریز
چنداں کہ جاں بہ جستنِ تیر از کماں دہد

در رہروی چراغِ شبانانِ راغ را[۳]
روغن ز پیہِ[۴] گردۂ شیرِ ژیاں دہد

در شحنگی گزاف‌نوایانِ کفر را
پاسخ بہ ترزبانیِ نوکِ سناں دہد

طرفِ کلاہِ خاک‌نشینانِ درگہش
از تابِ رشکِ مالشِ تاجِ کیاں دہد

در موکبش پیادہ گدایانِ راہ را
دخلِ ہزارسالۂ دریا و کاں دہد

---

۱ - یعنی بارھویں امام کا نام وہی ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا یعنی محمد -

۲ - لا فتیٰ سے مراد حضرت علیؑ ہیں -

۳ - وہ گڈریے جو صحرا یا دامن کوہ یا جنگل میں راتیں گزارتے ہیں -

۴ - پیہ، چربی -

کالا فروش را خود اگر انجم آورد
کالا به پاے مُزد و بہا ارمغاں دهد

هر کس ز همرهانِ وے آید سوے وطن
همسایه را حیاتِ ابد نورهاں[۱] دهد

فرضاً اگر به نعت و مناجات دل نهد
در شعر دادِ **غالب** شیوابیاں دهد

نامم برد بداں لبِ شیرین و زیں ادا
شکر بخورد طوطیِ هندوستاں دهد

بازم ز مطلعے که بود روشناس فیض
دستانِ شوق جاں به تن داستاں دهد

سهدی[۴] که در روش ز محمد[۴] نشاں دهد
سروش رواست سایه اگر تواماں دهد

از سایه خاک را رقمِ توتیا کشد
از پویه جاده را نمطِ کهکشاں دهد

اندازهٔ کشایشِ دینِ خدا نهد
آوازهٔ نمایشِ رازِ نهاں دهد

از لاے نفی دشنه به شرکِ خفی زند
از بهرِ دیده، دیده ز عینِ عیاں دهد

منت به فرقِ غیر ز گرزِ گراں نهد
تا زود مردنش ز اسیری اماں دهد

---

۱ - تحفه

تا بنگرد که عاقبتِ کارِ کفر چیست
در چشمِ خصم سرمه به میلِ ۱ سناں دهد

اے آنکه از خجستگیِ فال بہرِ خویش
اندیشه پرسشے ز تو ام در گماں دهد

کلکِ مرا ز نازشِ مدحِ تو در سرشت
بادے که جنبشِ علمِ کاویاں دهد

ایزد نیافرید چنانم به فنِ شعر
کاں را کسے نظیر دریں خاکداں دهد

چوں من به مدحِ جاهِ تو بندم به یکدگر
آں گونه گوں گہر که قلم در بناں دهد

چیند ز گرد و پیش گہرریزہ‌ها ظہیر ۲
کارایشِ سریرِ قزل ارسلاں ۳ دهد

هر کس که سوے صفحهٔ شعرم نظر کند
مشکل که دل به طرّهٔ عنبرفشاں دهد

---

۱ - میل بہ کسرۂ میم : وہ سلائی ، جس سے سرمہ آنکھوں میں لگاتے ہیں -

۲ - ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین ظہیر فاریابی - فارسی کا مشہور قصیدہ گو شاعر - تبریز میں فوت ہوا (۱۲۰۲/۵۹۸) -

۳ - قزل ارسلان، عثمان اتابک آذربائیجان، ظہیر کا ایک ممدوح جس کی مدح میں یہ شعر بہت مشہور ہے :

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا
تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں دهد

مرزا نے چونکہ اسی زمین میں قصیدہ کہا ، اس لیے ظہیر کے ذکر کی مناسبت ظاہر ہے -

هم نغمه سنجِ عشقم و هم نکته دانِ علم
ناهید ساز و مشتریم طیلساں دهد

با ایں همه ز غصه بجاے رسیده کار
کاوازِ من بزمزمه رنگِ فغاں دهد

دودش دمد ز فرق و بہ‌پیچد هماں به فرق
گر خامه شرحِ سوزِ دلِ ناتواں دهد

کم گویم و بس است که دانا نهادِ نخل
داند ز یک ثمر که به وے باغباں دهد

در چار سو چنیں بود آئیں که هر کسے
از یک دو جنس عرض قماشِ دکاں دهد

آرے اگر به ره قدرے پیشتر رود
یک تن ز کارواں خبر از کارواں دهد

ایں اعتذار نیز دریں جا نه درخور ست
گفتن چه زحمتِ شهِ ناگفته‌داں دهد

شادم بدیں سطور مگر بختِ کارساز
از پستیم عروج بدیں نردباں دهد

بندم گران و ذوقِ رهائی سبک‌خرام
بندے چنیں شگفت که ذوقے چناں دهد

باید ز التفاتِ تو یک جذبهٔ قوی
کاں جذبه‌ام نجات ز بندِ گراں دهد

بعد از سوال رسم نه باشد که گدیه‌گر
فصلے دگر ز بہرِ دعا درمیاں دھد

بادا نسیمِ باغِ ولاے تو عطربیز
تا نوبہار تازگیِ بوستاں دھد

بادا گلیمِ بختِ عدوے تو شعله‌خیز
تا در زمانه دود ز آتش نشاں دھد

******

۱۳

در مدحِ اکبر شاہ

یہ مغل بادشاہ کی مدح میں پہلا قصیدہ ہے - مخطوطہ رام پور میں اس پر عنوان ہے :

''در مدح عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ طاب ثراہ''

یہی عنوان دیوان دھلی کی طباعت کے وقت اختیار کیا گیا۔ کلیات مطبوعہ نولکشور میں صرف "قصیدہ سیزدھم'' کافی سمجھا گیا۔

یہ قصیدہ دراصل اکبر شاہ کے تیسرے فرزند شہزادہ سلیم کی شادی کے موقع پر کہا گیا تھا، جو اواخر ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ (اواخر مارچ ۱۸۳۵ء) میں ھوئی۔ آخری دو مغل بادشاہ حقیقی حالات سے آنکھیں بند کر کے شہزادوں میں سے کسی کو اپنی مرضی کے مطابق ولی‌عہد بنانے کے جھگڑوں میں بری طرح الجھے رہے۔ اکبر شاہ کا ولی‌عہد ابوظفر تھا، مگر بادشاہ نے پہلے شہزادہ جہانگیر کو بعد ازاں شہزادہ سلیم کو ولی عہد بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا - اسی طرح بہادر شاہ ثانی کا ولی‌عہد دارا بخت تھا۔ اس کے مرنے پر وہ جواں بخت کو ولی‌عہد بنانے کے لیے اصرار کرتا رھا مگر فخرالملک عرف مرزا فخرو ولی‌عہد قرار پایا۔ اس کی وفات (جولائی ۱۸۵۶ء) پر پھر جھگڑا اٹھا۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کا ھنگامہ شروع ھو گیا اور بادشاھی کا وہ کھلونا ھی باقی نہ رھا جس سے ولی عہدی کے جھگڑے پیدا ھو سکتے تھے۔

(اگلا صفحہ دیکھیے)

جہانگیر نے انگریز ریزیڈنٹ کو گولی ماری ۔ ریزیڈنٹ بچ گیا ، شہزادے کو بنارس بھیجا گیا جہاں اس نے وفات پائی ۔ نعش دہلی میں دفن کی گئی ۔ پھر اکبر شاہ مرزا سلیم پر مائل ہو گئے ۔ وہ بہ مرگ طبعی مر گیا ۔

مرزا نے یہ قصیدہ کہا ۔ ذوق کے دیوان ، مرتبہ مولانا آزاد مرحوم میں اس تقریب پر دو قصیدے ہیں (قصیدہ نمبر ۸ اور قصیدہ نمبر ۹) ۔

دریں زمانہ کہ کلکِ رصدنگارِ حکیم
هزار و دو صد و پنجاه راند در تقویم

اواخرِ مہِ ذی‌قعدہ خسروِ انجم
فزود شانِ حمل را بہ فرۂ دیہیم

سحر ز نورِ رقیبانہ برکشاد بساط
شب از نہیبِ غریبانہ درنوشت گلیم

ز آتشے کہ بہ دی برفروخت منعمِ شہر
کنوں بہ بادیہ گل کرد باغ ابراہیم

زمینِ صحنِ گلستاں مگر دلے پر داشت
ز دستبردِ زمستاں دراں بہینہ حریم

کہ داد ایں ہمہ بیروں ز سبزہ و گل و بار
بلے عظیم بود خشم و قہرِ شخصِ حلیم

دریں بہار کہ تردستیِ ہوائے بہار
نشاط را نہ بہ اندازه سے‌کند تقسیم

ز غنچه شاخ به تنگ است کز فراخ روی
شگفتنش به‌دمیدن همے کند تقدیم

زہے خجستگیِ سال، خاصه فروردیں
خوشا سراسرِ آفاق، ویژه ایں اقلیم

جلوسِ شاهی و نوروز و عیدِ ذی‌الحجه
هجومِ خاص و تماشاے عام و سورِ عظیم

سوادِ شهر دل‌آویزتر ز طرهٔ حور
فضاے دهر طرب‌خیزتر ز باغِ نعیم

غنی ز هدیه به بالیں نهد گل و نسریں
گدا ز گدیه به دامن درآورد زر و سیم

عجب مدار اگر در کفِ ستاره شناس
ز اهتزاز به وقتِ نگارشِ تقویم

قلم ز جنبشِ کاغذ چمد چو سبزه ز باد
ورق ز بانگِ قلم بشگفد چو گل ز نسیم

بیا که تازه کنم بر بساطِ نوروزی
پیاله را به رحیق و مشام را به شمیم

خورم مے و به دوگیتی نه ترسم از تقدیر
که کردگار غفور است و پادشاه رحیم

جهانیاں ز طرب بے خود اند اگر یک کس
دراں میانه به مے مست شد، ز طعن چه بیم؟

به نقد و نسیه جهاں شاد شد که داد خدا
به من شراب و به زهاد مژدهٔ تسنیم[۱]

کجا مے و چه قدح، هم ز بے خودی است که من
به نکته‌هاے لطیفم ز شیوه هاے ذمیم

بدونِ باده به لطفِ هوا ز من برخاست
خمارِ مے که رواں را بود عذابِ الیم

بدونِ وصل ز فیضِ نمو بہم پیوست
دلم که بود ز زخمِ غمِ فراق دو نیم

ز ساز بخت به گوشِ امید میرسدم
نواے پردهٔ خاص اندریں نشاطِ عمیم

ستایشِ شه و شهزاده می‌کنم آهنگ
بسازِ حسنِ ادب در مقامِ ذوقِ سلیم

ولے چنانکه ره و رسمِ پخته‌گویان است
که نکته را به محل جا دهند در تقسیم

ز شاهزاده نخست آورم سخن که بباغ
شگوفه را به ثمر در نمو بود تقدیم

---

۱ - نقد یہ کہ خدا نے شاعر کو شراب دے دی - نسیہ وہ شے جو نقد نہ ملے بلکہ اس کا وعدہ کر لیا گیا ہو اور وعدہ خاصی لمبی مدت کا ہو - زاھدوں کے لیے بہشت کی نہر تسنیم سے شاد کام ہونے کی خوشخبری مل گئی -

مطلع ثانی

زهے مناسبتِ طبعِ شاهزاده سلیم
به فیضِ تربیتِ پادشاهِ هفت اقلیم

نه مهر و ماه ولیکن چو مهر و ماه منیر
نه ابر و بحر ولیکن چو ابر و بحر فخیم[1]

همش به بارگهِ ناز زهره خنیا گر
همش در انجمنِ راز تیرِ چرخ، ندیم

ستوده ایست به نازش به پادشاه انیس
ستاره ایست به تابش به آفتاب سهیم

به دستگاه گرامی چو ماهتاب به ثور
به مهرِ شاه قوی دل چو زهره در تصمیم

خدایگانِ سلاطین محمد اکبر شاه
نه کردگار و لیکن چو کردگار کریم

خلیفهٔ حق و صاحبقرانِ روے زمیں
بدیں مباهی[2] و در دهر واجب التعظیم

روم به راهِ تجاهل به مایه بحرِ محیط
کنم به مدح تنزل به پایه عرشِ عظیم

---

۱ - قدر و منزلت میں بزرگ -

۲ - فخر و ناز کرنے والا -

به تابِ چهره ضیابخشِ دیدهٔ اعمیٰ
به لطفِ نکته گرانی‌ربایِ گوشِ صمیم[۱]

شها توئی که خدایِ تو داده است ترا
دمِ مسیح[۴] و نوالِ خلیل[۴] و قربِ کلیم[۴]

ازل سپرده به تو کارسازیِ اورنگ
ابد شمرده به تو سرفرازیِ دیهیم

ز بذلِ تست پراگنده زایِ زر با را[۲]
ز بیمِ تست فرو رفته جیمِ جم در میم

بداں نمط که ز آدم محمدؐ ست مراد
ز پشتِ کارِ تمرخاں[۳] به تست رویِ حکیم

طفیلِ جاه و جلالِ تو بود پنداری
جلال و جاهِ نیایِ تو در زمانِ قدیم

حکایتے است اگر بشنوی فروگویم
بشوخیِ که چکد خوں ز جبههٔ تسلیم

اگر ز اکبر شه بود بهره‌ور عرفی[۴]
وگر ز شاهجهاں بود مایه‌دار کلیم[۵]

---

۱ - بهرا ، نہ سن سکنے والا -

۲ - یعنی زر کی ز اور ر الگ الگ ہیں -

۳ - امیر تیمور، جسے تمر بھی کہتے تھے -

۴ - عرفی، شہرۂ آفاق شاعر فارسی وفات - ۱۵۹۱/۹۹۹ -

۵ - دور شاہ جہانی کا نہایت خوش کلام شاعر - وفات ۱۶۵۱/۱۰۶۱ -

نہ کمترم ز حریفاں بہ فنِ شعر و سخن
نہ کمتری ز نیاگاں بہ جود و خلقِ عمیم

بہ دید و داد مرا و ترا نہ بودہ نظیر
بہ ترک و برگ مرا و ترا نہ بودہ سہیم

چہ نیک رائے ارسطو، چہ شاہ اسکندر
چہ بیدپائے برھمن، چہ رائے دابشلیم

شہودِ ہمتِ تست آنکہ در مشیمہ[۱] غیب
دھد بہ قطرۂ آبے نمودِ دریتیم

صریرِ کلکِ من است آنکہ در نشیمنِ قدس
بہ زہرہ شیوۂ رامشگری کند تعلیم

ز گرمیِ نفسِ خویش می‌توانم داد
برائے سکۂ نامت گدازشِ زر و سیم

بہ آستینِ گہرریز می‌توانی کرد
فرازِ بامِ امیدم ظہورِ صبح و نسیم

مرا بہ شیوۂ جادودمی ہمال، محال
ترا بہ پایۂ شاہنشہی عدیل عدیم

بہ شہرتے رسی از من کہ از ادیم سہیل
بہ دولتے رسم از تو کہ از سہیل ادیم

۱ - وہ باریک سی جھلی جو بچے پر پیدایش کے وقت لپٹی ہوتی ہے - بطن والدہ میں بچہ اسی جھلی کے اندر نشو و نما پاتا ہے -

روا مدار که هم در وطن دو دل باشم
چو خسته رهروے در کاروانسراے مقیم

سخن به نکته ادا گشت و ختم شد به دعا
طلب بس است نه **غالب** گدا، نه شاه لئیم

زہے شگرف دعا کز ضمیر تا به زباں
هزار مرتبه آمیں برو کند تقدیم

چهار چیز بود آنکه جاوداں باشد
بحکم آنکه ز اسماے اوست حی و قدیم

عطیه‌بخشیِ مهر و عطاپزیریِ ماه
بقاے پادشه و عیشِ شاهزاده سلیم

*****

۱۴

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کا عنوان مخطوطہ رام پور میں یہ ہے :

''در مدح حضرت شاهنشاه ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی''

یہی عنوان دیوان مطبوعہ دهلی میں تھا۔ کلیات طبع نولکشور میں صرف ''قصیدہ چہاردهم'' لکھا ہے ۔

اکبر شاہ ثانی نے ۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ء کو وفات پائی اور بہادر شاہ ثانی تخت نشین هوے ۔ وہ کچھ دن کم بیس سال زیب اورنگ شاهی رہے ۔ میرزا غالب کے کلیات فارسی کو دیکھا جائے تو بہادر شاہ کے متعلق پندرہ قصاید مدحیہ (چودهویں سے اٹھائیسویں تک) دو مدحیہ مثنویاں (اول و هفتم) اور ایک ترجیع بند موجود ہے ۔ اُردو قصیدے یا قطعے ان کے علاوہ هیں ۔ اکبر شاہ کی مدح میں جو قصیدہ کہا تھا (تیرهواں) اس کے بعد بادشاہ قریباً دو سال زندہ رہا لیکن غالب نے کچھ نہ کہا ۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ بہادر شاہ ثانی کی مدح کب سے شروع کی ۔ بعض کی تاریخوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً ''برابر است'' والا قصیدہ غالباً شوال ۱۲۶۷ھ کی عید کے موقع پر پیش کیا گیا (۳۰ جولائی ۱۸۵۱ء) کیونکہ ''نادرات غالب'' میں اس کے بعض شعروں کی شرح منشی نبی بخش حقیر کو ذی قعدہ ۱۲۶۷ھ کے ایک خط میں لکھی ہے ۔ ساتویں مثنوی شوال

۱۲۷۱ھ (جون ۱۸۵۵) کی ہے ۔ یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ میرزا عیدین و نوروز کی تقریبات پر زیادہ تر قصیدہ کہتے رہے اور قلعے کی ملازمت کے بعد تو کسی خاص تقریب کو نظر انداز کرنا ممکن ہی نہ تھا ۔

زاں گنج نامہ کز خطِ ساغر گرفتہ‌ایم
خود را بہ نقدِ عیش توانگر گرفتہ‌ایم

بر روے آرزو درِ دولت کشودہ‌ایم
پیوندِ خشت از سرِ خُم برگرفتہ‌ایم

مے برکنارِ چشمۂ حیواں کشیدہ‌ایم
از خضر انتقامِ سکندر گرفتہ‌ایم

مینائے مے ز میکدۂ جم خریدہ‌ایم
فتوائے مے ز ساقیِ کوثر گرفتہ‌ایم

ایں اجرِ آں شکیب کہ عمرے بریں بساط
خوں خوردہ‌ایم و بادۂ احمر گرفتہ‌ایم

ایں مزدِ آں دریغ کہ شبہا دریں رباط
از خار و خارہ بالش و بستر گرفتہ‌ایم

باریک‌بینِ قاعدۂ بت‌تراشی ایم
در ہر تراش خردہ بر آزر[۱] گرفتہ‌ایم

---

۱ ۔ یہاں آزر سے مراد مشہور بت تراش ہے نہ کہ آگ ، لہٰذا ’’ذ‘‘ کے بجائے ’’ز‘‘ ہونا چاہیے ۔

عنقاے تیزبالِ جهانِ هویستیم
افلاک را چو بیضه تهِ پر گرفته‌ایم

کاخِ دماغ را به هواے عروجِ فکر
اندازهٔ بلندیِ منظر گرفته‌ایم

چون آسمان خود از رهِ پوزش درآمدست
از رفته درگزشته و در بر گرفته‌ایم

شیخی و شاعری نه سزاوارِ شانِ ماست
یک باره ترکِ خرقه و دفتر گرفته‌ایم

درکِ ادا ز نسخهٔ اشعار تا کجا
اینک عیارِ تیغ ز جوهر گرفته‌ایم

ناگه رسیده‌ایم بجاے که خویش را
از خویشتن به پایه فراتر گرفته‌ایم

در خواهشِ بریدنِ پیوندِ کاهلی
همت ز تیزیِ دمِ خنجر گرفته‌ایم

بر خود فسونِ دولت و اقبال خوانده ایم
در سر هواے رایت و لشکر گرفته‌ایم

روشن سواد نامهٔ محبوب گشته‌ایم
فیضِ هما ز بالِ کبوتر گرفته‌ایم

"طوبیِ لک" از زبانِ سخن‌رس شنیده‌ام
از نخلِ خلد میوه به نو برگرفته‌ایم

بر نامِ خود به شحنگیِ خطّهٔ سخن
فرماں ز شهریارِ سخنور گرفته‌ایم

بر سازِ دلنوازیِ تحسینِ خسروی
ایں خسروی‌نوا غزل ازبر گرفته‌ایم

با خود شمارِ سوختن ازسر گرفته‌ایم
پنہاں چو شمعِ خلوتیاں درگرفته‌ایم

گر تیز نیست آتشِ دل بد گماں مشو
امشب عیارِ ظرفِ سمندر گرفته‌ایم

دیگر به ذوق گریه به دل جوش میزند
خونے که صدره از مژهٔ تر گرفته‌ایم

آرایشے که درخورِ حالت بود رواست
از روے خویش آئنه در زر گرفته‌ایم

تا حقِ خدمتے بود از ما به مے‌فروش
در ماه روزه جاے براں در گرفته‌ایم

چندیں چه دل به گردن و گوشِ بتاں نهیم
گوئی به قیمتِ زر و گوهر گرفته‌ایم

دل در هواے گریه سبیلِ جنوں گزید
سیلاب را به بادیه رهبر گرفته‌ایم

افروختیم مشعلهٔ صد هزار آه
تا خود سراغِ ایں تنِ لاغر گرفته‌ایم

خود را ز سردمهریِ اسلامیانِ شهر
در حلقهٔ پرستش آذر[1] گرفته‌ایم

غالب ادائے ما به سخن خوش نه‌کرده ای
با آن که طرزِ غیر مکرر گرفته‌ایم

دانی ز بازگشتِ سخن بر طریقِ رجز
کائینِ سرکشانِ دلاور گرفته‌ایم

نے بلکه حق‌گزاریِ مدح است کاین همه
ملکِ سخن به خامه سراسر گرفته‌ایم

دانی ز دل نهادنِ ما بر هوائے باغ
کاین دل به عاریت ز صنوبر گرفته‌ایم

نے بلکه بهرِ شادیِ دیدارِ پادشاه
دل را بزور از کفِ دلبر گرفته‌ایم

شد تازه نوبهارِ بهادرشهی به دهر
چون نوبهار تازگی ازسر گرفته‌ایم

سلطان ابوالظفر که ز اسمش به اشتقاق
مفتاحِ بابِ اسمِ مظفر گرفته‌ایم

تیغ‌آزما شهے که در احکامِ طالعش
سهم الظفر ز خطِّ دو پیکر گرفته‌ایم

جم‌پایهٔ که از شرفِ پائےبوسِ او
خود را به کیقباد برابر گرفته‌ایم

---

۱ ۔ آذر یعنی آگ ۔

تا خطبۂ به نامِ بلندش ادا کنند
شاخے ز سدره از پئے منبر گرفته‌ایم

در عهدِ عدلِ او به دمِ صلح با چراغ
عهدِ ادب ز جانبِ صرصر گرفته‌ایم

گر بر شراره شبنمِ لطفش چکیده است
از بس تری گلاب ز اخگر گرفته‌ایم

ور در چمن سمومِ عتابش وزیده است
گل را ز شاخسار به انبر۱ گرفته‌ایم

صدره دراں بساط به انبوهِ بندگاں
محمود را به چیدنِ گوهر گرفته‌ایم

صد ره دراں حرم به لباسِ کنیزکاں
نوشابه۲ را به دزدیِ زیور گرفته‌ایم

گر شه کند قبول زهے آبروے ما
بیعت به نامِ او ز سکندر گرفته‌ایم

خواهیم قربِ شاه و لیکن دریں مراد
عبرت ز نامرادیِ سنجر گرفته‌ایم

---

۱ - ایک آلہ جس سے گرم لوها یا اور کوئی گرم چیز آگ سے نکالتے ہیں - سنڈاسی ، سنسی - یہ لفظ ترکی ہے -

۲ - از روے شاهنامہ ایک فرمانروا ملکہ ، جس کی ملاقات سکندر یونانی سے هوئی تهی -

جرأت به عرض خطّ غلامی وفا نه کرد
پروانهٔ وکالتِ قیصر گرفته‌ایم

خرشید منظرا نظرے کاندریں شمار
لعل و گہر به رشتهٔ مسطر گرفته‌ایم

شبگیر مدح قوت بخت سخنورست
راهے به روشنائیِ اختر گرفته‌ایم

طبعِ تو داد سرخطِ مشقِ سخن به ما
گوئی براتِ نور ز خاور گرفته‌ایم

"خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست"
ویں نیز از سخنورِ دیگر گرفته‌ایم

در وادیِ مقدسِ مدحِ تو از ادب
اندیشه را عنانِ تگاور[۱] گرفته ایم

در پردهٔ مدیح به ذوقِ بساط بوس
اندیشه را نقاب ز رخ برگرفته‌ایم

بیخود ترانهٔ ارنی ساز کرده‌ایم
سنگِ درت به طُور برابر گرفته‌ایم

چشمے که جز به تو نگرد کور گفته‌ایم
گوشے که جز ز تو شنود، کر گرفته‌ایم

بر رنگ و بوے فکرِ خود و باستانیاں
طبعِ ترا به محکمهٔ داور گرفته‌ایم

---

۱ - گھوڑا -

صد گونه آفریں ز زبانِ تو در خیال
خود گفته‌ایم با خود و باور گرفته‌ایم

شوقت محیط و ما چو خس از بس سبکسری
خود را دریں محیط شناور گرفته‌ایم

آهنگِ صد هزار دعا می رسد به گوش
تا از نیاز حلقهٔ ایں در گرفته‌ایم

جاوید زی که ما به پناهِ تو خویش را
با آسماں به عربده همسر گرفته‌ایم

پاے ترا درستیِ اورنگ خوانده‌ایم
فرقِ ترا بلندیِ افسر گرفته‌ایم

هر لمعه کز جواهرِ تاجِ تو دیده ایم
آنرا فروغِ طالعِ کشور گرفته‌ایم

در کندنِ بناے حیاتِ عدوے تو
همت ز فاتحِ درِ خیبر گرفته‌ایم

ذاتِ ترا به ایں همه آثار فرخی
از معجزاتِ دینِ پیمبر گرفته‌ایم

بر هر دعا که با تو رود مژدهٔ قبول
از پیشگاهِ خالقِ اکبر گرفته‌ایم

*****

۱۵

در مدحِ بہادر شاہ

مخطوطہ رام پور میں اس قصیدے کا عنوان ہے :

"قصیدہ در مدح سلطان سراج الدین ابوالظفر بہادر شاہ غازی"

دیوان دہلی میں ہے : "ایضاً در مدح حضور والا خلداللہ ملکہ و سلطانہ" اور کلیات مطبوعہ نولکشور میں ہے "قصیدہ پانزدہم"۔

ممکن ہے پہلا قصیدہ بہادر شاہ ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی کہا ہو ۔ پھر اس وجہ سے بے تعلقی پر قناعت کر لی ہو کہ پہلے قصیدے پر چنداں توجہ نہ ہوئی ۔ بعد ازاں بعض ذی اقتدار احباب نے ایک طرف بادشاہ کو توجہ دلائی ہو ، دوسری طرف میرزا سے قصیدہ لکھوایا ہو ۔

زہے ز خویش نشانِ کمالِ صنعِ الہ
سراجِ دینِ نبی ، بوظفر بہادر شاہ

محیط بخشش و دریا کف و سحاب نوال
قمر لوائے و فلک خرگہ و ستارہ سپاہ

رئیسِ تاجوراں ، خسروِ جہاں داور
دلیلِ راہرواں ، مرشدِ خداآگاہ

به وے نیازِ سپہبد ز پنجمیں منظر۱
به وے نیایشِ کیواں ز ہفتمیں خرگاہ

ز خاکِ رہ‌گزرش سرمه آرزوے عیون۲
بر آستانِ درش سجده آبروے جباه۳

به فیضِ آگہی آئیں شناس سیر و سلوک
به فرِ خسروی ارزش‌فزاے دولت و جاه

دمِ مراقبه صورت نماے جوہرِ عقل
گہِ مشاهده نیروفزاے نورِ نگاه

ز حق عطیه پزیرد، چو ماہتاب ز مہر
به خلق بہره رساند چو آفتاب به ماه

به کارہاے جہاں حکمِ محکمش نافذ
ز رازہاے نہاں راے روشنش آگاه

ز عدلِ او که به اضداد بخشد آمیزش
به چاکِ شعله زند بخیه سوزنِ پرکاه

ز قہرِ او که به گردن کشاں دهد مالش
به گوشِ شیر بود حلقه از دمِ روباه

فلک به لرزه در، از وے ز دستبرد علَم
زمیں به زلزله از وے ز رستخیزِ سپاه

---

۱ - پانچواں آسمان، جو مریخ کا مقام ہے اور اسے سپہبد فلک کہتے ہیں -

۲ - عیون، عین کی جمع، آنکھیں -

۳ - جباه، جبہہ کی جمع یعنی پیشانیاں -

به بزمِ او که سلاطینِ دهر راست مطاف۱
به عهد او که سنین۲ و شهور۳ را ست پناه

کرا مجالِ نشستن بغیرِ نقشِ مراد
کجا نشانِ شکستن بغیرِ طرفِ کلاه

چو او نه کرده کس از اهلِ دیں به فرشِ حصیر۴
نشاطِ شاهی و فرماندهی، خداست گواه

چو او نگفته کس از خسرواں بروے سریر
حدیث فقر و فنا، لا اله الا الله

شهنشها ز غمِ دوریِ درت، کارم
بداں رسیده که بے مرگ جاں دهم نا گاه۵

نه‌جویم ار به درت راه، رحم کن، نه عتاب
درینکه طالعِ من بد بود، مرا چه گناه

کجا ست ارزشِ آنم که بر بساطِ قبول
به لب نوا دهم از پاے بوسِ شاهنشاه

ز نقشِ پاے تو ام بوسه بس بود، آرے
دریں هوس چو گدایاں گرفته‌ام سرِ راه

---

۱ - جاے طواف۔

۲ - سن کی جمع یعنی سال ۔

۳ - شهر کی جمع یعنی مهینے ۔

۴ - بوریا ۔

۵ - اس شعرنیز بعد کے اشعار سے خیال هوتا ہے کہ میرزا غالب مدت تک دربار سے بے تعلق رہے ۔

به بارگه نه‌رسم خانهٔ سپهر خراب
ندیمِ شه نه‌شوم روے روزگار سیاه

ز شاه بهرهٔ من سوختن به داغِ فراق
ز دهر حاصلِ من زیستن بحالِ تباه

چه دل نهم به گهرپاشیِ سخن چو مرا
هزار آبله بر دل بود ز گرمیِ آه

چه سر کنم روشِ مدح‌گستری چو مرا
به بزمِ خسروِ گیتی‌ستاں نه‌باشد راه

ز کار رفته دل و دستِ من چنانکه مرا
نه مانده شادیِ پاداش و رنج بادافراه[۱]

نه از تو لطف و نه از حق مدد، زہے حرماں
نه تابِ شکوه، نه جاے سخن، معاذالله

نباشدم صله مقصود، مدح‌خوانِ تو ام
بدیں ذریعه مگر یادم آوری گه گاه

و گر عطیه فرستی، شگفت هم نه بود
که می‌رسد ز نمِ ابر تازگی به گیاه

به چشمِ کم منگر، گرچه خاکِ راهِ تو ام
که آبروے دیارم دریں خلافت‌گاه

کمال بیں که بدیں غصه هاے جاں فرسا
هنر نگر که بدیں فتنه‌هاے طاقت کاه

---

۱ - باد آفراه، نیز باد فراه به معنی بدله، مکافات -

صلای سخنم من به مایه‌داریِ فکر
ز نطقِ من بودش عیشهاے خاطرخواه

عبارتم به طراوت، چو لاله در بستان
معانیم به لطافت، چو باده در دی ماه

به اخذِ فیض ز مبداء فزونم از اسلاف
که بوده‌ام قدرے دیر تر بداں درگاه

نزولِ من به جهاں بعدِ یکهزار و دویست
ظهورِ سعدی و خسرو به ششصد و پنجاه[۱]

سخن ز نکته‌سرایانِ اکبری چه کنی؟
چو من به خوبیِ عهدِ تو ام ز خویش گواه

کنوں تو شاهی و من مدح‌گو تعال تعال
گزشت دورِ نظیری و عهدِ اکبر شاه

به فنِ شعر چه نسبت به من نظیری را
نظیرِ خود به سخن هم منم، سخن کوتاه

---

۱ - یعنی میرا ظهور بارهویں صدی شروع هونے کے بعد هوا - میرزا کی تاریخ ولادت ۱۲۱۲ھ ہے - سعدی کا سال ولادت ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء قرار دیا جاتا ہے (تاریخ ادبیات ایران ص ۲۶۳) اور امیر خسرو کی تاریخ ولادت ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء ہے - میرزا کا مدعا یہ ہے کہ میں نے سعدی اور خسرو کے بعد کم و بیش چھ سو سال مبداء فیاض سے فیض حاصل کرنے میں گزار دیے، اس کے بعد عالم وجود میں قدم رکھا -

سخن سرائیِ **غالب** سپس به رسمِ دعاست
اجابت از حق و خواهش ز بندهٔ درگاه

طرب به طبعِ تو شامل، چو رنگ با رخِ گل
بقا ز خصمِ تو زائل، چو خنده از لبِ چاه

*****

۱۶

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کا عنوان مخطوطہ رام پور میں ہے :

”در مدح سلطان عہد ادام‌اللہ امرہ و سلطنتہ“

یہی عنوان دھلی کے مطبوعہ دیوان میں ہے - کلیات مطبوعہ نولکشور میں صرف ”قصیدہ شانزدھم“ لکھا ہے -

مولانا عرشی رام پوری نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ ”دھلی اردو اخبار“ کی اشاعت مورخہ ۲۵ ذی حجہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر پیش کیا گیا تھا -

اس کے پہلے ھی شعر سے واضح ہے کہ بادشاہ کے ساتھ روابط میرزا کی خواھش و آرزو کے مطابق نہ تھے، اگرچہ ۱۸۵۰ء سے ملازمت کا سلسلہ شروع ھو گیا تھا -

---

ردیفِ شعر ازاں کردم اختیار گرہ
کہ از من است بر ابروے شہریار گرہ

گرہ‌کشاے رموزِ خرد بہادر شاہ
کہ پیشِ ناخنِ تدبیرِ اوست خوار گرہ

زہے روائیِ فرماں کہ در کفش پئے هم
دود چو گوهرِ غلطاں بروے تار گره

ز بسکه زر شده خوار از کفِ زر افشانش
ز کیسه ساخته پهلوتهی ز عار گره

ز هولِ حملهٔ او بسکه در گلوے عدو
شدست گریه به میدانِ کارزار گره

عجب مدار که چوں خوں رواں شود بر خاک
دمد بجاے حبابش ز جویبار گره

فلک بجادهٔ راهش گهر فشاند و بخت
به فرقِ رشتهٔ عمرش کند نثار گره

ازانکه رشتهٔ عمرش شعاعِ خرشید است
شد است بسکه دریں رشته تابدار گره

عجب مدار به خوبی اگر زند پهلو
به انجم و به گهرهاے شاهوار گره

براں سرست که جاے دگر قدم نه نهد
گرفت بسکه دریں رشته اعتبار گره

جهانیاں ! به شما مژدهٔ کشایشِ کار
که هیچ گاه نیفتد دگر به کار گره

ز بسکه بسته بدیں رشته دل ، روا باشد
ز رشته نازده گردد گر آشکار گره

چو شد وظیفه ز روزِ ازل که سال به سال
رسد به رشتهٔ عمرش ز روزگار گره

گمان به رشتهٔ عمرش کنم که سر تا سر
نشسته است گره را در انتظار گره

ایا شهنشهِ کشور کشاے دشمن بند
ز بنده در خمِ ابرو روا مدار گره

که چون بدین صفت اندر ضمیرِ من گزری
به پیچ و تاب دلم را دهد فشار گره

دل است تنگ ازان رو مشوشم که مباد
شود ز تنگیِ جا در دلم فگار گره

شد است کار گره در گره چنانکه اگر
شوم غبار، شود در هوا غبار گره

ز کارِ خویش چه نالم که دستِ چرخ دراں
بسا زد[۱] است و زند صد هزار بار گره

ازیں گره که بر ابروے تست در تابم
که آه در چه محل یافت است بار گره

زدی ز خشم بر ابروے و غافلی که مرا
بسانِ رشته ز غم می‌کند نزار گره

کنم به بزمِ تو سازِ غزل بلند آواز
فگنده است به دل طرحِ خار خار گره

---

۱ - یعنی زده است -

زہے بہ حلقۂ سویت نہاں ہزار گرہ
فتادہست بہ ہر گوشہ و کنار گرہ

چو وا نہ شد بہ سنش دل خود از میاں رفتم
گزاشتم بہ دلِ دوست یادگار گرہ

چو رشتہ پیچ خورم چوں ہنوز جا خالی است
اگرچہ رفتہ ز بندِ قبائے یار گرہ

بدیں تحمل و طاقت کہ لرزہ در گیرد
بسانِ رشتہ بہ سن گر شود دوچار گرہ

مراست پویہ بسر شرط و در رہ افتاد است
بہ تارِ جادۂ ایں رہ ز کوہسار گرہ

بہ دل کشائیِ گفتارِ سن کہ **غالب** را
سزن بہ رشتۂ امید زینہار گرہ

ازیں گرہ کہ بر ابرو زدی چرا ترسم
کہ در دلت ز صفا نیست پایدار گرہ

نشاطِ سالِ نو۱ و جشن ایں ہمایوں سال
برد ز ناصیۂ شاہِ نامدار گرہ

ز فرطِ گرمیِ ہنگامہ خوش‌دلم کہ مگر
مرا بروں جہد از دل سپندوار گرہ

---

۱ - سال نو سے بظاہر مراد ۱۲۶۹ھ ہے جس کے آغاز میں صرف چند روز رہ گئے تھے -

گره اگرچه به تارِ نفس نمی‌سازد
بود به رشتهٔ عمرِ تو سازگار گره

ز سلکِ رشتهٔ عمرِ تو آں طراوت یافت
کہ شد بہ حسن جگرگوشهٔ بہار گره

بہار راست بدیں رشته سر، شگفت مدار
بجاے غنچه دمد گر ز شاخسار گره

ازاں به رشتهٔ عمر تو می رسد هر سال
که عهدِ پاسِ وفا بسته استوار گره

ز بسکه رشتهٔ عمرِ تو در تنش جاں شد
به رشته هستیِ خود را دهد قرار گره

ز هم‌نشینیِ بندِ قباے محبوباں
عجب بود نه‌گزیند اگر کنار گره

سحر به رسمِ دعا خواستم که آں بادا
که بشمرند دریں رشته صد هزار گره

مسبحانِ [1] بلند آسماں ندا دادند
که صد هزار گره بلکه بے شمار گره

چنانکه کار بدانجا رسد که بهرِ نشاں
نیابد آں که بجوید ز روزگار گره

---

۱ - آسمان کے تسبیح خواں -

۱۷

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے سے اٹھائیسویں قصیدے تک کوئی بھی مخطوطۂ بانکی پور یا مخطوطہ رام پور میں موجود نہیں ۔ ''نادرات غالب'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ شوال ۱۲۶۷ھ (جو از روے تقویم ۳۰ جولائی ۱۸۵۱ء کو تھی) کی عید کے موقع پر پیش کیا گیا ۔ اس میں ھلال عید کی جو تشبیہات نظم کی گئی ہیں ، وہ بالکل نئی ہیں ۔ ظہیر فاریابی نے بھی ھلال عید پر تشبیہیں ایک قصیدے میں پیش کی تھیں ، لیکن مقابلہ کر کے دیکھیں تو میرزا کی تشبیہات بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں ۔

———

گفتم حدیثِ دوست بہ قرآں برابر ست
نازم بہ کفرِ خود کہ بہ ایماں برابر ست

گو چرخ دشمنی مکن و بخت سرکشی
خود خواهشِ محال بہ حرماں برابر ست

هنگامہ گرم‌سازیِ کوشش بجا نماند
خوں هم چناں بہ آتشِ سوزاں برابر ست

در راهِ عشق سینہ زمیں‌سائے دیده ایم
آں ناقہ را کہ کوه بہ کوهاں برابر ست

غوغاے رستخیز به گوشِ شهیدِ عشق
با لحن و صوتِ مرغِ سحرخوان برابر ست

بے دستگه نیم که هنوز از هواے وصل
شورے است در سرم که به سامان برابر ست

با چاره‌گر بگوی که تیمار پیش‌کش
دردے است در دلم که به‌درمان برابر ست

زیں موجِ خوں که می‌گزرد دمبدم ز سر
دستارِ من به لالهٔ‌نعمان برابر ست

کینهاے آشکار که سرجوشِ ناز اوست
در ذوق با نوازشِ پنهاں برابر ست

نے وعدهٔ، نه پرسشِ رازے، نه شکوهٔ
داغم ز نامهٔ که به عنوان برابر ست

نے کف گرفته ساعد و نے لب ربوده بوس
در ناخوشی وصال به هجران برابر ست

پیوسته پرفشان و نه جسته ز آشیان
پروازِ من به‌جنبشِ مژگاں برابر ست

تن زن ز شکر و شکوه که در مسلکِ رضا
راحت به رنج و سود به نقصان برابر ست

ترکِ وجود گیر، سخن در سجود چیست
بگزر ز طاعتے که به عصیان برابر ست

در دیدۂ جریدہ روانِ یگانہ بیں
کثرت بہ خوابہاے پریشاں برابر ست

جاروبِ لا بیار کہ ایں شرک فی‌الوجود
با گردِ فرش و سینہ بہ ایواں برابر ست ۱

ذاتِ حق است واحد و ہستی است عینِ ذات
بزمِ جہاں بہ مجمعِ اعیاں برابر ست

غالب بہل تصوف و ہنگامہ گرم کن
نالِ قلم بہ شمعِ فروزاں برابر ست

---

۱ - میرزا نے اس شعر کی شرح منشی نبی بخش حقیر کو ایک مکتوب میں یوں لکھی تھی :

ترکیب الفاظ یوں ہے کہ شرک فی‌الوجود با گرد فرش برابر است و سینہ بہ ایوان برابر است یعنی دل بہ منزلۂ ایوان ہے اور شرک فی‌الوجود بہ منزل گرد فرش کے ہے، اس گرد فرش کو جھاڑا چاہیے۔ گرد جھاڑتے ہیں جھاڑو سے۔ لا نافیہ کو جھاڑو فرض کیا . . . اب سمجھیے کہ شرک فی‌الوجود کیا اور لا نافیہ کیا ۔ شرک کئی قسم پر ہے ۔ شرک فی‌الصفات ، شرک فی‌الافعال ۔ ان شرکوں کو سب جانتے ہیں ، مگر شرک فی‌الوجود بہت پوشیدہ ہے ۔ یعنی اشیا کے واسطے وجود جداگانہ قرار دینا اور خلق و خالق کو الگ الگ سمجھنا ۔

مذہب وحدت وجود کا یہ ہے کہ موجود حقیقی حق ہے اور اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔ لا موجود الااللہ لا موثر فی‌الوجود الااللہ ۔ ''لا'' واسطے نفی کے ہے ۔ اہل ظاہر لاالہ الااللہ کو یوں سمجھتے ہیں کہ سواے اللہ کے کوئی لائق عبادت کے نہیں ۔ بس وہ نفی استحقاق عبادت کرتے ہیں اور صوفیہ کہتے ہیں کہ نہیں کوئی موجود سواے اللہ کے ۔ پس یہ لوگ اشیا کی موجودیت کو شرک فی‌الوجود کہتے ہیں ۔

(نادرات ص ۱۸ - ۱۹)

بالد به خویش خواجه چو گوئی سخنورش
غافل که ایں ترانه به بهتاں برابر ست

نے هر ترانه‌سنج نکیسانوا[۱] بود
نے هر سخن‌سرائے به سحباں[۲] برابر ست

نے هر شترسوار به صالح[۳] بود همال
نے هر شباں به موسیِ[۴] عمراں برابر ست

نے هرکه گنج یافت ز پرویز گوے برد
نے هرکه باغ ساخت به رضواں برابر ست

گفتی که این و آں بود از نطق مایه ور
ایں در شمارِ شیوه نه با آں برابر ست

گیرم که هر گیا[۳] برد ز ابر و باد فیض
خرزهره[۴] کے به سنبل و ریحاں برابر ست

امروز من نظامی و خاقانیم بدهر
دهلی ز من به گنجه و شرواں برابر ست[۵]

---

۱ - نکیسا، جسے نگیسا بھی کہتے ہیں (بہ کاف فارسی) ساسانی بادشاہ خسرو پرویز کا مشہور مطرب تھا ۔

۲ - سحبان : ایک عرب، جو فصاحت و بلاغت میں بے مثال مانا گیا ۔

۳ - بعض اصحاب نے ''گیاہ'' لکھا ہے۔ ''گیاہ'' لفظ درست ہے لیکن یہاں شعر میں صرف ''گیا'' پڑھا جائے گا یا ''گیہ''۔ ''گیاہ'' پڑھا نہیں جا سکتا ۔

۴ - خرزهره بہ معنی کنیر جو سنبل و ریحان کے مقابلے میں بے حقیقت ہے ۔

۵ - نظامی کا وطن گنجہ تھا جس پر گردش ایام سے زاروں کے زمانے میں روس کا قبضہ ہو گیا اور اس کا نام ایلزبتھو پول یعنی شہر ایلزبتھ رکھ دیا گیا ۔ یہ قفقاز کے دامن میں واقع ہے ۔ خاقانی کا وطن شروان تھا ۔ چونکہ میرزا ، نظامی اور خاقانی دونوں کے مثیل تھے، اس لیے شہر دهلی گنجہ و شروان کا مثیل بن گیا ۔

مقصود گردش است بلندی فروگزار
دکانِ من به گنبدِ گرداں برابر ست

سلجوقیم۱ به گوهر و خاقانیم به فن
توقیعِ من بسنجر و خاقاں برابر ست

تیغِ مرا اگرچه بود خفته در نیام
پولاد با بدخشِ۲ بدخشاں برابر ست

چوں آبِ ایستاده و موجِ دمادمش
واماندنم ز پویه به جولاں برابر ست

دشتِ مراست لالهٔ خودرُو چمن چمن
تمکینِ من به کوششِ دهقاں برابر ست

روح اللهم جلیس و به دیر از فروتنی
رختِ تنم بهبسترِ رهباں برابر ست

کلکِ مرا سواد سویدا مثالِ نظم
با سرمهٔ دیارِ صفاهاں برابر ست

---

۱ - کوئی شبہ نہیں کہ میرزا ملک شاہ سلجوقی کے فرزند برکیارق کی نسل سے ہونے کے مدعی تھے -

۲ - بدخش بہ معنی یاقوت - یعنی میری تلوار اگرچہ نیام میں ہے ، مگر وہ لعل بدخشاں کی طرح سرخ ہے -
مطلب یہ کہ میں تلوار سے کام نہ بھی لوں تو بھی وہ برابر فاتحوں کی تلواروں کی طرح خون آلود ہوگی، یعنی فاتحیت اس کی سرشت ہے -

در عرصهٔ قلمروِ فکر از محیطِ نطق
جوے بریده ام که به عماں برابر ست[۱]

گر من سکندرم تو هرآئینه خضر باش[۲]
گفتار من به چشمهٔ حیواں برابر ست

در مطلعِ دگر سخن از راز سر کنم
هر بیتِ ایں قصیده بدیواں برابر ست

گر ماهِ نو به ابروے جاناں برابر ست
کو جنبشے که گفته‌شود هاں برابر ست

یا رب جبینِ کیست که از بس بسجده سود
باقی به ابروے مهِ کنعاں برابر ست

چوں مه شود بگوئی که ماند همی به گوی
در پیکرِ هلال به چوگاں برابر ست

در شب چرا تهیست به روز ار پدید نیست
چوں ماهِ نو به طاقِ شبستاں برابر ست

نے نے ازیں که هیچ نه دارد ز نقل و مے
گوئی به طاق کلبهٔ ویراں برابر ست

---

۱ - محیط سے مراد وہ سمندر ہے جس نے روے زمین کا احاطہ کر رکھا ہے - فرماتے ہیں کہ میں اس سمندر کی ایک ایسی ندی ہوں جو بحر عمان کی برابری کر رہی ہے -

۲ - یعنی میرے کلام کو آب حیواں کی حیثیت حاصل ہے - اگر میں سکندر ہوں ، جسے آب حیوان سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تو اے مخاطب تو تو خضر کی طرح اسے پی کر حیات جاودانی حاصل کر لے -

زیں سیمیا که زورقِ سیمیں دود بر آب
هر کوکبے به دیدهٔ حیراں برابر ست

بالاے طفلِ یکشبه، در خم ز راستی
با قامتِ خمیدهٔ پیراں برابر ست[۱]

وقتے که از گرانیِ بارِ ثمر خمد
با شاخِ نخلهٔ ثمرافشاں برابر ست

چوں آسماں هر آئنه ماند به پیلِ مست
ایں با کجک[۲] به هیئت و عنواں برابر ست

محراب مسجد ست بیا تا ادا کنیم
آں طاعتِ قضا که به تاواں برابر ست

با پشتِ کوز و نعلِ سمند و رکابِ رخش
درپیش‌گاه مردِ ادا داں برابر ست

قلابِ شستِ ماهی و خمّ ِ کمندِ شیر
در حوت[۳] و در اسد[۴] دمِ جولاں برابر ست

---

۱ - اس شعر کی شرح میں میرزا لکھتے ہیں :

یہ شعر منجملہ ان اشعار کے ہے جو ماہِ نو کی تشبیہ میں واقع ہوئے ہیں . . . طفل یک شبہ : پہلی رات کا چاند - بالا یہاں بہ معنی قد کے ہے نہ بہ معنی اوپر کے - راستی بہ معنی سچ کے ہے نہ بہ معنی سیدھے کے -

(نادرات ص ۱۹)

۲ - آنکس : وہ آلہ جس سے ہاتھی کو قابو میں رکھتے ہیں -

۳ - ایک برج -

۴ - ایک برج -

ایں نیم دائرہ کہ فرو ریخت کلکِ صنع
با نصف طوق و دورِ گریباں برابر ست

بر دستِ شاہ تیغ و کماں را ست جایگاہ
با تیغ و با کماں بہ چہ برھاں برابر ست؟

دانم نہ تیغ ، مصقلۂ تیغِ پادشاست
نشگفت گر بہ تیغ بدینساں برابر ست۱

اندازہ داں کسے است کہ گوید ھلالِ عید
با ناخنِ بریدۂ سلطاں برابر ست

جم پایہ بوظفر کہ بہ میزانِ اعتبار
اورنگِ وے بہ تختِ سلیماں برابر ست

شبدیزِ شہ ز رخش بہ رفتار تیز تر
سرھنگِ شہ بہ رستمِ دستاں برابر ست

---

۱ - ان دو شعروں کی شرح یوں فرماتے ہیں :-

یہ دو تشبیہیں ماہ نو کی ہیں تلوار اور کمان - شاعر کہتا ہے کہ تلوار اور کمان بادشاہ کے ھاتھ میں ہوا کرتی ہے اور یہ ظاھر ہے کہ ھلال بادشاہ کے ھاتھ میں نہیں - پھر کس برھان اور کس دلیل سے شعرا اس کو تلوار اور کمان جانتے ہیں؟

(پہلے شبہ پیدا کیا ہے ، دوسرے شعر میں خود ھی جواب دیتا ہے یعنی شاعر)

ھاں میں بھی جانتا ھوں کہ یہ تلوار نہیں ، مگر بادشاہ کی تلوار کا مصقلہ ہے اور عجب نہیں کہ تلوار کا مصقلہ تلوار کے برابر گنا جاوے - مصقلہ آلہ ہے تلوار صیقل کرنے کا - وہ ایک چیز ہے گھوڑے کے نعل کی صورت -

گر شاه را ز عونِ الٰهی به رزم‌گاه
پیراهنِ حریر به خفتان برابر ست

بدخواه را ز اشتلم خار خار خوف
دل در خراش سینه به پیکان برابر ست

کیوان نه دیده‌ای که بود دیدبانِ بام
گفتی که بامِ کاخ به کیوان برابر ست

جستم ز آفتاب‌پرستان نشانه‌ٔ
گفتند شه به مهرِ درخشان برابر ست

نزدیکیِ ز دور به دارا نشان دهم
نازد به خویشتن که به دربان برابر ست

هم کعبه بر زمین بود و هم سریرِ شاه
در هر دو پله بار به میزان برابر ست

در مدحِ شه معرف شاهم به معرفت
با شبلی و جنید به عرفان برابر ست

هم پادشاهِ عالم و هم غوثِ اعظمی
دارالخلافه از تو به گیلان برابر ست

بر گردنِ سران به‌مثل گر نهی قدم
سر پیچد آنکه از تو به صنعان برابر ست

اهریمنی است با تو دم از دشمنی زدن
مهرِ تو با محبتِ یزدان برابر ست

رخشِ تو سیمیاے بہار است در خرام
گردِ سمش به سنبلِ پیچاں برابر ست

لطفِ تو کیمیاے وجودست در نمود
تن در نظاره‌گاهِ تو با جاں برابر ست

جلدوے سینه‌کاویِ من در ثناے شاه
هرچند مشکل است به آساں برابر ست

با آنکه بر سریرِ شه افشانده‌ام ز کلک
ایں نکته ها که با دُر و مرجاں برابر ست

اینک مرا ز خجلتِ گفتارِ نا رسا
جوشِ عرق به موجهٔ طوفاں برابر ست

پوزش پزیر و مکرمت انگار کز تو ام
خود یک نگه به لطفِ نمایاں برابر ست

آرے قبولِ عذرِ گناه از گناهگار
با صد هزار بخشش و احساں برابر ست

با چوں منے گرایش همچوں توئی به مهر
گر اندک است هم به فراواں برابر ست

تا اهتمامِ نیرِ رخشاں به بذلِ نور
در شهر و باغ و کوه و بیاباں برابر ست

بادا بقاے شه که به فرِّ فروغِ بخت
دیهیمِ شه به نیّرِ رخشاں برابر ست

✻✻✻✻✻

۱۸

در مدحِ بہادر شاہ

یہ قصیدہ مخطوطہ بانکی پور یا مخطوطہ رام پور میں موجود نہیں ۔ "دھلی اردو اخبار" کی اشاعت ۳۰ مارچ ۱۸۵۱ء میں بتایا گیا ہے کہ یہ نوروز کی تقریب پر یعنی ۲۱ یا ۲۲ مارچ ۱۸۵۱ء کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا ۔ گویا اس سال بادشاہ کی مدح میں میرزا نے دو قصیدے کہے ۔ ایک ۱۸ یا ۱۹ جمادی‌الاولی ۱۲۶۷ھ کو اور دوسرا قریباً ساڑھے چار مہینے بعد عید شوال ۱۲۶۷ھ کو پیش کیا ۔ کلیات میں اس کا عنوان "ہژدھمیں قصیدہ" ہے ۔

خرشید به بیت‌الشرفِ خویش درآمد
زانسان که شهنشاه به اورنگ برآمد

دارای فریدون‌فرِ فرزانهٔ فرّخ
کز فرِّ فراواں لقبش بوظفر آمد

همتای جهاندار نه‌بینی به جهاں در
کز فرّه و فرهنگ جهانے دگر آمد

ق

در حضرتِ شاہِ ہمہ‌دان و ہمہ آرائے
کاندر ہمہ جا در ہمہ‌بخشی سمر آمد

خرشید[۱] بہ دریوزۂ دیہیم رخ آورد
بہرام طلبگارِ کلاہ و کمر آمد

از پیش‌گہِ مہر بود پیشکشِ شاہ
ہر گوہرِ رخشندہ کہ از کاں بدرآمد

با خاکِ درِ شاہ ز خرشید مزن دم
از ذرہ سخن‌گوئی کہ خرشیدگر آمد

با ذرۂ خاکِ درِ خسرو چہ کند مہر
خود روشنیِ مہر ازیں خاک در آمد

مہر از شرفِ خویش بہ من داد نشانے
وانگہ بہ نظرگاہِ شہم راہبر آمد

آں وعدہ کہ فرداست ہم امروز وفا شد
کاینک رخِ رخشندۂ شہ در نظر آمد

ایں دیدِ گرانمایہ بہ ہر دیدہ نہ بخشند
منت‌کشِ چشمم کہ حقیقت‌نگر آمد

---

۱ - یہاں کلیات مطبوعہ نولکشور طبع اول میں بھی ''خرشید'' ہی ہے - اس صورت میں ''بہرام'' سے بہرام فلک یعنی مریخ ستارہ مراد لیں گے - لیکن اگر بہرام سے ایران کے مشہور بادشاہ بہرام‌گور کی طرف اشارہ ہے تو مجھے یقین ہے کہ میرزا نے ''خرشید'' کی جگہ ''جمشید'' لکھا ہوتا -

با کوس و علم ، علم و هنر چوں نکند جمع
شاہے کہ بہ فرہنگِ خرد ناسور آمد

با لعل و گہر، جود و کرم چوں نہ دہد ساز
شاہے کہ بہ فرتابِ نظر سہرفر آمد

درعہد وے آسیب جزایں نیست کہ گویند
بر کشتیِ درویش ز موجِ گہر آمد [۱]

از راہِ کرم پایۂ اہلِ‌ہنر افزود
از روے خرد کارروائے ہنر آمد

ہر جا کہ سپہ برد، زمیں موجۂ خوں زد
ہر سو کہ رخ آورد ، نویدِ ظفر آمد

رازِ دلِ سودازدہ در سینہ نہ گنجد
اندیشہ بہ آہنگِ غزل پردہ‌در آمد

بر نعشِ من از ناز و ادا مویہ‌گر آمد
تا روز فرو رفت شبِ ہجر سرآمد

ما را بہ ستم کشت و فریبد دگراں را
در حلقۂ ماتم ز رہِ لہو درآمد

تنگ است رہِ عشق بیا تا بہ‌نمایم
خوں می‌چکد از باد کزاں رہگزر آمد

---

۱ - موج گہر سے مراد موتی کی آب و تاب ہے اور وہ سیال شے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ نے اتنے موتی عطا کیے کہ درویش کی کشتی کو آسیب پہنچ گیا ۔ لطف یہ کہ اس معاملے کو بھی حقیقت ثابتہ کے رنگ میں پیش نہیں کیا ، کہا : کہتے ہیں کہ ایسا واقعہ پیش آیا۔

تا مے چه قدر جوش به خم زد که دریں دور
ما را به نخستیں قدح اندر کدر آمد۱

سازِ طربم تا چه نوا داشته‌باشد
چوں زخمه و تارش ز رگ و نیشتر آمد

آوازه شنیدیم و نه‌دیدیم همانا
معشوقه نواے است که از پرده برآمد

چوں جز به گرایش نه فرستند بلا را
چندانکه بلا بیش، طرب بیشتر آمد

دیگر رهِ بیروں شدِ خوناب نه بود است
در خستگیِ دل فرح از چشمِ تر آمد

خنجر به کفِ دشمن و نشتر به کفِ دوست
سودازدهٔ عشقِ ترا خوں هدر آمد

یک شعله بود غم که ازاں شعله به تقسیم
دود از دم و سوز از دل و داغ از جگر آمد

غالب به ادب باش که در بزمِ شهنشاه
فرشے است کش از اطلسِ چرخ آستر آمد

ایں منظرِ اقبال بداں پایه بلند است
کز گردشِ سر شخصِ خرد را خطر آمد

---

۱ - جب کوئی سیال جوش میں ہو تو تلچھٹ تہ میں نہیں بیٹھنے پاتی ، بلکہ سیال میں ملی جلی رہتی ہے - شراب کے جوش کی کیفیت پیش کرتے ہوے فرمایا کہ میرے پہلے ہی ساغر میں جو شراب آئی وہ گدلی ، تھی صاف نہ تھی -

در دانش و بینش ز شہنشہ سخن آرم
کش دیدہ و دل مایہ‌دہِ یکدگر آمد

دل آئنہ و دیدہ بود جامِ جہاں بیں
ہنگامۂ اسکندر و جمشید سرآمد

نازم بہ سویداے دلش کایں ورقِ راز
مجموعۂ احکامِ قضا و قدر آمد

ہر کس کہ ز مشکیں نفسیہاے تو دم زد
چوں سایہ سوادِ ختنش بر اثر آمد

در رہ‌گزرِ مدحِ تو چندانکہ زدم گام
چوں سبزۂ رہ سطحِ فلک بے سپر آمد

با باد ز رخشِ تو سخن رفت و فروماند
با ابر ز ایثارِ تو گفتیم ، ترآمد

زاں روے کہ ماند بہ رخش راہ غلط شد
گر زخم بداندیش ترا بر سپر آمد

بدخواہِ ترا کش خطر از عالمِ بالا ست
چوں پرتوِ مہ سیل ز دیوار و در آمد

آنی کہ نئے کلکِ تو چوں خامۂ تقدیر
پرکارکشاے رقمِ خیر و شر آمد

نے نے ہمہ خیری تو و خیر است کہ در رزم
اقبالِ تو اعداے ترا جانِ شکرّ آمد

شر نیست جز امر عدمی کز رهِ هستی
خیرست دمِ خنجر اگر تیزتر آمد

زان رو که نه از زمرهٔ اربابِ ریائیم
در مدح و دعاے تو سخن مختصر آمد

گر خود همه یک روزه بود هستیِ کونین
خوش باش که عهدِ تو هم آن را سحر آمد

در خاتمه ورزم روشِ شرط و جزا نیز
کاین شیوه در آئینِ دعا معتبر آمد

تا نامزدِ صبح شناسند دمیدن
تا در صفتِ روز سرایند، برآمد

هر روز بدان جلوه برآئی که سرایند
خرشید به بیت‌الشرفِ خویش درآمد

******

۱۹

در مدحِ بہادر شاہ

یہ قصیدہ بھی بانکی پور یا رام پور کے مخطوطوں میں شامل نہیں ۔ کلیات میں اسے ''نوزدھمیں قصیدہ'' لکھا ہے ۔

دوش در عالمِ معنی کہ ز صورت بالا ست
عقلِ فعّال سراپردہ زد و بزم آرا ست

خواند از دیدہ‌وری دیدہ‌وراں را بہ بساط
تا بہ‌بینند کہ اسرارِ نہانی پیدا ست

رازِ ہفت اختر و نۂ چرخ پژوہند ایں جا
در دبستاں نتواں گفت کہ پرسش غوغاست

بر لبِ راز پژوہاں نہ‌سزد مہرِ سکوت
ساقیِ میکدۂ ہوش زبانِ گویا ست

دانش‌اندوز نباید کہ شکوہد ز سوال
رازہا غنچۂ نشگفتہ و گفتار صبا ست

زر پراگندہ و گنجور ترازو در دست
ما کہ شاہیم ز ما رخصتِ ایثار و عطا ست

چوں به دانش نتواں گشت توانگر بے ما
لاجرم هرکه گدائے درِ ما نیست گدا ست

رهروانے که به‌هنجار شناسا بودند
ناگه از خویش رسیدند که یارب چه صلاست

اندراں حلقه بدیں فتنه هزاهز[۱] روداد
وندراں زمره بدیں زمزمه غوغا برخاست

که نه‌داریم دریں دائره آهنگِ سماع
حاصلِ ما ز نی و چنگ همیں صوت و صداست

کیست تا جرعه‌کشِ بادۂ تحقیق شود
الحذر الحذر اے قوم که مے هوش ربا ست

ایں فریبنده سخنهاے شناسائی راز
نشناسیم که ما را سخن از برگ و نوا ست

چوں کس از همنفساں زخمه بر آں تار نه زد
منکه آزادیم انداز و رم از خویش ادا ست

رفتم آشفته و سرمست و پس از لابه[۲] و لاغ[۳]
گفتم اینک دل‌ودیں، گفت خوشت باد کجاست؟

گفتم اسرارِ نهانی ز تو پرسش دارم
گفت جز محرمیِ ذات که بے چون و چراست

---

۱ - هزاهز (دونوں ه مفتوح) بهگدڑ، افراتفری -

۲ - خوشامد ، چاپلوسی -

۳ - ظرافت و خوش طبعی -

گفتمش چیست جهاں؟ گفت سراپردۂ راز
گفتمش چیست سخن؟ گفت جگر گوشۂ ما ست

گفتم از کثرت و وحدت سخنے گوی به رمز؟
گفت موج و کف و گرداب همانا دریا ست

گفتم آیا چه بود کشمکشِ رد و قبول؟
گفت آه از سرِ ایں رشته که در دستِ قضا ست

گفتمش ذرّه به خرشید رسد؟ گفت محال
گفتمش کوششِ من در طلبش؟ گفت روا ست

گفتم آں خسروِ خوباں به سخن گوش نهد؟
گفت گر گوش نهد، زهرۂ گفتار کرا ست؟

گفتم از بالشِ پر چاره نه‌دارد سرِ من؟
گفت هر سر که چنین است سزاے سرِ پاست

گفتم از اهلِ فنا گر خبرے هست بگوی؟
گفت ایں قافله بے گردِ ره و بانگِ درا ست

گفتم از داغ چه خیزد که نهندم بر دل؟
گفت چوں درد گرانپاے شود داغ دواست

گفتم افسوس که کمتر دهدم داد سپهر؟
گفت خاموش که در داد نه گنجد کم و کاست

گفتم آں بیت که همواره سرائی از کیست؟
گفت غالب که هم از غالب آشفته نوا ست

گفتم از چیست که چون شمع گدازد نفسم
گفت اے جانِ پدر روشنیِ طبع بلاست

برہِ بیتِ شرف مہر چرا شد گفتم؟
گفت کاشانۂ سرہنگِ شہِ ہر دوسرا ست

بوظفر قبلۂ آفاق که در مسلکِ شوق
ہر که رو سوے تو دارد به جہاں قبله نماست

همه عالم عدم و ذاتِ تو برہانِ وجود
الفے بر سرِ لا چوں بەفزایند الا ست

مادرش کور کند ہر که بەزاید احول
بسکه در عہدِ تو فرجامِ دوبینی برخاست

سایه خود همرہِ شخص است و توئی سایۂ حق
سجده گر پیشِ تو آریم نه بیجا که بجا ست

سایه چوں لازمِ شخص است دو تا یعنی چه؟
نیست همتاے تو موجود که ایزد یکتا ست

بسکه از فیضِ تو بالید بہاراں بر خویش
موجِ گل دامِ گرفتاریِ مرغانِ ہوا ست

نشنوم صوتِ مزامیر و ضرور است سماع
لاجرم خامه به گلبانگِ غزل پردەسرا ست

گر همیں جوشِ بہار ست چه حاجت به صباست
که خود از تنگیِ جا پیرہنِ غنچه قبا ست

خاک را سبزه هر آئینه به گردون روکش
تاک را خوشه همانا به ثریا مانا ست

رنگِ گل بسکه فراهم شده در طبعِ نبات
رستنی گر همه برگ است وگر خار حنا ست

گل شمر گر به گلستان همه سنبل بینی
خون زگرمی چو زند جوش و به سوزد،سوداست

سایهٔ نخل فزون گشت سوادش در دهر
بسکه در روز بیفزود ز شب هر چه بکاست

گر فضایش شمری جمله پُر از گل نگری
آن تفاوت که در اندیشه ز گل تا به گیا ست

دمِ نظاره چو لبلاب[1] به‌پیچد به شجر
بسکه از فیضِ نمو تارِ نگه بهره ربا ست

نسبتِ نامیه با سبزه و گل خاص نه‌ماند
خود سخن ختم نه گردد اگر از نشوونما ست

صوفیان را شده قطعِ نظر از غیر محال
که نظر نیز رهینِ مددِ آب و هوا ست

در سرِ ذرهٔ هر خاک هوائے دگر ست
هان و هان سبزهٔ نوخیز مگر ظل هما ست

سخن از ظلِ هما رفت دگر یاد آمد
مدحِ شاهنشهِ والا که سزاوارِ ثنا ست

---

۱ - لبلاب : عشق پیچان -

آسماں پایه شها! چرخ‌بریں بارگها!
اے که روے تو هرآئینه نظرگاهِ خدا ست

جاں فشاندن به رهت زندهٔ جاویدم کرد
در صفِ صوفیه گویند بقا بعدِ فنا ست

بندهٔ ساده دلم بندگی آئینِ من است
از تو پرسش نه و از بنده پرستش به سزا ست

بر من از بختِ نکوهیده چه سنجم چه گزشت
بر من از چرخِ فرومایه چه گویم چه جفا ست

هرچه با شوق ملایم نه فتد مرگِ دل است
هرچه بر طبع گوارا نه بود جان فرسا ست

خانه از سیل بیفتد بود ار سیلِ بهار
آتش از آب به‌میرد خود اگر آبِ بقا ست

رنجِ ایں نشاء گرانپایے نباشد چندیں
بر من آں میرود امروز که گوئی فردا ست

خوں چکد خاصه ازاں دل که خراشے دارد
ورنه در سینه دلِ هر که به بینی درداست

بسکه گم گشت ز تاریکی و تنگی گویم
مگر آں کلبه که من داشتمے در صحرا ست

اینکه بینی و نه پرسی که چه خواهی سهل است
آه ازاں دم که نه بینی و به پرسی که کجاست؟

رشحه بر من بچکان ، بادهٔ گلرنگ بنوش
جرعه بر خاک فشاندن روشِ اهلِ صفا ست

اثرِ تربیتِ تست کمالم به سخن
زار مپسند بدین سحربیانی که مرا ست

فیضِ حق است قبولِ سخن و شادیِ فتح
به قلم نازم اگر تکیهٔ موسیٰ به عصا ست

همچو من شاعر و صوفی و نجومی و حکیم
نیست در دهر قلم مدعی و نکته گواست

ذوقِ مدحِ تو برآن داشته باشد کامروز
رگِ اندیشه زدم گرچه قمر در جوزاست

اینکه خور در حمل و مه به دو پیکر باشد
هست تسدیس و همایون نظر مهرفزا ست

باده با نیرِاعظم زده کیوان به حمل
هم‌نشینی به شهنشه ز کشاورز خطاست

زهره دیدم به حمل تن زدم از خبثِ زحل
بهرِ شه مطربه آورده نه دهقان تنها ست

قاضیِ چرخ که در خوشه بود واژون پوے
متحیر که چرا اوجِ دو بالش یکجا ست

چون فرود آمده مریخ به منزلگهِ ماه
کلبهٔ پیک طرب‌گاه سپهبد نه رواست

تاچه افتاده که در خانهٔ قاضی است دبیر
پرسشِ واقعهٔ هست اگر پرسی راست

گشته در دلو و اسد روے برو جاده نورد
ذنب و راس که از طالع و غارب پیدا ست

لوحش‌الله گہرافشانیِ نالِ قلمم
یارب آبشخورِ ایں ابر کداسی دریا ست

تا چه در راه فشانده است که از کثرتِ شوق
می‌رود خامهٔ من پیش ، ولے رو به قفاست

نیست در رهروی از سایه و سرچشمه گزیر
خامه رهرو بود و سایه و سرچشمه دعا ست

تا قضا نسخهٔ اجمالیِ آثارِ قدر
تا قدر صورتِ تفصیلیِ احکامِ قضا ست

مجملاً مهبطِ انوارِ الٰهی باشی
کانچه خواهند ازیں جمله مفصل پیدا ست

*****

۲۰

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کی صحیح تاریخ متعین کرنے کا بظاہر کوئی ذریعہ نہیں ۔ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ عیدالفطر کے موقع پر کہا گیا ، جیسا کہ ساتویں اور آٹھویں شعر سے واضح ہے ۔

عید است و نشاط و طرب و زمزمه عام است
مے نوش گنه بر من اگر باده حرام است

باد از جهتِ بزمِ شه آید مگر امروز
کز بوے گل و باده فرح‌بخش مشام است

بر وعدهٔ فردا چه نهم دل که ز دیروز
در حلقهٔ میم و شکن طرهٔ لام است

طوبیٰ همه نخلے است که از جاے نه جنبد
اینجا سخن از ساقیِ طاؤس خرام است

پیدا ست که ساقی که بود دیرِ مغان را
هرچند من از رشک نه گویم که چه نام است

زلفش نگر آنگه به سنِ شیفته بنمائے
گر سنبلِ فردوس چنیں غالیه‌فام است

دی نوبتیِ[۱] شاه گهِ شام دهل[۲] کوفت
کامشب به جہاں خاتمهٔ ماهِ صیام است

گوئی رمضاں رفت به شبگیر و دریں راه
منزلگه دیروز هماں سرحدِ شام است

از فرخیِ عید و تماشائے مهِ عید
در نغمه سرائی است اگر خود لبِ بام است

گر خلق به انگشت نمایند مهِ نو
مارا به کف از ساغرِ مے ماهِ تمام است

هر شب غم آں بود که چوں صبح زند دم
بر خاک بریزیم اگر آب به جام است

امشب چه غم از صبح که در انجمنِ ما
افطار به گلبانگ مے آشامیِ شام است

عید است و صلائے خور و نوش ست جہاں را
مے روزه نباشد که دریں روز حرام است

از روزه اگر کوفته‌ای باده دوا گیر
ایں مسئله حل گشت ز ساقی که امام است

---

۱ ۔ نوبت بجانے والا ۔

۲ ۔ ڈھول ۔ نقاره ۔

مے نوش و میندیش و مکن شرم کہ در شہر
میخوارہ بود حاکم و واعظ ز عوام است

گر واعظِ دل‌مردہ سفید است ردایش
خود لوحِ مزارے است کہ از سنگِ رخام[۱] است

لب تشنگیِ بادۂ گلرنگ نہ‌دانست
آں خواجہ کہ امروز در ایثارِ طعام است

خود وجہِ مے از قیمتِ حلوا نہ بود بیش
آلاتِ سفالینہ[۲] بہایش دو سہ دام است

آہنگِ تو در زمزمہِ دل می‌برد از کف
ہیں مطربِ مرغولہ‌نوا اینچہ مقام[۳] است؟

ہاں ہمدمِ دیرینہ کہ غمخوارِ من استی؟
رو بادہ بہ چنگ آر اگر خود ہمہ وام[۴] است

وام ار نتواں خرقہ و سجادہ گرو کن
لیکن زمئے پختہ بہ آں بادہ کہ خام است

آں بادہ کہ از رائحہ قوتِ دل و جان است
آں بادہ کہ از ذائقہ سودِ لب و کام است

---

۱ - سنگ رخام : سفید پتھر ، اول درجے کا سنگ مرمر -

۲ - مٹی کے ظروف -

۳ - اصطلاح موسیقی میں ''مقام'' پردۂ سرود کو کہتے ہیں اور یہ پردے بارہ ہیں -

۴ - وام بہ معنی قرض ، ادھار -

امید که چوں بندہ تنکمایہ نہ باشی
بے خوردنِ ہر روزہ ز عاداتِ کرام است

ہشدار کہ در مستی اگر پاے نہ‌لغزد
زیں زاویہ تا میکدہ میداں دو سہ گام است

گیرم کہ نشاط آمدہ چوں مرغ بہ پرواز
آخر نہ تو صیاد و قدح حلقۂ دام است

در دائرۂ دورِ قدح دیر نہ‌گنجد
ساقی‌گری آوردنِ جام از پئے جام است

چوں بیخودیم روے دہد یک قدح از مے
در جیب فروریز کہ ایں حقِ مسام است

گویند کہ گردوں دگر آرد رمضاں را
تا یازدہ مہ خود سخن از شربِ مدام است

آرے ز عطاے شہِ جم کوکبہ ما را
نعمت بہ کمال است و تنعم بہ دوام است

سلطانِ فلک رخش، بہادر شہِ غازی
کش ابلقِ[۱] ایام دریں دائرہ رام است

گردندہ فلک بنگر و خورشیدِ درخشاں
شہ رایضِ ایں توسنِ زرینہ ستام[۲] است

۱ - ابلق دو رنگے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے بعض حصے سیاہ اور بعض سفید ہوں - یہاں ایام یعنی زمانے کو ابلق اس لیے کہا کہ اس میں راتیں بھی ہیں اور دن بھی -

۲ - گھوڑے کا ساز و یراق -

عید است و دمِ صبح و بود انجمن‌آرائے
شاہے کہ درش قبلۂ جمہور انام است

عام است زمیں‌بوسِ شہنشاہ دریں روز
از بندہ سوے قیصر و فغفور[1] پیام است

والا خلفِ شاہ‌جہاں بین و شکوہش
از شوکتِ محمود چہ گوئی کہ غلام است

اے شاہِ سخنور کہ بہ‌احیاے معانی
کارِ سخن از معجزِ نطقِ تو بہ کام است

ایماں بہ دل‌آویزیِ گفتارِ تو داریم
ما را چہ اگر نظمِ نظامی بہ نظام است

با منظرِ اقبالِ تو اوجے است کہ آں را
از سبزۂ گردوں خطِ پشتِ لبِ بام است

تا فرق تواں کرد خدا را ز خداوند
در پیشِ شہ از ما عوضِ سجدہ سلام است

با ساغرِ شہ ساغرِ خرشید سفال است
با خنجرِ شہ خنجرِ مریخ نیام است

---

۱ - جس طرح قیصر رومی بادشاہوں کا لقب تھا، خواہ وہ مغربی تھے یا مشرقی، یعنی ان کا مرکز روما تھا یا قسطنطنیہ، اسی طرح چین کے بادشاہوں کا عام لقب فغفور تھا جس کی اصل ''فغپور'' (پوربت یا بت کا بیٹا) بتائی جاتی ہے -

در بزم ندیمِ تو اگر تور[۱] و پشنگ[۲] است
در رزم زبونِ تو اگر رستم و سام است

بدخواهِ تو در بدروشی عاد معاد[۳] است
سرهنگِ تو در تیغ زنی سام حسام[۴] است

دریوزهٔ سیم و زر و لعل و گهرم نیست
گفتارِ مرا جایزه تحسینِ کلام است

غالب چه زند دم ز دعا کز تو خود او را
توقیعِ ثناخوانی و اقبال مدام است

دور است همی چشمِ بد از روے تو وانگاه
ایں نامه که زد خامه رقم زخم پنام[۵] است

---

۱ - تور : فریدوں کا بیٹا -

۲ - پشنگ : افراسیاب کا باپ -

۳ - معاد : بازگشت کا مقام، لوٹنے کی جگہ یعنی عالم آخرت - عاد معاد کا مطلب ہے، عاد کے سے انجام والا -

۴ - حسام : تلوار -

۵ - پنام : نظر بد سے بچاؤ کا تعویذ - مطلب یہ کہ اے بادشاہ آپ سے چشم بد دور رہے اور میں نے جو قصیدہ کہا یہ بجاے خود چشم بد کے زخم سے محفوظ رہنے کا تعویذ ہے -

۲۱

در مدحِ بهادر شاہ

اس قصیدے کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ عیداضحیٰ کے موقع پر پیش ہوا، کیونکہ میرزا نے خود چونتیسویں شعر میں کہا ہے کہ:

بہانہ ساختہ ام رسم عیداضحیٰ را

لیکن کس سال کی عیداضحیٰ؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دمے کہ گشت نوامندیِ تماشا را
سپیدۂ سحری غازہ روے دنیا را

بہ دلکشائیِ رفتارِ زخمہ، مطربِ بزم
کشود راہ بروں شد ز ساز آوا را

فروختیم متاعِ سخن بدیں فریاد
کہ مژدہ باد شناسندگانِ کالا را

ز اجرِ بندگیِ بت گزشتم، آں خواہم
کہ نشنوم ز رقیبانِ دیر غوغا را

چرا بود که سکندر رود به تاریکی
فشرده‌ام به خرابات لاے پالا را

قرارداد چنیں بوده است، پندارم
که روزِ خوش نه‌نمایند چشمِ بینا را

عیارِ کعبه رواں تا به تشنگی گیرند
نه داده‌اند دراں دشت راه دریا را

درآ به کلبهٔ ویرانِ ما که پنداری
ز شش جهت بهم آورده‌ایم صحرا را

ز سرنوشت جدا نیست نامهٔ اعمال
طرازِ صورتِ دی بوده است فردا را

به عهدِ خویش سگالم هلاکِ هفت سپهر
به من دهند مگر کاروبارِ آبا را

به دزدی آمده هندوے غم به کعبهٔ دل
که بر کند حَجَرُالاَسْوَدِ سویدا را

هزار دوزخِ سوزنده در قفا مانده است
همی برد به ستم تا کجا برد ما را

ز رازِ اختر و گردوں چه دم زنی که هنوز
همی ز هم نه‌شناسی ستان۱ و دروا۲ را

---

۱ - ستان: چت لیٹا ہوا -

۲ - دروا: الٹا لٹکا ہوا -

برو مصوری آموز تا چو کار کنی
دراں میاں نگری روے کارفرما را

ز دست رفته عنانم به عالمے که دران
به رشته ریش کند طفل پاے عنقا را

خمے ز باده مرا بود از عزیزاں پرس
که ریختند پس از من به خاک صهبا را

نه خوں چکیده ز ریش و نه بوده دیده ز پیش
ز چاکِ سینه چه ارزش فزود خرما را

تو اے که چوں به عدو طرحِ آشتی فگنی
به من درافتی و پرسی طریقِ حلوا را

بحقِ تلخیِ زهرابِ غم که نوشم باد
ز بوسه بر لبِ من ریز من[۱] و سلوی[۲] را

بهاے دل نشماری فزوں ز نیم نگاه
مگر فروخته باشم متاعِ یغما را

---

۱ - جزیره نماے سینا میں نیز آس پاس ایسے درخت ہیں جن کے پتوں اور شاخوں پر سفید رنگ کی رطوبت جم جاتی ہے اور وہ شیریں ہوتی ہے - بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے تو جزیره نماے سینا میں ان کے لیے قدرت کی طرف سے جو غذائیں مہیا کی گئیں ان میں سے ایک "من" بھی تھی - بعد ازاں اس سے حلوا بنانے لگے جو نہایت لذیذ و مقوی ہوتا ہے -

۲ - بٹیر کی وضع کا ایک پرندہ جس کا گوشت بہت مزیدار ہوتا ہے - یہ دوسری بڑی غذا تھی جو بنی اسرائیل کے اوائل ہجرت میں قدرت نے مہیا کر دی -

دمیکه ولولهٔ رستخیز انگیزد
ز خواب‌گاهِ لحد طفل و پیر و برنا را

ق

رواں درائی و در عذرِ آں ادائے خرام
بحل کنند ستمہائے بے‌محابا را

فزاید آں همه جرأت به وانموده نظیر
که اهلِ حشر شفاعت کنند لیلیٰ را

وگر به جائزه آں طرهٔ خم اندر خم
نهند در کفِ شوقم نه زلفِ حورا را

بساطِ عیش ز جنت برم به پایهٔ عرش
به بیخودی نشناسم ز سدره طوبیٰ را

تو مہر پیشه، ولے بندِ غم نه آغوش است
چراست کاینهمه درهم فشردہ‌ای ما را

و گر زبانه دمے نامد از عدم به وجود
چه روے داد روانہائے ناشکیبا را

به جلوه‌گاهِ شهود آمدم چرا تنها
مگر نیافته‌باشم به غیب همتا را

دگر بود ز چه ناید نه اندریں محفل
شکسته‌ایم به روے بساط مینا را

نه گفته‌ام که مکن قبلهٔ دعا از نور
ولے چه سود پراگنده کردن اجزا را

مشو ستاره پرستار، کافتابی هست
فروگرفته فروغش نهان و پیدا را

بدان که از رهِ صورت نه از رهِ معنی است
زهم جداست اگر قبله گبر و ترسا را

مراست قبلهٔ حاجات و کعبهٔ اعمال
یگانهٔ که به بزمش کشوده‌ام جا را

روم به گرد سرش گردم ارچه بے ادبی است
بهانه ساخته‌ام رسمِ عیدِ اضحیٰ را

مگو که گردِ سرِ بادشاه گردیدن
نه درخور است جز آں چترِ آسماں سا را

به کعبه رشک برم زاں که در دلم گزرد
که کعبه داشته باشد خود ایں تمنا را

ز من به پرس هر آئینه کاں جهانباں کیست
مباد نام بری کیقباد و دارا را

فروغِ اخترِ دنیا و دیں بهادر شاه
که اختراں به‌درش سوده‌اند سیما را

جهانِ دانش و بینش که در جهانداری
فزوده فره و فرهنگ لفظ و معنیٰ را

ز دیر یاز تماشائیانِ خیره‌نگاه
گزیده‌اند غلط‌هاے راست‌مانا را

قضا دریچهٔ مینو کشوده در نی بست
هوائے کاخ مصور بود زلیخا را

رخِ مخدّرهٔ[۱] دیں نه‌دیده در مستی
کشیده‌اند در آغوش زالِ دنیا را

طرازِ کسوتِ نام‌آوری شناخته‌اند
لوائے و مسند و تاج و نگین و تمغا را

خدایگانِ سلاطیں به‌شیوهٔ تحقیق
گسست بندِ روشهائے ناشناسا را

به رغمِ تختِ سلیماں که بر هوا می‌رفت
بروئے آب همی‌گسترد مصلا را

به عکسِ خاتمِ جم کاهرمن ربود از وے
همی‌نهد به نگیں‌خانه چشمِ بینا را

بهائے خاکِ درش می‌دهند آبِ حیات
بران سریم که برهم زنیم سودا را

ز نظمِ شاه چه گوئی مگر فرود آری
پئے مثال ز اوجِ فلک ثریا را

ز شاه معجزه آں دم طلب که در جنبش
به گاهواره سخنگو کند مسیحا را

نه در بهار که گر در خزاں سحرگاہے
به فرض سوئے گلستاں رود تماشا را

---

۱ - پرده نشیں خاتون - ''خدر'' به معنی پرده -

به یمنِ مقدمِ خاقان به صحنِ باغِ نبات
برد ز نامیه از بسکه قسطِ اوفیٰ را

خورد به چرخ سرش ناگهان اگر فراش
فرازِ سبزه نهد تکیه‌گاهِ دیبا را

دمِ افاده ز حکمت چنان سخن راند
که بنگرند ز صورت جدا هیولیٰ را

نه از مشاهده مانا که از شنیدنِ اسم
نشان دهد که چه در دل بود مسمیٰ را

زہے ز روے شناساوری شناساگر
رموزِ تفرقه و جمع و لا و الا را

چو بحر و موجه و گرداب در نظر دارد
شهودِ ذات و صفات و شیون و اسما را

روا بود که در اندیشه انحصار کند
تجلیاتِ کمالاتِ حق‌تعالیٰ را

شدم خموش دگر لب چه می‌گزی غالب
من آن نیم که نه‌فهمیده باشم ایما را

گریزگاه جز این جاده رهگزار نه‌داشت
گزر به منطقِ صوفی فتاد انشا را

نشاط ورزم از انجامشِ ثنا به دعا
بدین پیاله کشم بادۂ تولا را

وجود تا نبود جز به چشم بینش را
نمود تا نبود جز به لفظ معنیٰ را

به دهر صورتِ پیوند لفظ و معنی باد
طرازِ نامِ شهنشاه و طرزِ طغرا را

ز روے ضابطهٔ مدت آں بود یک روز
سنینِ عمرِ شهنشاهِ عالم‌آرا را

که سعی سیرِ ثوابت به حسب راے حکیم
درآورد به نشاں گاه ثورِ جوزا را

*****

۲۲

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کی تاریخ بھی نہیں مل سکی - تاہم اس میں شبہ نہیں کہ یہ بھی نوروز کے موقع پر کہا گیا جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے:

صبحے بہ فرخ انجمن شہریار یافت
از بہر کارسازی نوروز بار باد

دیگر بداں ادا کہ وزد در بہار باد
دارد بہ پویہ کلکِ مرا بیقرار باد

وقت است کز تراوشِ شبنم ز جوشِ سبزہ
گوہرفشاں شود بسرِ سبزہ‌زار باد

وقت است کز شگرفیِ آثارِ نامیہ
بندد حنا ز لالہ بہ دستِ چنار باد

وقت است کاورد زرہ آوردِ نوبہار
بے جام و آبگینہ مئے بے خمار باد

با محتسب بگوی که مستے گناہ نیست
زیں پس بجاے بادہ خورد بادہ‌خوار باد[1]

گنجِ روانِ باد کند ناپدید خاک
رازِ نہانِ خاک کند آشکار باد

بود از گہر بہ بطنِ صدف نقشبند ابر
گشت از شفق بر اوجِ ہوا لالہ کار باد

از تنگ ورزیِ گل و نسریں کہ باہم است
در رہروی خورد بہ خیاباں فشار باد

سوسن کشیدہ خنجر و سنبل نہادہ دام
نشگفت کز میانہ رود بر کنار باد

گل بیں کہ خست در گزرِ باد و ہم چناں
خندد بہ عشوہ تا نہ شود شرمسار باد

رفت آنکہ پوی پوی بہ ہر سو ز خاکِ راہ
انگیختے غبار بہ‌نیروے کار باد

بینی کہ سبزہ زار ہمی بر ہوا رود
انگیزد از بسیطِ زمیں گر غبار باد

از گونہ‌گوں شقائق و از رنگ رنگ گل
زد نقشہاے بوقلموں صد ہزار باد

سنبل چرا ز غصہ نہ‌پیچد بہ خویشتن
کش جز بہ سبزگی نہ نہد در شمار باد

---

۱ - یہ وہی مضمون ہے جو اردو کے اس شعر میں باندھا ہے :

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر   بادہ‌نوشی ہے بادپیمائی

در باغ و راغ بهرِ نمودِ شکوهِ خویش
دارد هوائے پرورشِ برگ و بار باد

فرجامِ شادیِ خود از انبوهیِ نهال
بیند دمے که بگزرد از شاخسار باد

صبر از نهادِ خاک بدر برد نوبهار
تا رشک بر زمیں نه برد زینهار باد

زیں بعد رنگ را نتواند نهفت خاک
زانساں که بوے را نبود رازدار باد

بنگر قماشِ سبزه که بافد ردائے خضر
بے آنکه پود را بهم آرد به تار باد

با آب در سپارشِ گل شد سخن دراز
هر لمحه هرزه نگزرد از جویبار باد

با عطر پیرهن نه‌گراید ز بوے گل
عشاق را نه‌مانده دگر غمگسار باد

تا سرو سنج سنجد و گل پیرهن درد
رقص از تدرو جست و سرود از هزار باد

نے باد بلکه خود دمِ جاں بخشِ عیسوی است
نامش نهاده‌اند دریں روزگار باد

زاں رو که چار سوے جهاں را فرو گرفت
ماند به پرچمِ علمِ شهریار باد

سلطاں ابو ظفر کہ ز بیمِ سیاستش
خم خوردہ از چراغ سرِ رهگزار باد

خرشید فردِ دفتر آثارِ رائے اوست
اینک ربودہ این ورقِ زرنگار باد

در بزم‌گه نهادہ بہ فرقش نسیم ، گل
در رزم جا فتادہ ز تیغش فگار باد

باد است رخشِ شہ کہ دهد خاک مال خصم
آساں ز قومِ عاد برآرد دمار باد

با بادپائے شاہ گر از روئے داوری
در رہ نهد نشان و درآید بکار باد

تازد بداں شتاب کہ در بازگشتِ وے
گردد هماں بہ گامِ نخستیں دوچار باد

نازم بداں همائے همایوں‌اثر کہ هست
در کارزار آتش و در خارزار باد

در رہ‌گزارِ فوج نگر گردِ باد را
کز بیمِ ترکتاز خزد در حصار باد

افتادہ گر بہ طرۂ گردِ رهش گرہ
گردید شانہ‌وش همہ تن خار خار باد

صبحے بہ فرخ انجمنِ شهریار یافت
از بهرِ کارسازیِ نوروز بار باد

افشاند لاله و گل و ریحان در انجمن
کز دیر باز بود دریں انتظار باد

پیغاره چیست گر نه به آئیں فشانده شد
کاورده عذرخواه کفِ رعشه‌دار باد

در عرض رنگ و بوے ریاحین بهار را
باشد به پیشگاهِ چمن پیشکار باد

در مدحِ شه روالیِ طبعم، نه بادِ صبح
ماند به‌شرط آنکه بود مشکبار باد

در بزم‌گاهِ نظم ز دودِ چراغِ من
یابد شمیم نافهٔ مشکِ تتار باد

از جنبشِ قلم به کمیں‌گاهِ فکرِ من
باشد فرشته‌صید و سلیمان‌شکار باد

از بختِ تیره، طبعِ روانِ مرا چه بیم
خوش بگزرد ز خلوتِ شبهاے تار باد

بیروں ز مقتضاے طبیعت کرشمه ایست
دانی که از چه می‌وزدم بر مزار باد

خواهد که بهرِ سرمهٔ چشمِ سخنوراں
خاک مرا برد به صفاهاں دیار باد

راند سخن گر از نفسِ گرمِ من به باغ
در رختِ خوابِ غنچه فشاند شرار باد

با من حدیثِ هم‌نفسان ترهات گیر
و ز رفتگان اگر رود آن را شمار باد

خود را طفیلِ شاه ستایم که بهرِ گل
بندد طرازِ نامیه بر جیبِ خار باد

گفتی که حقِ مدح ز غالب ادا نشد
در موقفِ دعا نفسم حق‌گزار باد

دولت به کارگاهِ بقا زد دم از دوام
یارب بقاے خسروِ فرخ‌تبار باد

با شهریار عهدِوفا بست روزگار
یارب بناے عهدِوفا استوار باد

نامش که محضرِ ملکی را فزوده ارج
در منطقِ ملوک خداوندگار باد

گیهان‌خدیو را به سریرِ شهنشهی
پیوسته تکیه بر کرمِ کردگار باد

*****

۲۳

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کی صحیح اور معین تاریخ معلوم نہ ہو سکی، لیکن یہ عید کے موقع پر پیش کیا گیا، جیسا کہ اشعار سے ظاہر ہے۔

ما همانیم و سیه‌مستیِ هر روزه همان
نه شبِ جمعه شناسیم، نه ماهِ رمضان

مستیم را نه‌بود مطرب و ساقی درکار
مستیم را نه‌بود نغمه و صهبا سامان

مستیم را نه‌بود نامه سیاهی فرجام
مستیم را نه‌بود باده‌پرستی عنوان

مستم اما نه ازان باده که آید ز فرنگ
مستم اما نه ازان باده که سازند مغان

مستم اما نه ازان باده که در سنگ انداز[۱]
به نے و چنگ خورند آخرِ ماهِ شعبان

---

۱ - سنگ انداز: وہ جشن و عشرت جو بادہ‌نوش اواخر ماہ شعبان میں کرتے ہیں کیونکہ رمضان شریف کے آغاز میں شراب خانے بند ہو جاتے تھے اور شراب نوشی کے اسباب اٹھا دیے جاتے تھے۔

للّٰہ الشکر که در ساغرِ من ریخته‌اند
مئے بیرنگ ز میخانۂ بے نام و نشان

زده ام جام به بزمے که دران بزمگه است
ساقی، اندیشه و مینا، دل و راوق، عرفان

مے چنان نیست که خیزی و به خاکش ریزی
شیشه بشکن که من از دوست نه خواهم تاوان

خونِ من باد هدر باده فرو ریزد اگر
صدره این شیشه ز مستی زده‌ام بر سندان[۱]

مستِ پیمانۂ پیمانِ الستم، بگزار
منکه مستم چه شناسم که چه بستم پیمان

لاجرم صرفه دران است که در بے خبری
گزرد سال و مه و روز و شبِ من یکسان

هم درین فصل که مستانه سخن مے گزرد
نکتۂ چند سرایم ز وجوب و امکان

صورِ کون نقوش است و هیولیٰ صفحه
صفحه عنقا ست چه گوئی ز نقوشِ الوان

هستیِ محض تغیر نه‌پزیرد زنہار
حرف "آلان کماکان" ازیں صفحه بخوان

---

۱ - سندان: اهرن یعنی وہ بھاری آهنیں آله جس پر لوها رکھ کر کوٹتے ہیں -

هم چناں در تتقِ [۱] غیب ثبوتے دارند
بہ وجودے کہ ندارند ز خارج اعیاں

نتواں گفت کہ عین است، چرا نتواں گفت
صورِ علمیہ کز علم نیاید بہ عیاں

پرتو و لمعہ ندانی کہ بود جز خرشید
سوج و گرداب نہ سنجی کہ بود جز عماں

عالم از ذات جدا نبود و نبود جز ذات
ہم‌چو رازے کہ بود در دلِ فرزانہ نہاں

صبحگاہے کہ گزر سوے چمن بود و ز دور
می‌زدم بر گلِ نشگفتۂ معنی دستاں

ناگہ آں آفتِ نظارہ و غارت گرِ ہوش
کہ غزالے است سخنگوے و نہالے است رواں

آمد آشفتہ و سرمست بداں پویہ کہ پاے
تاب خوردے ز سرِ طرہ و طرفِ داماں

خار خارِ غمِ صورت خسکم ریخت بہ جیب
بودمے کاش ز پیراہنِ صورت عریاں

گفتم اے حوصلہ پرداز کیاں‌پایہ ملوک
گفتم اے خانہ براندازِ مغاں شیوہ بتاں

---

۱ - تتق : سراپردہ (دونوں ت مضموم ہیں) یہی وہ شعر ہے جس کے متعلق خواجہ حالی یادگار میں فرماتے ہیں کہ میرزا نے ''در تتق غیب نمودی'' لکھا تھا - مولانا فضل حق خیر آبادی کے کہنے پر ''نمودے'' کی جگہ ''ثبوتے'' بنایا -

آمدی سوے من از مہر که عید است امروز
عیدِ قربانِ کسے کش شده‌باشی مہماں

بیخودم لیک دو صد پرده سرودن دارم
به مقامے که سخن گویم و جوئی برهاں

خلق را کرده سراسیمه هواخواهیِ عید
جز هوا و هوس از عید چه خواهد ناداں

عید را عشرتِ خاص است ور از من پرسی
گویم البته نه راز ست که گفتن نتواں

عشرتِ عید نه آن است که هم چوں زهاد
شیر و خرما بهم آری پئے آرایشِ جاں

عشرتِ عید نه آن است که هم‌چوں اطفال
جامه در بر کنی از توزی۱ و دیبا و کتاں

عشرتِ عید نه آن است که در بزمِ نشاط
ریزی آں مایه گل و لاله که گردی پنہاں

عشرتِ عید نه آن است که از بادهٔ ناب
به سرِ دخمهٔ۲ پرویز شوی جرعه‌فشاں

عشرتِ عید نه آن است که بالد مهِ نو
از خمِ دستِ تو در گردنِ هر پیر و جواں

---

۱ - نہایت عمدہ قسم کا ایک کپڑا جو شہر توز سے منسوب ہے -

۲ - دخمہ: وہ تہ خانہ جس میں آتش‌پرست اپنے مردے رکھتے ہیں -

عشرتِ عید نہ آن است کہ بانگِ دف و سنج
خیزد آں مایہ کہ در لرزہ درآید سیداں

عشرتِ عید نہ آن است کہ گردِ سمِ رخش
سرمۂ دیدۂ خرشید شود در جولاں

عشرتِ عید کسے راست کہ چوں صبح دمد
دیدہ مالد بہ کفِ پائے خدیوِ گیہاں

عشرتِ عید کسے راست کہ چوں حرف زند
لب بہ تحسینِ وے از سہر کشاید خاقاں

آں توئی خسروِ روشن دل و فرزانہ ستائے
ایں منم **غالب** فرزانۂ اعجاز بیاں

من سخن گوی عطارد دمِ ناہید نشید
تو جہاں جوی قمر مجمرِ[۱] کیواں ایواں

از تو باید کہ فزائی نفسم را نیرو
از من آید کہ دمم در تنِ اندیشہ رواں

تیزیِ فکرِ من از تست ز گردوں چہ خطر؟
سختیِ دھر شود تیغِ مرا سنگِ فساں[۲]

---

۱ - مجمر : وہ ظرف جس میں آگ رکھ کر عود اور لوبان سلگاتے ہیں -

۲ - یہ بالکل درست ہے - میرزا غالب کے محض قصیدے پڑھ لینے سے اس حقیقت کے ثبوت پے در پے مل جاتے ہیں - اگر ان کی زندگی امن و راحت سے گزرتی تو خدا جانے اس حالت میں کچھ کہتے تو وہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے کیسا ھوتا - لیکن زمانے کی بے دردی اور روزگار کی جوہر ناشناسی کی مضراب نے ان کے ساز شعر سے جو ترانے نکلوائے ، وہ اپنی مثال آپ ہیں -

از لبم مصرعِ برجسته برآید در وجد
به ادائے که رود تیرِ تو بیروں ز کماں

ایں جنوبی و شمالی چه نماید گردوں
ویں ریاحین و شقایق چه ستاید رضواں

نه بسے نقش دل‌آویز کشیدم زاں دست
نه بسے پردۂ نیرنگ کشودم زینساں

به سخن زندۂ جاوید شدم، داد آن است
کایں سوادے‌است که در وے‌بود از مرگ اماں

دمبدم گردِ دلم گردد و پروا نه‌کنم
بوعلی را نگزشت آنچه ز دانش به گماں

ایں چه موج است که از خونِ جگر می خیزد
هاں و هاں اے دلِ آشفتۂ سودازده ، هاں

در ثناگستریِ شاه نه از بے ادبی است
که سخنور سخنِ خویشتن آرد به‌میاں

توسنِ طبعِ رواں دم ز حرونی۱ زده‌بود
رائضش۲ از رهِ ناراست به‌پیچید عناں

مطلعِ تازه بداں آب طرازم در مدح
که تو دانی که فرو می‌چکد انجم ز زباں

---

۱ - حرون : سرکش گھوڑا - حرونی: گھوڑے کی سرکشی و منہ زوری -

۲ - رائض : گھوڑا سدھانے والا ، چابک سوار -

پرورد تا هنرش عرضه شود بر سلطاں
ورنه خرشید چه خواهد ز جگرگوشهٔ کاں

آں بہادر شه خورجلوهٔ کیواں‌پایه
آں بہادر شہِ مه رایت مریخ سناں

آنکه از سطوتِ وے رعشه دود بر اجرام
آنکه از هیبتِ وے لرزه فتد در ارکاں

آں عدوکُش که بیک چوبه۱ دو جا ریش کند
می‌جهد بسکه جداگانه ز تیرش پیکاں

زندگی دشمنِ شه را ست ز اسبابِ هلاک
چه فسادش که به خوں نیست ز شیرینیِ جاں

نیست اندیشه ز خوں‌گرمیِ دشمن که دلش
می‌خورد لطمه ز خونے که دود در شریاں

حکمِ شه راست بر آفاق روانی و رواست
چرخِ گرداں چه کند گر نه‌پزیرد فرماں

نتواں گفت که امضاش۲ علی‌الرغمِ قضاست
خود قضا با خودش انباز کند در جریاں

گردشِ چرخ به پیشِ دُمِ رخشش دمِ سیر
نیک ماناست به غلطیدنِ گوی از چوگاں

---

۱ - کئی معنوں میں سے ایک معنی تیر و خدنگ کے بھی ہیں -

۲ - امضا : اجراء حکم -

در رهِ مدح فروماندهتر از خویشتنم
خامشم من ز من اندیشه و از خامه زبان

به زبانے که دو نیم ست بسانِ دلِ من
بینوایانه نئے خامه برآورد فغان

که گر از حوصلهٔ خلق نشان باید داد
میتوان گفت سکندر درِ دارا دربان

پایهٔ شاه هرآئینه بلند ست بلند
این نه مدحے است که اندیشه کند ناز بدان

ور به اندازهٔ بایست سخن باید راند
نهپزیرد شهِ والا نه پسندد یزدان

چون فروماندگیِ کلکِ سبکرو دیدم
بارِ غم بر دلِ بےحوصله گردید گران

باز بیهوشیِ دیرینه به یادم آمد
رفتم از خویش که بر خویش کنم کار آسان

سخن از بزم خوش آن است که بیرون نه رود
به شه آوردهام از روے ارادت ایمان

رفت بر من ستم از من که زدم گام فراخ
از رهِ دادگری دادِ من از من بستان

میکشم نقشِ دعا ور تو وفا میطلبی
ورق از کف نه و از ناصیهٔ من میخوان

در وفا عهدِ من آن است که باشم یکرنگ
و ز دعا کامِ من آن است که باشی چندان

که خود از عمرِ تو تا روزِ قیامت گزرد
آن قدر عرصه که در آب نشیند پنگان

*****

۲۴

در مدحِ بہادر شاہ

مولانا عرشی رام پوری کا بیان ہے کہ یہ قصیدہ ''دہلی اردو اخبار'' مورخہ ۲۳ جمادی‌الاخریٰ ۱۲۶۹ھ/۳ اپریل ۱۸۵۳ء کے ضمیمے میں شائع ہوا اور اس کا عنوان تھا :

''قصیدہ تہنیت عیدالاضحیٰ تصنیف نجم‌الدولہ محمد اسداللہ خاں بہادر غالب''

اگر دہلی اردو اخبار کا یہ بیان درست مان لیا جائے، جو مطبع سلطانی کے چھاپے ہوئے اشعار پر مبنی ہے، تو یہ قصیدہ ۱۲۶۸ھ کی عیدالاضحیٰ (جو ۲۵ ستمبر ۱۸۵۲ء کو ہوئی ہوگی) پر پڑھا گیا، لیکن تعجب ہے کہ اسے کم و بیش چھ مہینے بعد شائع کیا گیا۔

یہ ستتر (۷۷) شعر کا قصیدہ ہے جو میرزا کی قادرالکلامی کے روشن شواہد میں سے ایک ہے۔ اور عرفی کے اس قصیدے پر لکھا گیا، جو اس نے میر ابوالفتح گیلانی کی مدح میں کہا تھا۔

داد کو تا ستم براندازد　　طرحِ نُه چرخ دیگر اندازد

در رگِ سازِ من نوائے ہست　　کہ بہ مرغولہ اخگر اندازد

زیں نوائے شررفشاں ترسم　　کاتش اندر نواگر اندازد

سرگزشتے است بر زباں کہ زباں　　بر من از خویش خنجر اندازد
بامداداں کہ آسماں خواہد　　کاھرمن را ز پا دراندازد
لمعۂ مہر در رگِ جانش　　خلۂ نوک نشتر اندازد
تا ز چستی بہ سبحثِ کشتن　　نونِ مصدر ز مصدر اندازد
تیرہ خونش برد ھوا چوں دود　　نہ بریں سطحِ اغبر[۱] اندازد
زنگباری زنے بہ ماتم دیو　　از رخِ زشت چادر اندازد
وانگہ از زیرِ گوشۂ چادر　　گوھر آسود معجر[۲] اندازد
گوھر آسا پرند در پیچد　　از بر و دوش گوھر اندازد
کچہ[۳] و یارہ[۴] گہ فرو فگند　　گاہ خلخال[۵] و پرگر[۶] اندازد

ق

رھروانِ لوامعِ[۷] سحری　　ھرچہ خاتوں ز زیور اندازد
بہ‌ربایند و نا پدید کنند　　خود فلک طرحِ دیگر اندازد
ناگرفت[۸] آں بساط برچینند　　نا گزیر آں بنا براندازد

---

۱ - اغبر بہ معنی گرد آلود - خاکی رنگ - سطح اغبر سے مراد ہے زمین -

۲ - معجر : عورتوں کا روپوش - نیز اوڑھنی ، دوپٹا -

۳ - کچہ : چھلاّ -

۴ - یارہ : کڑا یعنی بازو میں پہننے کا زیور -

۵ - خلخال : جھانجھن یا پائل ، یعنی پاؤں میں پہننے کا زیور -

۶ - پرگر : ھنسلی کو بھی کہتے ہیں اور اس مرصع طوق کو بھی کہتے تھے جو زمانۂ سابق کے شہنشاہ گلے میں پہن لیتے تھے -

۷ - لوامع : لامعہ اور لامع کی جمع بہ معنی روشنی کے نشان ، درخشانی کی لہریں -

۸ - ناگرفت یعنی اچانک ، یکایک -

چوں عرق کز جبیں چکد در سعی | جبہۂ چرخ اختر اندازد
هر که بینی همے به روے طناب | جامۂ را که شد تر، اندازد
رخت نمناک خویشتن گردوں | می‌برد تا به محور اندازد
تابش مہر و جنبش ذرات | شور در هفت کشور اندازد
مه چو طفلے که ترسد از غوغا | خویشتن را ز منظر اندازد
سایه را پایۂ نموداری | باد پندار در سر اندازد
باد کز بوے باده مست شود | پرده از روے گل براندازد
ساقی انجمن پگه‌خیز است | باده در کاسۂ زر اندازد
مطرب بزم زخمه اش تیز است | تاب در زلف مزمر[۱] اندازد
همدم من که نیست جز دم گرم | عودبویا[۲] به مجمر اندازد
در کبابے که بر سماط[۳] نهد | نمک از شور محشر اندازد
باده مغز سرم بجوش آرد | نغمه، خارم به بستر اندازد
بوے عودم ز جا برانگیزد | همچو عودم ورا دراندازد
جهم از جا چناں که جستن من | ز آسماں ماه و اختر اندازد

---

۱ - ایک ساز جسے عود کہتے ہیں -

۲ - خوشبو دار عود - عود سیاہ رنگ کی ایک لکڑی ہوتی ہے جسے آگ پر رکھیں تو خوشبو دیتی ہے - پاک و ہند میں اسے ''اگر'' کہتے ہیں اور لکڑی کو باریک پیس کر اور اس میں کوئی لیس والی چیز ملا کر باریک باریک بتیاں بنا لیتے ہیں جو عموماً بازاروں میں بکتی ہیں لیکن امرا کے ہاں لکڑی کے ٹکڑے آتش داں میں رکھے جاتے تھے جن کی خوشبو بہت تیز ہوتی تھی -

۳ - دسترخوان -

شورِ شوقم ز گرمیِ رفتار — هفت دوزخ به ره دراندازد
حاجبِ شاه چوں به شهر آیم — در رهم خار بیمر۱ اندازد
راه بر من ز ششجهت بندد — مہرہ‌وارم به ششدر اندازد
می‌شناسد که کیستم ورنه — کس چرا صیدِ لاغر اندازد
گوید اے آنکه رقصِ خامۂ تو — سرو را بر صنوبر اندازد
دستگاہِ تو چار بالشِ ناز — آنسوے هفت چنبر اندازد
اینت۲ **غالب** که آتش از دمِ گرم — در مسامِ سمندر اندازد
عیداضحیٰ نه جشنِ نوروز ست — که کس ایں باد در سر اندازد
بر درِ کلبه گوسپند کشد — گر نه در غزوه کافر اندازد
نه که بر جاے خونِ قربانی — دمبدم مے به ساغر اندازد
تا خرد پیکرے فریبنده — سایه در پیشِ پیکر اندازد
کودکانِ محله را در جیب — اخلگندد۳ و فرفر۴ اندازد
ساده دل بیں که پرۂ کاہے — در گزرگاہِ صرصر اندازد
طوفِ حجاج و دورِ پیمانه — چوں دو حلقه بہم دراندازد
ور بگویند کایں ادا تلخ است — در مے از بذله شکر اندازد
گیردم مست و هوشمندانه — ببرد تا براں دراندازد
که گر از رفعتش نشاں جویند — مرغِ اندیشه شہپر اندازد

---

۱ - بیمر : بے شمار ، بے اندازه -

۲ - به معنی خہے ، زہے -

۳ - جھنجھنا- بچوں کا ایک کھلونا -

۴ - پھرکی - چھوٹا گھومنے والا لٹو -

همه‌جارس هوا به فرضِ محال ‏ ‏ بر فرازش گزر گر اندازد
همه خاقان و خاں فرو بارد ‏ ‏ همه کسری و قیصر اندازد
درِ درگاهِ شه که دیوارش ‏ ‏ سایه بر قصرِ اخضر۱ اندازد
آسماں آستاں، بهادر شاه ‏ ‏ که فلک بر درش سر اندازد
آں موحد که هیبتش دمِ کار ‏ ‏ تیشه از دستِ آزر اندازد
به گمانِ دوئی عطارد را ‏ ‏ از فرازِ دوپیکر اندازد
لطف هر دم فزونش از خوبی ‏ ‏ تشنگاں را به کوثر اندازد
نگهِ خشمگینش از تیزی ‏ ‏ نور از روے نیّر اندازد
خود ز جیحوں غبار برخیزد ‏ ‏ گر به هاموں تگاور اندازد

ق

ور به هم گامیِ جنیبتِ۲ خاص ‏ ‏ قرعه بر نامِ لشکر اندازد
گردِ روے زمیں فروپوشد ‏ ‏ نامِ بحر از جهاں براندازد
واں سپاهِ سپهر برهم‌زن ‏ ‏ باختر۳ را به خاور۴ اندازد
تا ازاں فتنه جاں برد بهرام۵ ‏ ‏ جامهٔ زهره در براندازد
گر کند سازِ محفل‌آرائی ‏ ‏ طرحے از هفت اختر اندازد

---

۱ - بظاهر "قصر اخضر" سے مراد آسمان ہے، جسے "گنبد خضرا" بھی کہتے ہیں -

۲ - گھوڑا - اصل میں وہ کوتل گھوڑے جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے -

۳ - مغرب -

۴ - مشرق -

۵ - بهرام فلک یعنی مریخ -

بر سرِ رہ دو رویہ مینو را — با ارم در برابر اندازد
حور در بزم‌گہ بجاے بساط — طرہ‌ہاے معنبر اندازد
در نوردِ شراب پالودن — دُردِ مے بر سکندر اندازد
جانبِ جم کہ مے فزوں سی‌خورد — پارۂ زاں فزوں‌تر اندازد
چوں کند مے بہ جام پنداری — کہ بہ مہ مہرِ انور اندازد
اے کہ دستِ تو در گہرپاشی — موج در آبِ گوہر اندازد
تیزیِ دور باشِ موکبِ تو — رخنہ در سنجِ سنجر اندازد
پرچمِ رایتِ تو در جنبش — از سرِ مہر افسر اندازد
کلکِ من بیں کہ ہر نفس جانے — در رگِ تارِ مسطر اندازد
در سیہ‌مستی و سراندازی — ہر کجا ہرچہ درخور اندازد
با سلیماں زند دم از بلقیس — در رہِ مور شکر اندازد
با زلیخا اگر شود ہمراز — طرحِ کاخِ مصور اندازد
با سمندر اگر بود دمساز — ہمہ آتش بہ دفتر اندازد
از نواے کہ در غزل سنجد — حلقہ در گوشِ زاور اندازد
از طرازے کہ در دعا بندد — بر ورق مشکِ اذفر[۱] اندازد
آں قدر زی کہ در زمانۂ تو — چرخ را کہنگی براندازد

تا قضا بہرِ آستانۂ تو
طرح نُہ چرخ دیگر اندازد

---

۱ مشک اذفر : تیز خوشبو والا خالص مشک ۔

۲۵

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کی تاریخ بھی متعین نہیں ہو سکی

در بہاراں چمن از عیش نشانے دارد
برگِ ہر نخل کہ بینی رگِ جانے دارد

غنچہ مشکیں نفس و لالہ بخورش گلبوی
انجمن مجمرہ و غالیہ‌دانے دارد

باد را راہ بہ خلوتکدۂ غنچہ چرا ست
گر نہ با شاہدِ گل رازِ نہانے دارد

سبزہ را نامیہ انداختہ بادے در سر
برخود از ہمسریِ سرو گمانے دارد

گریہ ہرچند ز شادی است ولے ابرِ بہار
نیز چوں من مژۂ اشک فشانے دارد

برنہ‌خیزد ز رہش گرد دمِ قطرہ زدن
ادہمِ [۱] ابر کہ از برق عنانے دارد

۱- سیاہ رنگ کا گھوڑا۔

تاک از باد خورد آب ، خوشا باده‌فروش
مایه در باغ و به بازار دکانے دارد

ما هم از دشت سرائیم و گل و سبزه و باغ
واعظِ شهر گر از خلد بیانے دارد

بعد ازیں در چمنِ لاله نه بیند در خواب
کوه کز دیر به ره خوابِ گرانے دارد

باد چوں نوسفراں در دمِ رفتن رقصد
آب چوں نکته‌وراں طبعِ روانے دارد

گوئی از آتشِ شبهاے زمستاں باقی است
سنبل و لاله که داغے و دخانے دارد

غمِ گیتی نتواں‌خورد در ایامِ بهار
دورهٔ شمس نوآئیں رمضانے دارد

دیدهٔ بر نمطِ سبزه خطِ جاده پدید
آسمان است زمیں کاهکشانے دارد

بر زمیں جوشِ سمن بین چه کنی انجم و چرخ
که بود بادیه و ریگِ روانے دارد

چه زیاں گر تو نه دانی که دعاگوے گل است
ده زباں سوسنِ آزاده زبانے دارد

نرگس آں سروِ رواں را به گلستاں جوید
خود ازیں روست که چشمِ نگرانے دارد

هر سحر خوبیِ حسنِ چمن افزوں بینم
چوں شهنشاه مگر بخت جوانے دارد

بو ظفر شاهِ جهانگیر جهاں بخش که اوست
چمنِ دهر اگر سروِ روانے دارد

تاج بالد که چنیں مهرجمالے بیند
تخت نازد که چنیں شاه‌نشانے دارد

لامکاں گر نتواں گفت، تواں گفت که شاه
برتر از هر چه تواں گفت مکانے دارد

بر فلک صورتِ انجم مسگالید که چیست
بگزارید که ناں ریزهٔ خوانے دارد

خوانِ خاقانِ کرم پیشه که از بخششِ عام
بر سرِ مائده انبوهِ جهانے دارد

نازشِ مه به نشاں‌مندیِ داغش نازم
گوئی از سجدهٔ آں عتبه۱ نشانے دارد

در بلندی به کله گوشهٔ شاهست قریں
طالعِ مهر ستایم که قرانے دارد

تا سپس زاں کفِ زرپاش بر آهن چه رود
دمبدم تیشهٔ سر کندنِ جانے دارد

اے که در بزم دل‌افروز نگاهش دیدی
بیں که در رزم جگردوز سنانے دارد

---

۱ - دهلیز -

مشنو آوازهٔ سلجوقی و ساسانی را
شه به فرخ‌گهری شوکت و شانے دارد

بهل افسانهٔ بغدادی و بسطامی را
شه به بالغ‌نظری سیرت و شانے دارد

همه‌دانا منم آں شاعرِ اعجازبیاں
که ز من کالبدِ ناطقه جانے دارد

رفته بالا که نشاں آورد از پایهٔ من
تا بداں پایه که گردوں دورانے دارد

دهر گویند نه دارد روشِ دانش و داد
همه دارد که چو **غالب** همه دانے دارد

سخن از همدمیِ خامه نیستانے هست
که هرآئینه چو من شیرِژیانے دارد

معنی از لفظ مرادست سخنور نبود
که به آهنگِ حزیں سازِ بیانے دارد

بسکه هر دم رود از زمزمهٔ خویش ز خویش
خواجه داند که دل‌آویز فغانے دارد

مدح کز روے گزاف است شمارد انصاف
با خود از خوبیِ گفتار گمانے دارد

روے خوش باید و تابِ کمر و طرزِ خرام
نبرد دل ز کف ار موے میانے دارد

نطق تنہا نبود مشقِ سخن را کافی
سخن این است کہ این تیر کمانے دارد؟

ہم ازیں جاست کہ دانا دلِ شیراز[1] سرود
"بندۂ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد"

دمِ گرمے کہ بہ من دادہ بہ‌ہرکس نہ دہند
گفتہ باشد سخنے ہر کہ زبانے دارد

منشم را بہ سخن تیز کند تابِ نبیذ
تیغم از گردشِ پیمانہ فسانے دارد

ہمچو شاہد کہ تحاشی زند اندر آغوش
خامہ در دستِ من از ناز فغانے دارد

درد با زمزمۂ مردہ دلاں بوالعجبی است
موجِ خوں جوی دراں تن کہ روانے دارد

داغم از خویش کہ با خویش زبانے دارم
کہ ز افزونیِ یک نقطہ زیانے دارد[2]

در پناہِ تو رہی را چہ غم از فتنۂ دہر
کہ خود از دہر بہ کف خطِ امانے دارد

---

۱ - خواجہ حافظ جن کا یہ مصرع ہے - پورا شعر یوں ہے:

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

۲ - واضح ہے کہ زبان کی ب پر ایک نقطہ بڑھا دیا جائے تو لفظ "زیاں" بن جائے گا.

عینِ علمم من و بیت‌الشرفِ من درِ تست
مشتری کوکب علم ار سوطانے دارد

در زمینِ سخن آں راست تصرف درخور
که به دستوریِ اقلیم ستانے دارد

نبود ور بود البته دعاے تو بود
گر ثناے تو به تحریر کرانے دارد

دفترِ عمرِ شهنشه به مثل تقویمے است
که به هر سطر طرازے ز قرانے دارد

یا جهانے است جداگانه خود از روے مثال
که به هر گوشه جداگانه جهانے دارد

بےخزاں بادِ بهارِ تو علی‌الرغمِ جهاں
تا جهان است و بهارے و خزانے دارد

✻✻✻✻✻

۲۶

در مدحِ بہادر شاہ

یہ قصیدہ عید کی تقریب پر کہا گیا، لیکن اس کی تاریخ معلوم نہیں۔ کلیات میں اس کا عنوان ہے "بست و ششمیں قصیدہ"۔ بانکی پور اور رام پور کے مخطوطوں میں یہ موجود ہی نہیں۔

رهروان چون گهر آبلهٔ پا بینند
پاے را پایه فراتر ز ثریا بینند

هرچه در دیده عیان است نگاهش دارند
هرچه در سینه نهان است ز سیما بینند

راستی از رقمِ صفحهٔ هستی خوانند
نقشِ کج بر ورقِ شهپرِ عنقا بینند

دوربینانِ ازل، کوریِ چشمِ بدبیں
هم دریں جا نگرند آنچه در آں جا بینند

راز زیں دیده وراں جوی که از دیده وری
نقطه گر در نظر آرند، سویدا بینند

راه زیں دیده وراں پرس که در گرم‌روی
جاده چوں نبض تپاں در تنِ صحرا بینند

شررے را که به ناگاه بدر خواهد جست
زخمه کردار به تارِ رگِ خارا بینند

قطرهٔ را که هرآئینه گہر خواهد بست
صورتِ آبله بر چهرهٔ دریا بینند

شام در کوکبهٔ صبح نمایاں نگرند
روز در منظرِ خفّاش هویدا بینند

وحشتِ تفرقه در کاخِ مصور سنجند
مجمعِ انس به نے‌بستِ[۱] زلیخا بینند

هرچه گوید عجم از خسرو و شیریں شنوند
هر چه آرد عرب از وامق و عذرا بینند

نه‌ستوهند اگر همرهِ مجنوں گردند
نه‌خروشند اگر محملِ لیلیٰ بینند

خوں خورند و جگر از غصه به دنداں گیرند
خویش را چوں به سرِ مائده تنہا بینند

---

۱ - نے بست : چھپر جو سر کنڈوں سے بنایا جاتا ہے - یوسف و زلیخا کے افسانے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ زلیخا اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے اپنے لیے سر کنڈوں کی ایک جھونپڑی بنالی تھی اور محل چھوڑ کر اس جھونپڑی میں رہنے لگی تھی -

ق

سر و تن را اگر از درد ستوه انگارند
جان و دل را اگر از دوست شکیبا بینند

قطرهٔ آب به لب، بوسهٔ نشتر شمرند
پارهٔ نان به گلو، ریزهٔ مینا بینند

چون به دانند که عام است نه دانند ز مهر
روے گرمی اگر از مهر به جوزا بینند

قشقه را رونقِ هنگامهٔ هندو خوانند
باده را شمعِ طرب‌خانهٔ ترسا بینند

برسم و زمزمه و قشقه و زنار و صلیب
خرقه و سبحه و مسواک و مصلا بینند

دل نه بندند به نیرنگ و دریں دیرِ دورنگ
هرچه بینند به عنوانِ تماشا بینند

جام جویند و زرندی نه‌گرایند به زهد
سبحهٔ انجم اگر در یدِ بیضا بینند

هرچه در سو نتوان یافت به هر سو یابند
هرچه در جا نتوان دید به هر جا بینند

همه گردند بداں پایه که او را دانند
هیچ باشند دراں وقت که خود را بینند

ایں نظرهاے گراں‌مایه فراموش کنند
چون به‌نیرنگِ سخن شعبدهٔ ما بینند

نظم را موجۂ سرچشمۂ حیواں فہمند
نثر را نسخۂ اعجازِ مسیحا بینند

گہ پئے نقل بہ صد گونہ تقاضا خواہند
گہ پئے فال بہ صد رنگ تمنا بینند

برد از یاد کہ دنیا ست نمودِ بےبود
ایں دل‌افروز نمودے کہ ز دنیا بینند

نہم از عید فراپیشِ نگاہ آئینہ
کاندراں آئنہ پیدائیِ اشیا بینند

ہم دریں روزِ دل افروز بہ دریوزۂ فیض
رونقِ بارگہ حضرت اعلیٰ بینند

ہم دریں روزِ نشاں‌مند جہاں شاہاں را
بہ درِ شاہِ جہاں ناصیہ‌فرسا بینند

خوشتر آن است کہ چوں روے بہ درگاہ آرند
ہم ازاں پیش کہ آں درگہِ والا بینند

خسرواں را کہ چو ما بہرِ زمیں‌بوس آیند
بنشینند سرِ راہگزر تا بینند

سپہے چند پراگندہ بہ میداں نگرند
علمے چند درخشندہ بہ پہنا بینند

نیز بیحد سپہ از روسی و روسی گویند
نیز بیمر علم از اطلس و دیبا بینند

پیش‌پیش همه تازند و بر اطرافِ بساط
به سرِ پاے بیایند اگر جا بینند

ان‌یکادے[۱] به صد اخلاص بخوانند و ز دور
شاهِ جم‌کوکبه را انجمن‌آرا بینند

چشمِ بد دور، بهادر شهِ خرشید نگیں
که لوایش به سرِ گنبدِ خضریٰ بینند

بزمے آراسته امروز به ایواں که در آں
نه قدح بر کف و نے باده به‌مینا بینند

صورتِ لرزه بر اندامِ سلاطیں پیدا ست
موجهٔ را که به پیمانه ز صهبا بینند

خسرواں سجده‌بر و نکته وراں مدح‌سراے
بزمِ نظاره فروزِ خردافزا بینند

---

۱ - ''ان یکاد'' سورۃ القلم کی آیت کا ابتدائی ٹکڑا ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

و ان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم
لما سمعواالذکر و یقولون انه لمجنون ۔

(اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو باولا ہے ۔) (ترجمہ شیخ‌الہند)

یعنی قرآن سن کر غیض و غضب سے بھر جاتے ہیں اور اس قدر تیز نظروں سے گھورتے ہیں کہ تجھے جگہ سے ہٹا دیں گے ۔

اس آیت کو نظر بد سے بچاؤ کے لیے پڑھتے ہیں ۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

حضور مجلس انس است و دوستاں جمع اند
و ان‌یکاد بخوانید و در فراز کنید

لختے آوازِ غزلخوانیِ **غالب** شنوند
لختے اندازِ جبیں‌سائیِ دارا بینند

وندراں بزم که پروین و پرن را ماند
پیکرے با مہِ ناکاسته مانا بینند

پیکرے فرخ و فرخنده که از روے نیاز
پیشِ وے دولتیاں را به محابا بینند

پے به پیدائیِ اقبال خداداد برند
از شکوہے که در آں پیکرِ زیبا بینند

وانگه از جانبِ اقبال به امیدِ قبول
پیشکش زندگیِ خضر و مسیحا بینند

بعد از آں کایں همه بینند به‌پیغولهٔ چشم
به‌کفم خاتمهٔ دفترِ انشا بینند

کلکِ داؤدنواے اثراندوزِ مرا
نغمه‌پردازِ دعاے شهِ والا بینند

با منِ زار که در بندِ نوایم چوں نے
خویش را نیز درآں پرده هم‌آوا بینند

در دعا کوششِ آگاه‌دلاں خوش باشد
ویژه آں روز که درهاے فلک وا بینند

خواهم ایں زمزمه امروز بدانساں سنجم
که دعا را اثر از ناصیه پیدا بینند

تا گل و سبزه و ریحان ز خیابان جویند
تا کف و موجه و گرداب به دریا بینند

تا بریں پشته نشان از مه و پرویں یابند
تا دریں ره اثر از آدم و حوا بینند

تا به هر سال شمارِ دے و بهمن ورزند
تا به هر ماه طرازِ دی و فردا بینند

هم بدیں ساز به هنگامهٔ هر عیدِ سعید
شاهِ جم‌کوکبه را انجمن‌آرا بینند

*****

۲۷

در مدحِ بہادر شاہ

اس قصیدے کی بھی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ اگر یہ عید پر کہا گیا، جیسا کہ بعض اشعار سے خیال ہوتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت موسم شدید گرمی کا تھا، جیسا کہ میرزا نے قصیدے میں واضح کر دیا ہے۔ دھلی میں عید شوال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء تک سخت گرمی کے مہینوں یعنی مئی اور جون میں آتی رہی، لہٰذا یہ قصیدہ اسی دور کا ہونا چاہیے۔

دریں زمانہ کہ از تارِ روزہاے دراز
سپہر بافتہ اطلس پئے وسادۂ ناز

مگر نسیمِ سحر آں وسادہ را در باغ
بہ روے لالہ و گل گسترد بہ صد اعزاز

سپس بہ صحنِ چمن تا نشیمنِ خاقاں
کشد ز سبزۂ نوخیز فرشِ پا انداز

بر آں بساط نہد پاے آسماں پیماے
ز نقشِ پا بہ زمیں بر ستارہ رخشاں ساز

شهنشهِ خردآموزگار دادگرای
شهنشهِ گنه‌آمرز بےگناه نواز

ابوظفر که نگردد هلالِ عید پدید
اگر به چرخ نه بندد ز نعلِ رخش طراز

ز بذلِ ابر مزن دم به پیشِ شاه که ابر
به بحر قطره دهد تا گهر ستاند باز

زبسکه بندگیش دارد آرزو محمود
بر آن سر است که خود را بدل کند به ایاز

دماغه بهرِ چه دوزند چون خود از رهِ دور
پئے شرف به کفِ شاه دیده دوزد باز

روم که آورمش تا کلامِ شه شنود
چون بشنوم که فلانیست منکرِ اعجاز

براهِ فقر چه رانی سخن ز والیِ[۱] بلخ
که تاج و تخت بجا ماند و دم زد از تگ و تاز

ق

به تاج و تخت کند قطعِ رهِ سیر و سلوک
درین روش نه‌بود کس به شهریار انباز[۲]

---

۱ - شیخ ابراهیم ادهم -

۲ - شریک و سهیم -

اگر نه چرخ پئے پایهٔ‌سریر آورد
طلاے ده‌دهی[1] آفتاب را بگداز

ق

چراست ایں همه گرمی در آفتاب که سوخت
ز تابِ خویش در ابرو اشاره در دل راز

سخن رسید ز گرمی به تابِ مهر تموز
چناں مباد که سوزم ز شعلهٔ آواز

نعوذبالله ازیں بادِ گرم و تابشِ مهر
که در جحیم فروزی است زمهریر گداز

ز مهر رفت پژوهش که چیست چارهٔ‌کار
جواب داد که **غالب** چو من بسوز و بساز

دریں سموم چو پروانه کاں زند بر شمع
رواست سوزد اگر بالِ مرغ در پرواز

ز بس بسایه گراید عجب نه باشد اگر
رود به‌سوے نشیب آفتابِ ره ز فراز

چو عکسِ مهر در آب رواں نظاره کنی
نگاه دود بود تا به دیده گردد باز

به نیمروز کسے زخمه گر زند بر تار
زبانه جاے نوا سر کشد ز پردهٔ‌ساز

---

۱ - طلای ده دهی: زر خالص -

شد آنکه غنچه شگفتے و از شمامۂ گل
شدے به صحنِ گلستاں نسیم غالیه‌ساز

گرفته تنگ چناں خویش را ز بیمِ سموم
که غنچه را نتوانی شناختن ز پیاز

بدیہه گوئیِ من بیں که در چنیں تف و تاب
نبشته‌ام غزلے در ورق بزود انداز

کشایشِ درِ میخانه می‌دهد آواز
که روزِ عید صبوحی کنید بعدِ نماز

بیا و باده به هنگامه آشکارا خور
نه ماند راز نهانی که ترسی از غماز

بد است آنچه به هندوستاں کشند از قند۱
هم از فرنگ بیار ار نه باشد از شیراز

گماں کنم که خدا خود نیافریده بہشت
درِ بہشت به‌رویم اگر کنند فراز

به ناز می‌جهد از دستِ من چو نغمه ز چنگ
به وقتِ بوسه مگر هم چو نے شود دمساز

---

۱ - یعنی وہ شراب جسے میرزا ''گڑچھال کی شراب'' کہتے تھے - دیسی شراب۔ ببول کی چھال میں گڑ ملا کر مٹکا زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ جب اس میں جوش آتا ہے تو کشید کرتے ہیں - یہ بہت تیز ہوتی ہے لیکن مضرت رساں ہے - میرزا نے کئی جگہ اس شراب کی مذمت کی ہے مثلاً :

غالب شراب قندی هندم دماغ سوخت
زاں بعد باده‌هاے گوارا کشیده باد

ز روے و موے همیں روے و موے می جوئی
تو اے که ره به حقیقت نه‌برده‌ای ز مجاز

غزل به مدح چناں داں که مطرب انگیزد
نواے تازه ز آمیزشِ عراق و حجاز[1]

قلم که کامرواے قلمروِ سخن است
بر آستانهٔ شه سود باز روے‌نیاز

شبے که چوں به سرِ تخت پا نهاد سپهر
به تخت گفت که بر بختِ خویشتن می‌ناز

فلک رسد چو براں در خبر دهند به شاه
که ایستاده به دروازه پیرِ لعبت باز[2]

ز دودهٔ غضبش خویش را شمرد آتش
به جرمِ ترکِ ادب چوب می‌خورد زاں باز

حریصِ مدحتِ شاهم به ذوقِ کسبِ شرف
به قدرِ نطق بود آبروے مدح‌طراز

اگر فرو چکد آتش ز لب نه‌دارم باک
به مدحِ شاه فزوں‌باد گرم‌خونی آز

سخن دمے که به‌پایاں رسیدنی خواهد
نه‌داده صورتِ انجام می‌کنم آغاز

---

۱ - عراق و حجاز موسیقی کے دو مقام ہیں -

۲ - پتلیاں نچانے والا -

ولے به ایں همه کوشش نمی‌توانم گفت
که حقِ مدح ادا کرده‌ام ز روے جواز

چه سود گر به سخن فرِّ خسروی دارم
فتاده کار به کیخسروِ سخن‌پرداز

سخنور است و سخنداں گریز نیست ازاں
که لب ز حرف به‌بندم به حیلهٔ ایجاز

دعا به صورتِ شرط و جزا کهن رسم ست
نه بست دل به چنیں شیوه خامهٔ طنّاز

براے شاه ز یزداں طلب کنم شش چیز
به صد هزار تضرع ز روے عجز و نیاز

تنِ درست و دلِ شاد و طالعِ فرّخ
شکوهِ وافر و ملکِ وسیع و عمرِ دراز

*****

۲۸

در مدحِ بہادر شاہ

خرداد کو اساڑھ کا مہینا سمجھنا چاہیے۔ گویا یہ عید اس زمانے میں ہوئی جب اساڑھ کا مہینا شروع تھا۔ عام اندازے کے مطابق اساڑھ ۱۵ جون سے شروع ہوتا ہے۔ اس حساب کے مطابق یہ عید ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء کی ہونی چاہیے۔

روز بازارِ عیش امسال است　　ماہِ خرداد و عیدِ شوال است
بر رخِ روز می‌فزاید حسن　　شب کہ مانا بہ عنبریں خال است
در دو پیکر خرامشِ خرشید　　روز را بر فزونیش دال است
سبزہ ز آمد شدِ بہار و تموز　　بہ سرِ رہگزار پامال است
برشکال و تموز اندر ہند　　دیدہ باشی کہ بر چہ منوال است
ہر یکے را ازیں دو فصل بہ وصل　　دوش بر دوش بال بر بال است
فیضِ باراں ہم از بہاراں جوی　　کاروانے دگر بہ دنبال است
میوہ بالد بخویشتن بر شاخ　　کش امیدِ قبولِ اقبال است
ابر از باد و رستنی از ابر　　کوبکو بار و سو بہ سو بال است
بازماند انبہ از گل افشانی　　در رگش شہدِ ناب سیال است

لذتش را همی زیاں نه‌کند — گر زریر۱ است گونه ور آل۲ است
بادِ گرم ار ز خاک دود انگیخت — تا نه‌دانی سمومِ قتّال است
ابر گرد آورد فلک زیں دود — در دماغش هوائے ارسال است
گیر در شب عیارِ گرمیِ روز — لبِ آفاق پُر ز تبخال است
ذرّه‌ها را ز تابشِ خرشید — هیئتِ نقطه‌هائے رمّال است
خوبیِ کار بعد ازیں بینی — آنچه پیداست خوبیِ فال است
سبز گردد دگر بدانساں دشت — که تو گوئی زمردیں شال است
جائے پر سبزه روید از بالش — هر کجا مرغ بے پر و بال است
سیم را کشته آب جو سباک۳ — موج در پائے سبزه خلخال است
آبہائے رواں فرازِ فریز۴ — نه به تنها نشاطِ اطفال است

ق

عارفاں را دهد ز خلد نشاں — آں به تفصیل و ایں به‌اجمال است
به بهشتے چه دل نهی غالب — که به پاداشِ حسنِ اعمال است
سایهٔ ابر جوی و سبزهٔ باغ — که رواں تازه کن به هر حال است
مدحِ سلطاں سرائے کایں دولت — خوشتریں نقدِ گنجِ آمال۵ است

---

۱ - زرد رنگ کی نبات جس سے کپڑے رنگتے ہیں -
۲ - ایک پودا جس کی جڑوں سے کپڑوں پر سرخ رنگ چڑھاتے ہیں -
۳ - سباک : زرگر - سنار جو چاندی سونے کو پگھلا کر طرح طرح کے زیور بناتا ہے - مطلب یہ کہ ندی کا پانی پگھلی ہوئی چاندی ہے اور اس کی لہریں سبزے کے پاؤں میں پازیب بن رہی ہیں -
۴ - فریز : ایک خوشبو دار گھاس -
۵ - امل کی جمع یعنی امیدیں -

بوظفر کز ازل بہ‌فیروزی — کارفرمائے بخت و اقبال است
زرفشاں خسروے کہ در عہدش — معدن از زخمِ تیشہ غربال۱ است
شاہدِ بختِ شاہ را در دہر — چرخِ آئینہ مہرتمثال است
با نوالش وفور ارزاق است — با جلالش ظہور آجال۲ است
در سلوکش ثباتِ اقطاب است — در سلوکش مقامِ ابدال است
جاہش از تازگی بود باغے — کہ دراں گونہ گونہ اشکال است
سدرہ با آں زمردیں بالاں — اندراں باغ پشہ آنمال است
در کفش خامہ دیدہ‌ای دریاب — ابرِ نیساں رگش ازیں نال است
زاں چکد قطرہ، زیں گہر بارد — ایں بہ ہر روز و آں بہ ہر سال است
بہ تنزل نشاں دہم ز عروج — شوکتِ شاہ بحرِ سیال است
ویں مکوکب فلک کہ میدانی — اندراں بحر ماہیِ وال۳ است
خامہ دم زد ز رازگوئی و من — رازدارم زبانِ من لال ست
جوہرِ تیغِ شاہ دید قضا — گفت کایں سرنوشتِ اقبال است
در زمانِ ظہورِ صاحبِ امر — زخمِ ایں، رزقِ فرقِ دجال است
مژدہ اے تیغ و اے قلم کایں حرف — بر دوامِ بقائے شہ دال است

شاد ماناد شاہ تا در دہر
دورِ روز و شب و مہ و سال است

---

۱ - چھلنی -
۲ - آجال : اجل کی جمع -
۳ - ایک قسم کی مچھلی -

۲۹

در مدحِ ملکہ وکٹوریا

ملکہ وکٹوریا کی مدح میں یہ پہلا قصیدہ ہے جو لارڈ الن برآ کی وساطت سے پیش کیا گیا تھا - الن برآ ۲۸ فروری ۱۸۴۲ء سے ۱۵ جون ۱۸۴۴ء تک ہندوستان کا گورنر جنرل رہا - دو سال کی اس قلیل مدت میں میرزا نے اس کے لیے دو قصیدے کہے - وہ دستنبوی میں فرماتے ہیں :

> دو سال است کہ در ستایش . . . . . ملکہ وکتوریہ چگامہ نگاشتم و بہ سر رشتہ یاسے کہ راست از دھلی بہ بنبئی (بمبئی) و ازاں جا بہ لندن می‌رود بہ پیشگاہ خداوند ہنر پسند . . . . . لارڈ الن برا بہادر کہ بہ روزگار گورنری با من از مہرگستری آئین روان پروری داشت ، رواں داشتم -

(کلیات نثر فارسی ص ۳۹۳ - ۹۴)

گویا یہ قصیدہ ۱۸۵۵ء میں ولایت بھیجا گیا - خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کو لکھتے ہیں کہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۶ء کا لکھا ہوا حکم وزیراعظم انگلستان کا ڈاک میں مجھ کو آخر جنوری ۱۸۵۷ء کو ملا - امید تھی کہ میری درخواستیں منظور ہو جائیں گی ، مگر مئی میں غدر کا ہنگامہ شروع ہو گیا اور نتیجہ کچھ نہ نکلا -

رام پور کے مخطوطے میں اس کا عنوان ہے :

> ”در مدح ملکہ معظمہ دارادربان ، فرمانروائے انگلستان مدظلال اجلالہا“-

کلیات نظم مطبوعہ نولکشور میں ہے:

''بست و نہمیں قصیدۂ برگزیدہ در مدح حضرت فلک رفعت، قدر قدرت، شہنشاہ جم جاہ، انجم سپاہ ملکۂ معظمۂ انگلستان خلداللہ ملکہا''۔

نطقم نخست زمزمۂ خونچکاں دهد
کز خوں طرازِ سرورقِ داستاں دهد

خونِ دل از شگافِ قلم می‌تراودم
بارد به بام ابر و نم از ناوداں دهد

آں نے که هست در بنِ ناخن زسر خلد
از جنبشے که خامه مرا در بناں دهد

از سر گزشته سیل و مرا در سر آں که لب
زیں سرگزشت دادِ سخن در بیاں دهد

نالم ز جورِ شحنه ولے بیمِ گیرودار
نامِ فلک در انجمنم بر زباں دهد

فریاد از سپهر که بر خوانِ آشتی
خونِ جگر به ناں‌خورشِ میهماں دهد

آه از فلک که چوں زند آتش در آفتاب
نظاره را بداں به‌فریبد که ناں دهد

خورنام کیست؟ هرسحر ایں خسته دیگرے است
کانرا فلک به‌سوزد و سر در جهاں دهد

زیں هفت دزد داد که هر روز آں یکے
دادِ ستم بهشحنگیِ خاکداں دهد

هر شب به صورتے دگر ایں دیوِ هفت سر
زحمت به مردِ راه دریں هفتخواں دهد

گفتم لئیم نیست فلک چوں بر آسماں
دیدم که مهر نور به ماه ارمغاں دهد

ناگه ذنب چو مار بهپیچید و حلقه زد
تا درمیانه ایں ببرد، هر چه آں دهد

خوانم بداں نوا غزلے تازه کاسماں
خواهد ز رفته عذر و قضا را ضماں دهد

دهرم به شهر بسکه به دریوزه ناں دهد
همسایه را ز دودهٔ من میهماں دهد

ننشاندم فلک به سرِ خوان و هم ز دور
ناں ریزهها ز ریزشِ اطرافِ خواں دهد

گر خود به نظم لفظِ دکاں در دل آورم
اخترگزار قافیهام بر زباں دهد

بختم ندیم لیک، ندیمے که چوں ازو
پرسم ز آسماں خبر از ریسماں دهد

گر پیشِ روزگار بهنالم ز زخمِ خار
ظالم جوابِ من به زبانِ سناں دهد

لطفِ سخن گواه، من آن نیستم که دهر
بالین و بسترم ز خز و پرنیان دهد

حاشا که جز بهانهٔ آزارِ من بود
عیشے به آشکارم اگر ناگهاں دهد

عریاں به روز تا بودم تن در آفتاب
شبہاے ماه پیرهنم از کتاں دهد

دیگر به مطلعِ دگر آرم سخن ز خویش
دانا چه لب به حرفِ مه و آسماں دهد

آں مورِ سرکشم که چو مرگش اماں دهد
از ننگِ پایمال به پرواز جاں دهد

گردوں ز سخت جانیِ من داغ و من هنوز
شادم که مزدِ صبر پس از امتحاں دهد

چوں بندم آشیان و گمارد سپهر برق
دانم که چشم روشنیِ آشیاں دهد

آں را هماں سبیکهٔ آں زر کنم قیاس
گر گل برد زمانه و برگِ خزاں دهد

نازم که نزدِ چرخ گرامی‌ترم به قدر
چوں کس مخور غمے به من اندر نهاں دهد

سازد ز عود کشتیِ من چرخ و من بخویش
سنجم ز ابلهی که متاعِ گراں دهد

شبہاے تار نالم و دانم بہ من خوش است
گردوں دمیکہ گوش بہ آہ و فغاں دہد

واں خود بریں سر است کہ ہم بر صداے من
تیرِ جگر شگاف کشاد از کماں دہد

داغم ز سوزِ غم کہ خجل داردم ز خلق
بوے کہ تن ز سوختنِ استخواں دہد

یارب زباں مباد کہ جنبد بہ نامِ من
آں را کہ روزگار دلے شادماں دہد

مرگم ز بس کشیدہ در آغوشِ خویشتن
از جوشِ دل فشارِ دگر ہر زماں دہد

چوں خوں گرفتۂ طاہد مہلت از اجل
آں را قسم بہ جانِ منِ ناتواں دہد

ناسازیِ غم این و نخواہم بہ بزمِ راز
سازے کہ بانگِ زمزمۂ الاماں دہد

دیوانگی نگر کہ درآویختم بہ چرخ
اندیشہ ایں ستیزہ کرا در گماں دہد

تا در سرم ہواے کہ باشد کہ آں ہوا
کاہِ مرا مجادلہ با کہکشاں دہد

راہِ سخن کشودم اگر خود نشد کہ بخت
راہم بہ بزمِ بانوِ گیتی‌ستاں دہد

آں دادگر کہ عہدِ وے از بس خجستگی
یاد از زمانِ سنجر و نوشیرواں دہد

آں دیدہ‌ور کہ بر نمطِ بزمِ مےکشی
جامش خبر ز گردشِ ہفت آسماں دہد

روشن دلے کہ روشن ازآں گشت آفتاب
کافاق را مثالے ازو در عیاں دہد

فرخ دمیکہ عیسی ازآں زیست جاوداں
کش فرخی بہ زندگیِ جاوداں دہد

وکٹوریا کہ کاتبِ قسمت ز دفترش
توقیعِ خسروی بہ جہاں خسرواں۱ دہد

اندیشہ گر بہ فرض برد رہ بہ منظرش
افلاک را ز دور بہ‌پستی نشاں دہد

فطرت کہ از برائے نمودارِ ہر کمال
آرد مثال و رابطۂ درمیاں دہد

تا بہرِ کاخِ جاہِ وے آورد نردباں
زاں لمحہ لمحہ بعد کہ دورِ زماں دہد

زد نقشِ سطحِ خاک کہ گر کوتہی کند
ایں خشت زیرِ پایۂ آں نردباں دہد

از بسکہ قربِ عتبۂ مشکوے خسروی
فرجامِ نازشِ شرفِ دودماں دہد

---

۱ - یعنی دنیا پر حکومت کرنے والے بڑے بڑے بادشاہ۔

نوشابه پوی پوی ز رے تا بداں حریم
آید که تن به همدمیِ پاسباں دهد

قسطِ شهانِ دیگر ازیں در رسد مدام
دولت عطیه بسکه بدیں خانداں دهد

بر سنگ شکلِ خاتمِ جم گردد آشکار
بلقیس بسکه بوسه بر آں آستاں دهد

لطفش به خاکِ وادیِ حرماں خلافِ رسم
قند از نئے حصیر و گل از خیزراں[۱] دهد

قهرش به‌بوستانِ تمنا بشرطِ حلم
اردی بهشت را نفسِ مهرگاں دهد

فرمانِ او ز بسکه نهد رسمِ یک دلی
در گله گرگ رونقِ کارِ شباں دهد

پیشِ سگش ز بسکه زند دم ز آشتی
دم لابه ریزشِ تنِ شیرِ ژیاں دهد

نامش ز خویشتن به سرِ نامه گل زند
مدحش در انجمن به تنِ خامه جاں دهد

صحنِ فلک به رونقِ بزمش قسم خورد
بالِ ملک به توسنِ عزمش عناں دهد

از کلک خالِ مشک به روے ورق نهد
از تیغ رنگِ لعل به سنگِ فساں دهد

---

۱ - درخت بید

در عدل خط به شهرتِ نوشیرواں کند
در بذل ناں به دودۂ چنگیزخاں دهد

با بذلِ او سحاب چه و آفتاب کیست
کایں دم زند ز قلزم و آں عرضِ کاں دهد

اما لبش که چوں به سخن دُر فشاں شود
از رشک مالشِ کفِ گوهرفشاں دهد

هر روز بسکه خاک نشینانِ شهر را
گنجینه‌هاے لعل و گهر رایگاں دهد

ساقی چناں که باز نه گیرد ز کس قدح
در بسّدیں۱ قدح مئے چوں ارغواں دهد

نشگفت ، گر به میکده‌ها پیرِ مےفروش
ارزاں خرد پیاله و راوق گراں دهد

از شهرِ شه‌نشیں۲ چه سرایم که جوشِ گل
رشکِ شفق به کنگر آں شارساں۳ دهد

معمورۂ که آب و هوایش ز خرّمی
در عهدِ گل ثمر به کفِ باغباں دهد

گر خود ز رودِ نیل بود آبروے مصر
ور سرمه چشمِ روشنیِ اصفهاں دهد

---

۱ - بسد : مرجان ، بسدیں : مرجان کا بنا هوا ۔

۲ - لندن ۔

۳ - شارساں : مخفف شارستان یعنی شهرستان ۔

لندن نگر که سرمه ز خاکش برند خلق
چنداں که خاکِ رهگزر آبِ رواں دهد

لب بستم از خطابِ زمیں‌بوس بعدِ مدح
مشکل که سازِ عجز نواے چناں دهد

گویم دعا ولے نه بدانساں که گفته‌اند
تا ایں بود سپهر به ممدوح آں دهد۱

آں خواهم از خداے توانا که روزگار
از من پزیرد آنچه مرا بر زباں دهد

آں باد کایں شهنشهِ فرخ‌تبار را
از شرق تا به غرب کراں تا کراں دهد

آں باد و دور نیست که گفتارِ من مرا
سیماے عز و جاه بریں آستاں دهد

آں باد و زود باد که کلکِ دبیرِ خاص
آوازهٔ نوازشِ من در جهاں دهد

آں باد و درخورست که فرماندهی کنم
بر یک دو ده که گنگ به هندوستاں دهد۲

---

۱ - یعنی شاعروں کے عام انداز میں شرط و جزا کے مطابق دعا نہیں مانگتا ۔

۲ - کاش ایسا ہو کہ مجھے ایک دو گاؤں جاگیر میں مل جائیں جو گنگا کے پانی سے سیراب ہوں اور ہونا یہی چاہیے ۔

آں باد و خوش بود کہ شہنشاہِ بحر و بر
انجامِ خواہشِ اسداللہ‌خاں دہد

چوں دہر غالبم بہ سخن نام کردہ است
غالب کہ نامِ من ز حقیقت نشاں دہد[1]

---

۱ ۔ مولانا مرتضیٰ فاضل نے "کراں تا کراں" کے بعد دو شعر اور دیے ہیں جو طبع نولکشور میں موجود نہیں ۔ غالباً میرزا نے قلمزد کر دیے تھے :

آں باد کاں مسیح دم نورسیدہ را
ہر دم ز شیر طعم شکر در دہاں دہد
آں باد کاں رود چو ز گہوارہ بر سریر
بخت جواں بہ بادشہ نوجواں دہد

۳۰

در مدحِ وکٹوریا

یہ قصیدہ اس زمانے کا ہے جب "دستنبو" آگرے میں زیر طبع تھی ، یعنی اگست اور ستمبر ۱۸۵۸ء میں ، اور یہ دستنبو کے ساتھ ہی اس کے آغاز میں چھپا تھا ۔ وکٹوریا کی مدح میں یہ دوسرا قصیدہ ہے ۔ کلیات میں اس کا عنوان ہے :

"سی‌ام قصیدہ نیز در مدح شہنشاہ انگلستان"

بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل قصیدہ یا اس کا ایک حصہ چند سال پیشتر بہادر شاہ کے لیے کہا گیا تھا ، بعد ازاں اس میں تبدیلیاں کردی گئیں ۔ چنانچہ علی گڑھ کے مخطوطے میں بعض اشعار ایسے ملتے ہیں جن سے اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے ، اور وہ اپنے موقع پر نقل کیے جائیں گے ۔

در روزگارہا نتواند شمار یافت
خود روزگار آنچہ دریں روزگار یافت

پرکار تیز گرد فلک درمیاں ببیں
حق داد دادِ حق کہ بہ مرکز قرار یافت

درہاے آسماں بہ زمیں باز کردہ‌اند
ہر کس ہرآنچہ جُست بہ ہر رہگزار یافت

آمد اگر به فرض ز بالا بلا فرود
بر روے خاک پیچ و خمِ زلفِ یار یافت

چون حسنِ ماهِ یکشبه بینی بداں که ماه
پاداشِ جانگدازیِ شبہاے تار یافت

چون رنگِ روے گل نگری شاد شو که گل
اجرِ جگرخراشیِ پیکانِ خار یافت

در خاک و باد و آتش و آب آشتی فزود
ایں پرورش که خلق ز پروردگار یافت

ناچار جز به داد گرایش نمی‌کند
در دهر هرچه صورت ازیں هر چهار یافت

هر کس به قدرِ فطرتِ خویش ارجمند گشت
هر شے به حسنِ جوهرِ خویش اشتهار یافت

گر خواجه بنده را خطِ آزادگی نبشت
هم بر درِ سراے خودش بنده‌وار یافت

ور بنده خود ز خشم خطِ بندگی درید
توقیعِ خوشدلی ز خداوندگار یافت

مه روشنی و مهر فروزش ز سر گرفت
لیل و نهار صورتِ لیل و نهار یافت

بهرام دل به بستنِ تیغ و کمر نهاد
ناهید ذوقِ ورزشِ مضراب و تار یافت

نظارہ فتنہ‌ھاے عیاں از نظر سترد
اندیشہ گنجہاے نہاں آشکار یافت

جام از شراب روشنیِ آفتاب داد
بزم از بساط تازگیِ نوبہار یافت

روے سخن صفاے بناگوش گل گزید
بانگِ قلم نشاطِ نواے ہزار یافت

برہم زدند قاعدہ‌ھاے کہن بہ دہر
ہر کس نشاطِ تازہ ز ہرگونہ کار یافت

فیضِ سحر بہ غالبِ پیمانہ‌کش رسید
ذوقِ صبوح عابدِ شب‌زندہ‌دار یافت

رہزن متاعِ خویش بر ابن السبیل ریخت
کودک رضاے لہو ز آموزگار یافت

عاشق ز بسکہ شاہدِ بیدادپیشہ را
از بہرِ خویش غم‌گسل و غم‌گسار یافت

خوں گشت در دلِ وے اگر حسرتِ نگاہ
چشمِ سیاہ را بہ عزا سوگوار یافت

گر زاہد است نیز ز من مے بہ جام برد
ور مجرم است نیز ز شہ زینہار یافت

قفلِ دلِ عدو کہ کشایش نہ‌داشت نیز
دندانۂ کلید ز دندانِ مار یافت

با فتنه هم مضایقه در خرمی نه‌رفت
خود رختِ خوابش از رگِ گل پودوتار یافت

عنوانِ رنگ و بو رقمِ دل فروز جست
بستانِ آرزو شجرِ میوه‌دار یافت۱

دولت سپند سوخت که شد ملک تازه روے
ملک آفریں سرود که دولت مدار یافت۲

از انتظامِ شاهی و آئینِ خسروی
سور و سرور و دانش و داد انتشار یافت

---

۱ - اس کے بعد علی گڑھ کے مخطوطے میں مندرجہ ذیل چار شعر ہیں :

رنج از نہاد خسرو دیندار رخت بست
مقبول شد دعا و دوا اعتبار یافت
طرف کلہ قسم بہ سر تاجدار خورد
روے نگیں نشاں ز شہ نامدار یافت
گردد دو تا چو رشتہ شود استوار تر
عمر دوبارہ خسرو فرخ‌تبار یافت
آرے ز عمرِ خضر و مسیحا بُرد گرو
ایں نقد زندگی کہ شہنشہ دوّبار یافت

ظاہر ہے کہ ان اشعار کا تعلق بہادر شاہ کی اس شدید علالت سے معلوم ہوتا ہے جو ۱۸۵۳ء میں پیش آئی تھی۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ قصیدہ یا قطعہ یا اشعار بادشاہ کی تندرستی پر پڑھے کیوں نہ گئے یا پیش کیوں نہ ہوئے۔

۲ - علی گڑھ کے مخطوطے میں یہ شعر یوں تھا :

دولت سپند سوخت کہ شد دین تازہ روے
دیں آفریں سرود کہ دولت مدار یافت

بر خستگانِ ہند بہ‌بخشود از کرم
وکٹوریا کہ رونق ازو روزگار یافت

جشنے بہ کارسازیِ اقبال ساز داد
کاقبال ناز را بہ‌منش سازگار یافت

بالد چناں ز ناز کہ پہلو زند بہ تاج
ازبسکہ تخت پایگیِ استوار یافت

نازد چناں بخویش کہ بالد بہ روے تخت
ازبسکہ[1] تاج کامِ دل اندر کنار یافت

بایستے انجم از پئے ترصیعِ[2] تاج و تخت
نازم فروتنی کہ جواہر قرار یافت

یاقوت‌ساز چرخ کہ معدن دکانِ اوست
آورد ہر چہ در کمرِ کوہسار یافت

سنگے کہ نقشِ لعل و زمرد نہ بستہ بود
در سینہ خار ز جوشِ شرار یافت

خرشید را بہ چشمِ کواکب فزود ارج
تنہا نہ آبرو گہرِ شاہوار یافت

---

۱ - مخطوطہ علی گڑھ میں ''ازبسکہ'' کی جگہ امروز ہے۔ پھر یہ دو شعر ہیں :

جشنے است چشم روشنی شہریار را
خود چشمِ شہر روشنی از شہریار یافت
صاحب‌قرانِ صورت و معنی ابو ظفر
کز نام وے قلم نفس مشکبار یافت

۲ - ترصیع : کسی چیز میں جواہر ٹانکنا ۔

جمشید کش به شاهِ سرِ همسری نبود
ساقی‌گری گزید و دراں حلقه بار یافت

زیں پس بسے میانۂ مردم سخن رود
از دورباشها که جم از پرده‌دار یافت

همت نخواست[۱] باده ز انگور ساختن
در دورِ شه بمیکده پرویں فشار یافت

زحمت کشید گرچه بهار اندر اهتمام
داند همی که سود بروں از شمار یافت

آورد گونه‌گونه نشانهاے رنگ و بو
با خویش برد هرچه نه درخورد ِ کار یافت

گل را ز جوشِ رنگ به هنگامه جا کجاست
آورد گر بهار تنش را فگار یافت[۲]

---

۱ - مخطوطہ علی گڑھ میں "همت نخواست" کے بجائے "تقوی‌ا نخواست" ہے -
آگے یہ دو شعر حذف کر دیے:

رضواں ز پیشگاہ خداوند نور و نار
فرمان نخل‌بندی دهلی دیار یافت
حوران خلد تا چه بهم گفتگو کنند
زاں پیچ و تاب ها که دریں شاخسار یافت

۲ - مخطوطہ علی گڑھ میں اس کے بعد دو شعر اور ہیں جو اس قصیدے سے
حذف کر دیے گئے:

در بزم بسکه رنگ همی‌بارد از هوا
هر ساده‌رو که بیخبر آں جا گزار یافت
تا دست در شکستن طرف کلاه زد
بر رخ نشان غازه و بر کف نگار یافت

ق

در راه پاے‌مزدِ غریباں شمرده‌شد
در بزم قوتِ روحِ عزیزاں قرار یافت

موجے که آب در گہرِ شاهوار زد
جوشے که خوں به نافِ غزالِ تتار یافت

روزے که زیرِ رانِ شهنشاهِ کامراں
توسن شرف به حیلهٔ سیر و شکار یافت

از گردِ راه لیلی گیتی نقاب بست
و ز خطِ جاده ناقهٔ گردوں سہار یافت

ور در شکارگاه خدنگے ز شست جست
چشمِ غزاله سرمهٔ دنباله‌دار یافت

باشد بجاے و شیهه۱ به منزل زند فرس
بالیدنش سزد که چنیں شهسوار یافت

تاج و نگیں علامتِ شاهیست در جهاں
ایں هردو هرکه شد به جهاں شهریار یافت

فرمانرواے ماست که از فرِّ شوکتش
شد تاج سرفراز و نگیں اعتبار یافت

۱ - شیہہ : گھوڑے کے سموں کی آواز - عربی ''صہیل'' - علامہ اقبال فرماتے ہیں :

کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعدا سے
نور حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

زینساں به فیضِ نامیه نامی نه گشته بود
صد بارم از گدازِ نفس آبیار یافت

دانم کز اقتضاے زمان ست کایں زماں
شاخِ بریدهٔ قلم ایں برگ و بار یافت

آرے چرا چنیں نبود کز عطاے دهر
آبان و مهر[۱] دسترسِ نوبهار یافت

کوه از هجومِ لالهٔ خود رُو به خاک خفت
خاک از نمودِ سنبل و ریحاں غبار یافت

بے آنکه خواهشِ زرِ گل درمیاں بود
دامانِ گل نسیم به دستِ چنار یافت

امروز لاله را بسرِ کوهسار دید
دهقاں که دی به دامنهٔ کوهسار یافت

در وصفِ رنگ و بوے قوافی تمام شد
ناچار مدحِ شه به دعا اختصار یافت

ایں خوشدلی ز روزِ ازل بود آنِ شاه
وقت آمد از سروش امانت سپار یافت

حاشا که مستعار بود همچو عمرِ خلق
عمرے که شاهِ زندهدل از کردگار یافت

---

۱ - مہر تقویم شمسی کا ساتواں اور آبان آٹھواں مہینا ہے - انھیں کاتک اور مگھر یا اکتوبر اور نومبر کے قریب سمجھنا چاہیے -

نتواں شمارِ دولتِ جاوید یافتن
ور خود ز صفر ہندسہ گاہے شمار یافت

از بس پُرست جیب مسمی ز نقدِ اسم
ہر جا الف نبشت محاسب ہزار یافت[۱]

*****

۱ - مخطوطہ علی گڑھ میں پہلا مصرع یوں ہے :

تقدیر کاروبار مسمیٰ بہ اسم داد

۳۱

در مدحِ وکٹوریا

شکر که آشوبِ برف و باد سرآمد
نامیه از بندِ زمہریر برآمد

کسبِ ہوا نفعِ آبِ خضر[1] رساند
سبزه جہاں را به‌بیشه راہبر آمد

در چمنستاں کشوده بارِ نوادر
باد که بازارگانِ بحر و بر آمد

اشتلم انتظار گل بود ارنه
دیدۂ نرگس ز حدقه[2] چوں بدر آمد

تا ز چه دانسته قربِ مقدم گل را
سبزه به باغ از شگوفه پیشتر آمد

بیہده نبود خروشِ مرغِ سحرخواں
کوکبۂ گل مگر به باغ درآمد

---

۱ - آب خضر سے مراد آب حیات ہے۔

۲ - حلقۂ چشم جسے کاسۂ چشم بھی کہتے ہیں۔

قیس کجا تا کند شمارۂ محمل
از پسِ هر غنچہ غنچۂ دگر آمد

کثرتِ انواعِ گل نگر کہ ہیولی[۱]
رنجہ ز بار فزونی صور آمد

لالہ پسیچد ز تیغ کوہ گزشتن
دامنش اینک ز زیر سنگ برآمد

نکہت گل شد وبائے عام جعل[۲] را
زنجرہ[۳] ہر شب نہ ہرزہ مویہ‌گر آمد

میکدۂ خسروِ گل است رزستان[۴]
صورتِ مینا ز غورہ[۵] در نظر آمد

اے گل و مل را شمردہ قافیۂ ہم
در زر و رز بیں کہ قلبِ یکدگر آمد

مس اگر از کیمیا بہ صورتِ زر شد
بادہ نہ بینی کہ کیمیائے زر آمد

تا چہ نبشتند در صحائفِ حکمت
زردہ و مے خورد و حرف مختصر آمد

---

۱ - مادہ جس سے عام اجسام کی مختلف شکلیں اور صورتیں بنتی ہیں -

۲ - ایک جانور جو گوبر اور سبزے میں پیدا ہوتا ہے -

۳ - ایک جانور جو رات کو بہت بولتا ہے -

۴ - تاکستان، انگوروں کا مقام -

۵ - ناپختہ انگور جن میں کھٹاس ہوتی ہے -

رو غمِ تردامنی مخور که جہاں را
موجِ گل از ہر کرانہ تا کمر آمد

بہ نمط سال نو مئے کہن آور
شادی روے کہ جنت نظر آمد

جائزۂ شعر دُرد بادہ بہ من ہم
کوریِ چشمے کہ دشمن ہنر آمد

فتویِ مے داد ابر و باد ولیکن
شیشہ نہاں بہ کہ ژالہ بدگہر آمد

گیر کہ در سایۂ نہال نشستی
مایۂ سروِ سہی ہمیں قدر آمد

سیر نہ گردد ہوس بہ سنبل و ریحاں
عشرتِ گلشن بہ قدر ماحضر آمد

سرو روانی و گر بباغ در آری
عکس پری در پیالہ جلوہ‌گر آمد

تا چہ قدر زر دھی کہ جلوہ فروشد
زر خزف انگار، دیدہ را خطر آمد

شعلہ رخا! ستیزہ خوی چہ جوئی
تا نہ‌سگالی کہ شعلہ بےشرر آمد

در کفِ ایں قوم ہرچہ ہست بکار ست
تیر جگردوز و دشنہ سینہ‌در آمد

زیں همه بگزر بیں که باد خزانی
سبزه و گل را چگونه بر اثر آمد

غنچه اگر رخ کشوده، طرف نه بسته
سبزه اگر سر کشیده، بے سپر آمد

حرمت خاک آسماں نگاه نه‌دارد
خردهٔ گل وقف و خونِ گل هدر آمد

خسرو انجم ز برجِ بره[۱] به سرطان
آمده باشد که نوبهار سرآمد

بر سر و برگِ سه ماهه عیش چه نازی
حیف ز اصلے که فرع برگ و بر آمد

رو چمنے جوی کز خزاں بود ایمن
لیک به اندیشهٔ که معتبر آمد

گلکدهٔ بےخزاں ز روے حقیقت
بزمِ شهنشاهِ کیقبادفر آمد[۲]

---

۱ - برج بره سے مراد برج جدی ہے -

۲ - علی گڑھ کے ایک مخطوطے میں اس قصیدے کے متعلق مرقوم ہے کہ یہ بہادر شاہ کے دوسرے ولی عہد میرزا غلام فخرالدین مخاطب بہ فتح الملک متخلص بہ رمز کے لیے نوروز کی تہنیت کے طور پر لکھا گیا تھا - گویا بعد میں رد و بدل سے اسے وکٹوریا کا مدحیہ قصیدہ بنا دیا گیا - فتح الملک کا انتقال ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء میں ہوا - ۱۸۵۶ء کا نوروز ولی عہد کے انتقال سے تین چار مہینے پہلے گذر چکا تھا - ۱۸۵۷ء کے نوروز کی آمد میں کم از کم گیارہ مہینے باقی تھے - بہ ہر حال اس مخطوطے کے مطابق اس شعر کے مصرع ثانی میں ''شہنشاہ'' کی جگہ ''ولی عہد'' تھا یعنی :

بزم ''ولی عهد'' کیقباد فر آمد

خامه رقم زد به نامه مطلعِ دیگر
تا سخن از فتح و نصرت و ظفر آمد[۱]

نامه ز وکٹوریا چو نامور آمد
از افق نامه آفتاب برآمد[۲]

آنکه به بیدائے دلکشائے تقدس
راهرو و راه‌دان و راهبر آمد

آنکه به آرایش بساط نشاطش
مهر درخشنده‌رخ ترنج‌زر[۳] آمد

آنکه مر او را به گاه بنده شمردن
دولتِ جاوید هم‌چو من ز در آمد

بسکه فزود ارج مردمی به جهان در
واسطهٔ نازشِ ابوالبشر آمد

---

۱ - مخطوطہ علی گڑھ :

تا سخن از فتح ملک و بو ظفر آمد

۲ - مخطوطہ علی گڑھ :

شاہ و ولی‌عہد عین یک دگر آمد
فتح بہ معنی مرادف ظفر آمد

۳ - عموماً ''ترنج زر'' سے کنایہ سورج کی طرف ہوتا ہے - نیز مشہور ہے کہ خسرو پرویز کے لیے سونے کو موم کی طرح نرم کرکے ایک سانچا سا بنا دیا گیا تھا اور جب اس کا جی چاہتا تھا معمولی سے دباؤ کے ساتھ اسے کسی بھی پھل کی شکل دے لیتا تھا - اسے ترنج دست افشار کہتے تھے -

آنچه همی جست ز آبِ خضر سکندر
موکبِ او را غبارِ رہگزر آمد

زانکه به‌بوسم جبینِ ماه چه خیزد
عتبهٔ شاه از فلک بلندتر آمد

ناسخِ آوازهٔ درفش کیانی ست
رایتِ رایت که آیتِ ظفر آمد

بیمِ خطا نیست لرزد ار دلِ دشمن
تیرِ ترا خود نشانه از جگر آمد

چینهٔ مرغانِ بامِ تست کواکب
زانکه نه ماند به عرصه چون سحر آمد

شیر شکارا سکندر آئنه دارا
سوے تو ام خضرِ خامه راهبر آمد

قطره‌فشاں رفته و ز قطره به راهش
تیره سوادے چو سایه در نظر آمد

بر اثرِ رشحه خیلِ مورِ رواں بیں
خامه مگر پارهٔ ز نیشکر آمد

خامهٔ خود را به رهروی نستایم
خود سخن من ز مسلک هنر آمد

گرچه درین قحط‌سالِ دانش و بینش
جنسِ سخن کس‌مپرس و کس‌مخر آمد

بیع و شریٰ نه‌بود اختران فلک را
پرسش اگر نیست ارزشے دگر آمد

زخمه ندارد ستیزه با رگِ جانش
آنکه ز ذوقِ ترانه بےخبر آمد

دل نه بود سینهٔ فسرده‌دماں را
خسته سگالد که ناله بےاثر آمد

ناله صدائے شکستِ دل بود آرے
بانگ دہد شیشهٔ که بر حجر آمد

چند فریبم بحرف و صوت خرد را
خامه هماں داں که نخلِ بےثمر آمد

تاچه بود سود همفنانِ گزشته
ما بفغانیم کز سخن ضرر آمد

شعر مگر معدن است و لعل و زر آں جا
بحر بود کاں ذخیرهٔ گهر آمد

جز جگرِ لخت لخت و آبلهٔ پا
هیچ نیاورد هر که زیں سفر آمد

هم به دل خستهٔ ستم‌کش ما زد
گر دمِ یارانِ رفته کارگر آمد

آمده غالب به عرصه گر دگراں را
روز فرو رفت و سوز و ساز سرآمد

گر پس و پیشیم نے ز ہم کم و بیشیم
جادۂ رہ تارِ سبحۂ گہر آمد

موج ہمی پاے کم ز موج نیارد
گر بہ‌نمود از قفاے یک دگر آمد

ہم بتو نازم کہ مرجعِ سخنِ من
داورِ دانش‌پژوہِ دیدہ‌ور آمد

دادِ سخن دہ کہ دل بہ داد نہادن
شیوۂ فرماں‌دہانِ دادگر آمد

سازِ دعا پیش از آں کہ زخمہ پزیرد
خود بہ نوا از نوازشِ اثر آمد

عمر گرفتم بود عطیۂ کوکب
بخشش یزداں عطیۂ دگر آمد

حاصل ہیلاج و کدخدا ست ہمانا
ہرچہ فراخورد دانش بشر آمد

مدتِ عمرِ ترا زمانہ چہ داند
کاں ز بقاے زمانہ بیشتر آمد

*****

۳۲

در مدحِ لارڈ آکلینڈ

لارڈ آکلینڈ ، جارج ایڈن (۱۷۸۴ء - ۱۸۴۹ء) انگلستان میں مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد اپریل ۱۸۳۶ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا ۔ وہی افغانستان کی پہلی جنگ چھیڑنے کا ذمہ دار تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ امیر دوست محمد خاں کو معزول کر کے شاہ شجاع کو افغانستان کا بادشاہ بنائے ، جو لدھیانے میں انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا ۔ سبب یہ ظاہر کیا کہ دوست محمد خاں انگریزی مقاصد کے لیے سازگار نہیں اور شاہ شجاع بہرحال سازگار رہے گا ۔ انگریزوں نے کابل پر قبضہ کر لیا ، لیکن امیر دوست محمد خاں کے فرزند اکبر خاں نے ایسا ہنگامہ بپا کر دیا کہ شاہ شجاع ، انگریز سفیر وغیرہ مارے گئے ۔ فوج بری طرح تباہ ہوئی ۔ مارچ ۱۸۴۲ء میں آکلینڈ واپس چلا گیا اور الن برآ نے آ کر انگریزی فوج واپس بلا لی ۔ امیر دوست محمد کو آزاد چھوڑ دیا اور انھوں نے اطمینان سے افغانستان کی امارت از سر نو سنبھال لی ۔

یہ قصیدہ ۱۸۳۷ء میں لکھا گیا ، جیسا کہ خود میرزا نے ایک شعر میں واضح کر دیا ہے :

رفت چو بر یک ہزار ہشت صد و سی و ہفت
معجزۂ عیسوی تازگی ازسر گرفت

باز به اطرافِ باغ آتشِ گل در گرفت
مرغ به‌رسمِ مغاں زمزمه ازسر گرفت

سبزه بر اندامِ خاک حلّه ز مخمل برید
مهر به دیدارِ باغ آئنه در زر گرفت

دشت به پرکارِ باد طرحِ صنم خانه ریخت
باد بر اطرافِ دشت صنعتِ آزر[۱] گرفت

سرو به بالاے سرو طرح ز سنبل فگند
گل به تماشاے گل دیده ز عبهر[۲] گرفت

قامتِ رعناے سرو پردۀ گلبن درید
عارضِ زیباے گل دل ز صنوبر گرفت

گرچه گل از هر زمیں تخت‌گہے برگزید
لیک به سرهنگیش سبزه سراسر گرفت

بسکه نیامد فرو سر به گهر گشتنش
قطره ز بالادوی هیئتِ اختر گرفت

مهر به سوداے تاک لمعه ز کاں بازچید
از زرِ اصفر گزشت بادۀ احمر گرفت

---

۱ - بعض اصحاب نے اسے ”آذر“ لکھا ہے ، حالانکہ بت تراش ”آزر“ (ز سے) ہے نہ کہ ”آذر“ (ذ سے)۔

۲ - عبہر نرگس کی ایک قسم جس کا درمیانہ حصہ زرد ہوتا ہے، بہ خلاف نرگس شہلا کے جس کا درمیانہ حصہ سیاہ ہوتا ہے ۔

دی مہ از افراطِ حسن رونقِ خرداد[۱] یافت
مہر بہ جدی اندروں عرضِ دو پیکر گرفت

روشنیِ روزگار از شبِ یلدا فزود
عشرتِ اردی بہشت[۲] در مہِ آذر[۳] گرفت

خاتمۂ سال و ماہ چہرہ بہ ہفت آب شست
کارگہِ روز و شب نقشِ دسمبر گرفت

رفت چو بر یکہزار ہشتصد و سی و ہفت
معجزۂ عیسوی تازگی ازسر گرفت

گلبنِ افسردہ را روح بہ قالب دوید
سبزۂ پژمردہ را نامیہ در بر گرفت

تا بہ‌ستیزد بہار تیغ ز آتش کشید
تا بہ‌گریزد خزاں پویہ ز صرصر گرفت

بسکہ بہ آتش سپرد نامیہ سیماے گل
اُمتِ گل فوج فوج کیشِ سمندر گرفت

بلبلِ آشفتہ را حسنِ گل از یاد رفت
در صفتِ رنگ و بو جانبِ اخگر گرفت

---

۱ - شمسی سال کا تیسرا مہینا -

۲ - شمسی سال کا دوسرا مہینا -

۳ - شمسی سال کا نواں مہینا ہے - میرزا کا مطلب یہ ہے کہ جو مہینے از روے سال شمسی بہار اور نشوونما کے مانے جاتے ہیں وہ شدید سرما میں بروے کار آگئے -

ڈرگهٔ پرنیان رشک به پشمینه برد
در صفِ اربابِ هوش جاے گل آذر گرفت

شعله به سنگ از شرار بالِ چراغاں کشود
باده به خم از حباب صورتِ ساغر گرفت

دیدهٔ امیدِ خلق آئنه در ره نهاد
شاهدِ اقبالِ ملک، پرده ز رخ برگرفت

پرده‌گری تا کجا صاف نه‌گویم چرا؟
هند ز لارڈ آکلنڈ رونقِ دیگر گرفت

بسکه به ذوقِ رخش تاخت به سرعت ز غیب
آذر و دے را بهار هم به ره اندر گرفت

پر به کلاه اندرش جنبشِ پر بر سرش
در مژه برهم زدن صد سر و افسر گرفت

بسکه به بزم اندرش بذله فشان است لب
جامِ شراب از لبش قندِ مکرر گرفت

بسکه به رزم اندرش حربه گزار است کف
سینهٔ خصم از کفش ربط به مغفر[۱] گرفت

آنکه به‌فرزانگی دفترِ بقراط شست
آنکه به مردانگی تختِ سکندر گرفت

آنکه به کارآگهی بنده ز یوناں خرید
آنکه به فرماں‌دهی باج ز خاور گرفت

۱ - خود یعنی وه آهنی ٹوپی جو جنگ میں سر پر پهنا کرتے تھے -

خستهٔ بیداد را مرہمِ راحت نہاد
غمزدهٔ دهر را خار ز بستر گرفت

در صفتِ بذل و جود طعنه به حاتم نبشت
در روشِ عدل و داد خرده به سنجر گرفت

در فنِ اسپهدی گوے ز گودرز برد
بر نمطِ داوری تاج ز قیصر گرفت

خشمِ شررگسترش دود ز سنبل کشاد
لطفِ رواں پرورش لاله ز مجمر گرفت

خواست بہار از سحاب بہرِ نثارش متاع
رفت و ز رشحِ کفش مایهٔ گوهر گرفت

ابرِ تنک‌مایه را شرم نیامد که هم
بر سرِ داور فشاند هر چه ز داور گرفت

بسکه ز اهلِ سلاح تندیِ کیں دور کرد
بسکه ز اهلِ صلاح سردیِ دم برگرفت

ترکِ سپہر[1] از نہیب شغلِ عطارد[2] گزید هم
قاضیِ چرخ[3] از نشاط پیشهٔ زاور[4] گرفت

---

۱ - ترک فلک : مریخ -

۲ - منشی یا دبیر فلک -

۳ - قاضی چرخ : مشتری -

۴ - زهره جس کا شغل خاص سرود و رقص ہے، اسی لیے اسے لولی فلک کہتے ہیں-

بسکه در احکامِ او داشت سعادت ظہور
تا بہ‌تراشد قلم ہم ز ہما پر گرفت

بسکہ ز رفتارِ او خاست شمیمِ سرور
خاک بہ جولانگہش قیمتِ عنبر گرفت

شست بہ مشک و گلاب کام و زباں چند بار
تا اسداللہ خاں نامِ گورنر۱ گرفت

نامہ بہ‌نازد بہ خویش کز اثرِ فیضِ مدح
نقطہ ز بس روشنی تابشِ نیّر گرفت

بر نمطِ گفتگو در روشِ رنگ و بو
طبع ز اقسامِ طرز ہرچہ نکوتر گرفت

غالبِ بیدستگاہ جادۂ ایں شاہراہ
از رخِ زرد و سرشک در زر و گوہر گرفت

تہنیت عید۲ را نیک سرانجام داد
گرچہ سخن در طواف وایہ ز ہر در گرفت

---

۱ - مراد گورنر جنرل ہے ، کیونکہ ہم جن عہدیداروں کو گورنر کہتے ہیں ، وہ میرزا کے زمانے میں لفٹنٹ گورنر کہلاتے تھے اور انھیں لفٹنٹ ہی کہتے تھے -

۲ - عید سے توجہ اسلامی عیدوں یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی طرف منعطف نہ ہونی چاہیے - بظاہر اس سے مراد ''کرسمس'' ہے ' جو مسیحیوں کے لیے عید ہے، اور میرزا نے قصیدے میں ایک جگہ ''دسمبر'' کا ذکر بھی کیا ہے - اغلب ہے کہ یہ قصیدہ دسمبر ۱۸۳۷ء میں کہا گیا ہو -

کلکِ هنرپیشه را باد زبان مژده‌گوی
کاین رقمِ دلکشا صورتِ دفتر گرفت

شاهدِ گفتار را با دلِ آئینه‌دار
کز دُر و یاقوتِ مدح این همه زیور گرفت

شاه نشانا توئی آنکه ز تو چون سنی
کینه ز گردون کشید، کام ز اختر گرفت

از تو رسیدم به نوش ورنه لبم عمر ها
سرکه ز صهبا چشید، زهر ز شکر گرفت

از تو توانا شدم ورنه مرا روز ها
چاره ز بی‌مایگی صورتِ ابتر گرفت

خواست دل ار در خیال زخمِ جگر دوختن
از پئے آں بخیه تار از تنِ لاغر گرفت

هیبت پیشینه غم برد به مدح از خودم
طرفه نهنگے به یم پاے شناور گرفت

خواستم از سوزِ دل یک دو نفس بر کشم
طائرِ اندیشه را شعله به شهپر گرفت

هم به‌دمِ گرمِ خویش خشک نمودم ورق
صدرهِ اگر نامه نِم از مژهٔ تر گرفت

با تو چه گویم ز جور کایزد از انصافِ تو
خانهٔ ظالم به‌سوخت، رسمِ ستم برگرفت

دردِ دلی داشتم ناگهم از یاد رفت
بسکه به ذوقِ دعا بیخودیم درگرفت

تا بتواند به دشت یوز بر آهو دوید
تا بتواند به چرخ باز کبوتر گرفت

رایتِ لارڈ آکلنڈ باد بدانسان بلند
کش رسد از ظلِ خویش ملک سراسر گرفت

*****

۳۳

در مدحِ لارڈ الن برا

ایلن برا (ایڈورڈ لا ۱۷۹۰ - ۱۸۷۱) اکتوبر ۱۸۴۱ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل نامزد ہوا۔ فروری ۱۸۴۲ء سے جون ۱۸۴۴ء تک اس عہدے پر مامور رہا ۔ افغانستان سے فوج واپس بلائی ۔ سندھ فتح کیا ۔

میرزا کو لارڈ آکلینڈ اور الن برآ سے خاص تعلق تھا ۔ وہ آکلینڈ کی مہربانیوں کا ذکر ایلن برا کے قصیدے میں یوں کرتے ہیں ۔

کرم می کرد گر لارڈ آکلینڈ از راہ غم‌خواری
تو نیز از راہ غمخواری کرم کن کز کریمانی

یہ پتا نہ چل سکا کہ آکلینڈ نے میرزا کی غمخواری میں کیا کچھ کیا ؟ الن برآ کے متعلق تو معلوم ہے کہ میرزا نے ۱۸۵۵ء میں جو قصیدہ ملکہ وکٹوریا کے لیے لکھا تھا وہ الن برا ہی کے ذریعے سے پیش ہوا تھا ، حالانکہ اس وقت الن برا ولایت میں تھا ۔ گویا اس کی مراجعت کے بعد بھی روابط بہ دستور قائم رہے ۔ یہی گورنر جنرل ہے جس کی مدح میں میرزا نے دو قصیدے کہے حالانکہ وہ قریباً دو سال یہاں رہا ۔

بہ ہر کس شیوۂ خاصے در ایثار است ارزانی
ز من مدح و ز لارڈ الن برا گنجینہ افشانی

زهے با شوکتش فرخنده آثارِ جهانگیری
خهے با دولتش آماده اسبابِ جهانبانی

دمش وقتِ نوازش جانفزا بادے است فردوسی
کفش هنگامِ بخشش دُرفشان ابرے است نیسانی

گرامی منصبش را طالعِ اقبال جمشیدی
همایون مسندش را پایهٔ اورنگِ سلطانی

به عهدش ماه هر شب کامل و آفاق مهتابی
به دورش زهره دائم حوتی و برجیس سرطانی

همش با خلق گوناگون نوازش در حق اندیشی
همش با خویش رنگارنگ نازش در خدادانی

سرِ راهش سپهر آورده قیصر را به درویشی
به درگاهش قضا بنشانده دارا را به دربانی

نهان در خاطرش اسرارِ اشراقِ فلاطونی
عیان بر خاتمش آثارِ توقیعِ سلیمانی

به رزمش گردِ ره بر خاک بنشیند به دشواری
به عزمش کوهسار از راه برخیزد به آسانی

دلیرانِ سپاهش را هنرها جمله بهرامی
فرازستان جاهش را بنا ها جمله کیوانی

به اقلیمش گدا نتوان به ره دیدن ز نایابی
به دیهیمش گهر نتوان شمردن از فراوانی

فروزش را به رُویش سازشِ پیمانِ یکرنگی
نوازش را به خُویش نازشِ پیوندِ روحانی

طرب در بزمِ عیشش بُرده حوران را به رقاصی
کرم بر خوانِ فیضش خوانده رضوان را به مهمانی

روا باشد به گلشن گر مدامش گلفشان یابی
که گلبن نامهٔ اقبالِ او را کرده عنوانی

عجب نبود به گیتی گر هلالش جاودان بینی
که مه را در سجودش تا به ابرو سوده پیشانی

ثریا بارگاها! نظمِ من در مدحِ خود بنگر
که سیمایش به مهر و ماه ماند در درخشانی

نه دانم چون فرستم این گهرها لیکن آن دانم
که خود تا مشتری خواهد رسید از فرطِ غلتانی

به گفتارم توانگر گر به سیم و زر تهی دستم
زمینِ کلبهٔ من شد گلستان بعدِ ویرانی

به رسمِ نکته‌سنجان در سخن غالب بود نامم
بدین نام از ازل آورده‌ام طغرای سحبانی

مرا دردی است اندر دل که جانفرسائیِ آن را
نه دانم چاره اما این قدر دانم که می دانی

بسانِ دود کاندر تنگنا بر خویشتن پیچد
ستوهم در نوردِ تنگ‌دستی از پریشانی

نمک‌پروردهٔ این دولتِ جاویدپیمانم
به پیمانِ مؤدت دارم آئینِ ثناخوانی

کرم می‌کرد گر لارڈ آکلنڈ از راهِ غمخواری
تو نیز از راهِ غمخواری کرم کن کز کریمانی

ازان در نامهٔ مدحِ تو آرم بر زبان نامش
که با من داشت گوناگون نوازشهاے پنهانی

سوادِ نامه‌هاے دل فروزش در نظر دارم
که چشمِ من بدان کحل الجواهر گشته نورانی

گر او در رشتهٔ مدحِ سخنور گوهر آمودے
ترا باید که بر فرقِ سخنور گوهر افشانی

سخن کوتاه دائم باد و فرخ باد و روز افزون
به‌من لطفِ تو هم چون برتوبخششهاے یزدانی

*****

۳۴

در مدحِ لارڈ الن برا

اے برتر از سپہرِ بلند آستانِ تو
تو پاسبانِ ملک، ملک پاسبانِ تو

الن‌برا که شاه‌نشاں داوری به دهر
ملک و سپاه و شاه و گدا در امانِ تو

در پایه آں سہی که به توقیعِ روزگار
دارد ز سجده جبههٔ شاهاں نشانِ تو

در جلوه آں سہی که به اندازهٔ کمال
باشد فرازِ چرخِ زحل آسمانِ تو

هم بنده از تو خوشدل و هم خواجه سرفراز
تو میزبان و اهلِ جہاں میہمانِ تو

هم سبزه از تو خرم و هم گل شگفته روے
تو باغبان و روے زمیں بوستانِ تو

اے تیغِ تیز همدمِ کلکِ نزارِ تو
وے عقلِ پیر مونسِ بختِ جوانِ تو

اے روزگار بستهٔ بندِ کمندِ تو
وے کوهسار خستهٔ گرزِ گرانِ تو

در بزمگاه عیش و طرب هم‌نشینِ تو
در رزمگاه فتح و ظفر هم‌عنانِ تو

جز حق نه‌مانده هیچ هوس در ضمیرِ تو
جز حق نه رفته هیچ سخن بر زبانِ تو

انصاف جادهٔ روشِ مستقیمِ تو
اشراق پرتوِ خردِ خرده‌دانِ تو

سنجم نواے مطلعِ دیگر که آسمان
رقصد به ذوقِ زمزمهٔ مدح‌خوانِ تو

گردوں ز ریزشِ کفِ گوهر فشانِ تو
نشناخت خویش را ز زمیں در زمانِ تو

اے از نهادِ پاک جگرگوشهٔ مسیح
سوگندِ قدسیاں نه‌بود جز به‌جانِ تو

هر جا که رفته حکمِ تو خود نیز همره است
بالد بخویش بسکه قلم در بنانِ تو

جاں چوں برد عدو ز خدنگِ تو چوں ز دوست
دل می‌برد کشادِ خدنگ از کمانِ تو

در بذل و عدل حاتم و کسری[۱] مسلم اند
پیش از تو بوده این دو تن از پس روانِ تو

نے نے ز بذل و عدل چه گویم ازاں که هست
این هر دو صفحه یک ورق از داستانِ تو

بے سعیِ تیشه لعل ز کاں می‌تواں گرفت
از بسکه خست سینهٔ کوه از سنانِ تو

در فتحِ کشورت به سپاه احتیاج نیست
تو ماهتاب و عرصهٔ گیتی کتانِ تو

شیریں شد است زاں لبِ نوشیں عجب مدار
گر باده راست طعمِ شکر در دهانِ تو

ارزاں شد از قدومِ تو در ملک رنگ و بو
اے نوبهار گردِ رهِ کاروانِ تو

گر دیگراں به پیشکش آرند گنجِ زر
گلدستهٔ سخن ز من است ارمغانِ تو

دیگر ز مطلعے که کند همسری به مهر
اندازه‌جوے را بنمایم مکانِ تو

تو خود جهانے و دگر است آسمانِ تو
این آسمان زمیں بود اندر جهانِ تو

---

۱ - مراد ہے پرویز اول ساسانی یعنی نوشیرواں ، جسے عدل میں نامور مانا جاتا ہے -

مداحِ چوں توئی نه‌سزد غیرِ چوں منی
نازم شکوهِ خویش بلند است شانِ تو

باید دماغ بهرِ شنیدن نه گوش و بس
بوے گل است زمزمهٔ ناتوانِ تو

از توتیا نشست مقدم به چشمِ حور
برخاست چوں غبارِ من از آستانِ تو

حاشا که در گماں گزرانی نظیرِ من
یکتا دُرے به دورِ تو گردیده آنِ تو

آرے، گمانِ تست نه آئینه است و آب
تا خود نظیرِ من گزرد در گمانِ تو

دور از تو ام به سینه غمے بود جاں گسل
کاں چوں وفاے من شده خاطر نشانِ تو

بخشود دهر بر من و بهرِ من آشکار
آورد نوشداروے لطفِ نهانِ تو

رفت آں غم از نهاد و بدیں شاد زیستن
دانم که مرده زنده شد اندر زمانِ تو

گیرد ز من عیارِ تو آں بیخبر که او
می‌خواست در مسیح‌دمی امتحانِ تو

در اجر ایں که کوششِ من رایگاں نه رفت
خواهم ز حق حیاتِ ابد رایگانِ تو

من خُرد و چاکرِ تو بزرگاں بریں بساط
سورم ولے ز زلہ‌ربایانِ خوانِ تو

چوں چاکرانِ خویش شماری دراں شمار
غالب که نامِ من گزرد بر زبانِ تو

بنگر به چشمِ لطف که **غالب** دریں دیار
مداحِ شاہِ تست و دعاگوے جانِ تو

اے بختِ تو به سبزی و عمرِ تو در خوشی
آں نوبہار و ایں چمنِ بےخزانِ تو

ہموارہ باد روے زمیں جلوہ‌گاہِ تو
پیوستہ باد خنگِ فلک زیرِ رانِ تو

*****

۳۵

در مدحِ چارلس مٹکاف

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے :

''بہ انداز تہنیت احراز پایہ وپس پرسیڈنسی شور مدح سر چارلس متکف بہادر انگیختن''

یعنی مٹکاف کو پہلے تو سپریم کونسل کا وائس پریزیڈنٹ بنایا گیا ، پھر عارضی گورنر جنرل ۔

چارلس تھیوفلس بیرن مٹکاف (۱۷۸۵ - ۱۸۴۶ء) پہلے گوالیار میں اسسٹنٹ ریزیڈنٹ رہا ۔ ۱۸۰۶ء میں بہ مقام دہلی اسسٹنٹ ریزیڈنٹ مقرر ہوا ۔ اسی نے ۱۸۰۹ء میں رنجیت سنگھ سے معاہدہ کیا جس کے مطابق دریائے ستلج جنوبی جانب رنجیت سنگھ کی سلطنت کی سرحد مقرر ہوا ۔ پھر مختلف عہدوں پر ماموریت کے بعد ۱۸۲۵ء میں دہلی کا ریزیڈنٹ تھا ۔ بعد ازاں سوپریم کونسل کا ممبر مقرر ہوا اور مارچ ۱۸۳۵ء سے مارچ ۱۸۳۶ء تک عارضی گورنر جنرل رہا ۔ پھر اُسے صوبہ غرب و شمال اور مدراس کی گورنری دے دی گئی ۔ ہندوستان سے واپس جا کر جمیکا کا گورنر پھر کینیڈا کا گورنر جنرل رہا ۔

قیام دہلی میں وہاں کے امرا و اکابر سے مٹکاف کے گہرے روابط پیدا ہو گئے تھے ۔ ان میں

میرزا غالب بھی شامل تھے۔ اول اس لیے کہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز تھے، دوم خاندان لوھارو سے قریبی رشتہ داری کی بناء پر امرا میں بھی محسوب تھے۔

یہ قصیدہ بظاہر اس وقت کہا گیا جب مٹکاف عارضی گورنر جنرل مقرر ہوا تھا یا کسی قدر پہلے۔ اس وقت تک نواب شمس‌الدین احمد خاں والی فیروز پور جھرکا زندہ تھے، جیسا کہ قصیدے کے بعض اشعار سے ظاہر ہے۔ خاندانی پنشن کا جو مقدمہ ۱۸۲۷ء میں شروع ہوا تھا، اس پر کم و بیش سات سال گذر چکے تھے۔ نواب شمس‌الدین احمد خاں کو بہ الزام قتل فریزر اکتوبر ۱۸۳۵ء میں پھانسی کی سزا دی گئی۔ یہ قصیدہ ان کی گرفتاری سے پیشتر ہی کا ہونا چاھیے اور اسے بھی میرزا کی قادرالکلامی کا ایک اھم مرقع سمجھنا چاھیے۔

پنشن کے جھگڑے اور اس سلسلے میں میرزا کے مطالبے شعرگوئی کا کوئی خوشگوار موضوع نہ تھے۔ لیکن دیکھیے میرزا نے اس میں وہ سب کچھ تفصیل سے بیان کر دیا ہے جو نثر میں بطور درخواست کہا جا سکتا تھا۔ تاھم شعروں کے حسن یا انداز بیان کی دل‌آویزی اور زور تاثیر میں کوئی فرق نہیں۔ شعروں پر شعر ''مرصع'' چلے آ رہے ہیں۔

یافت آئینۂ بختِ تو ز دولت پرواز
هله کلکته بدیں حسنِ خداساز بہ‌ناز

گل برافشاں به گریباں چو حریفِ سرمست
جلوه‌گر شو به نظر هم چو عروسِ طناز

وقت آن است که پائیز تو گردد نوروز
وقت آن است کز انجامِ تو بالد آغاز

جوشِ آهنگِ هزار است ترا بانگِ سرود
موجِ نیرنگِ بهار است ترا رشتهٔ ساز

سیرگاهے است در اطرافِ تو گوئی کشمیر
روستاے است ز اقصاے تو گوئی شیراز

گِردِ سر گردمت اے بقعه که گردِ رهِ تست
خاطرآویز تر از طرهٔ مشکینِ ایاز

چشمِ بد دور که هر جاده به صحراے توگشت
تارِ گلدستهٔ نقشِ قدمِ شاهدِ ناز

فرصتت باد که آرایشِ ایوانِ تو شد
داورِ عادلِ ظالم‌کشِ مظلوم‌نواز

چارلس مٹکفِ فرخنده‌شمائل که به دهر
بسته بر دامنِ نظاره ز فردوس طراز

آنکه بر خاکِ درش چرخ پئے عرضِ سجود
شب و روز از مه و خرشید بود ناصیه ساز

آنکه در هند به‌یمنِ اثرِ معدلتش
آشیان ساخته کنجشک ز سر پنجهٔ باز

آنکه باشد به رهِ فیض درِ مکرمتش
چون درِ آئنه پیوسته به روے همه باز

به سلامش نه خمید است ز صد جا گر چرخ
از چه شد دائره بر دائره مانندِ پیاز

نمِ یک رشحهٔ فیض ست که تا ریخت فرو
در دلش رائے شد و بر لبِ عیسیٰ اعجاز

استوا یافت زمانش به زمیں بسکه ز عدل
سایه بر شخص نه چربید به پہنا و دراز

بسکه دل گشت ز فیضِ اثرِ تربیتش
شیشه را نیست به هنگامِ شکستن آواز

عزمِ وے در روشِ عربده با چرخ سہیم
رائے وے در اثرِ جلوه به خرشید انباز

بر رخ از تابِ رخش فرِ سعادت پیدا
در ره از گردِ رهش خیلِ هما در پرواز

ایکه بر نامهٔ نامِ تو ز دیوانِ قضا
بسته‌اند از اثرِ دولتِ جاوید طراز

ایں رقمها که فرو ریخته‌ام از رگِ کاک
باشد آرایشِ تقریب پۓ عرضِ نیاز

ورنه اندازهٔ هر بےسروپاے نه‌بود
که به اندازِ ثناے تو نماید تگ و تاز

یاد باد آنکه ازیں مرحله تا کلکته
کرده‌ام طے به امیدِ تو رهِ دور و دراز

گر نہ اندیشہ بہ عدلِ تو قوی‌دل گشتے
ناقۂ سعیِ من از راہ نہ‌گردیدے باز

نالۂ زارِ من از شدتِ جورِ شرکاست
نہ ز دیوانگی و خیرگی و شوخی و آز

بر رخِ من درِ رزقے کہ کشاید داور
حیف باشد کہ کند خصمِ[۱] بد اندیش فراز

ہفت سال است کہ بایکدگر آویختہ‌ایم
من و غاصب چو سررشتۂ شمع و دمِ گاز

او ز خونخوارگیِ خویش در انداز غضب
من ز بیچارگیِ خویش بہ آدابِ نیاز

آہ از عربدہ پردازیِ بختِ سرکش
داد از خانہ‌براندازیِ چرخِ کج‌باز

دل در اندیشہ و جاں در غم و لب در فریاد
خصم مغرور و جہاں دشمن و طالع ناساز

خود تو دانی کہ ازیں مخمصہ رستن نتواں
جز بہ‌تائیدِ تو اے خسروِ درویش‌نواز

زیں چہ خوشتر کہ بہ عہدت شود انجام گرائے
ستمے کش بود آغازِ وجودم آغاز

---

۱ - بظاہر اشارہ نواب شمس‌الدین احمد خاں والی فیروز پور جھرکا کی طرف ہے جنھوں نے ریاست سنبھالتے ہی میرزا کی پنشن روک دی تھی۔ قصیدے میں ان کا ذکر اس طریق پر کیا گیا ہے کہ وہ نہ محض زندہ تھے بلکہ ریاست فیروز پور جھرکا میں کارفرمائی کی حیثیت انھیں حاصل تھی۔

بو که اندازه درآید به درستی ز خلل
بو که اندیشه گراید به حقیقت ز مجاز

طاقتم نیست به خاکِ کفِ پاے تو قسم
زانکه غم حوصله سوز است و بلا زهره گداز

چوں چراغِ رہِ بادم به گزرگاہِ فنا
داورا! زود تر از هرچه بهحالم پرداز

پنج مطلب ز تو ام هست و به صد گونه امید
خواهم آں پنج علی‌الرغمِ حسود[1] و غماز

اول این است که در بابِ معاشے که مراست
کنی اندیشهٔ محکم به طریقِ ایجاز

هرچه در دفترِ سرکار بود نقش‌پذیر
هم به اندازهٔ آں نقش شوی مائده ساز

دوم آں کز اثرِ عدلِ تو اے سنجرِ عهد
غیر با بنده دریں وجه نه‌باشد انباز[2]

سوم آن است که دیگر نه کنم دستِ طلب
پیشِ فرمانده‌ٔ میوات به دریوزه دراز[3]

---

۱ - حسود (بہ فتح ح) بہ معنی بہت حسد کرنے والا - اگر ح مضموم ہو تو یہ لفظ حاسد کی جمع بن جائے گا -

۲ - شریک -

۳ - یعنی میری پنشن فیروز پور جھرکا کی ریاست سے متعلق نہ رہے ، جو علاقہ میوات میں تھی اور اس کے لیے وہاں کے رئیس کا منت کش ہونا پڑتا تھا -

هم به گنجینهٔ سرکار برائے خواهم
داده انصاف بدیں یافتگی اذنِ جواز

چارم آن است که باقی زرِ چندیں ساله
بے نزاع و جدل و جهد به من گردد باز[۱]

پنجم آں کز پسِ ایں فتح که بنماید روی
دهیم مژدهٔ اکرام و نویدِ اعزاز

بخشیم تازه خطابے و براں افزائی
خلعتے درخورِ ایں دولتِ جاوید طراز

به که کوته کنم افسانهٔ دعویٰ به دعا
زانکه دانم سرِ ایں رشته دراز است دراز

تا زماں آئنهٔ عرضِ صباح است و مسا
تا زمیں جلوه‌گهِ نقشِ نشیب است و فراز

به زماں باد زمینت چو فلک زیرِ نگیں
به زمیں باد زمانت ز زمانها ممتاز

نصرت و فتحِ رفیقانه به رزمت همراه
عشرت و عیشِ ندیمانه به بزمت همراز

غالبِ خستهٔ مسکیں که گدائے درِ تست
از تو خارش همه گل باد و نیازش همه ناز

---

۱ - یہ رقم ۱۸۰۶ء سے درخواست دینے تک میرزا کے پیش کردہ حساب کے مطابق دو لاکھ سے بھی زیادہ ہو چکی تھی -

۳۶

در مدحِ جیمز ٹامسن

جیمس ٹامسن (Thomason) ۱۸۰۶ء ، ستمبر ۱۸۵۳ء-
رجسٹرار صدر عدالت (۱۸۲۲ء) سکرٹری گورنمنٹ (۱۸۳۰-
۱۸۳۲ء) کلکٹر اعظم گڑھ (۱۸۳۲ء-۱۸۳۷ء) سکرٹری
آگرہ گورنمنٹ (۱۸۳۷ء-۱۸۴۱ء) ممبر بورڈ آف ریوینیو
(۱۸۴۱ء-۱۸۴۲ء) سکرٹری امور خارجہ حکومت ہند
(۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء) لفٹنٹ گورنر آگرہ (۱۸۴۳ء- تا وفات)۔
اس زمانے تک پنجاب فتح نہیں ہوا تھا اور دھلی کا تعلق
صوبہ غرب و شمال سے تھا ، جس کا مرکز آگرہ تھا ۔ یہ
قصیدہ جیمس ٹامسن کی خدمت میں اس وقت بھیجا گیا ہوگا
جب وہ لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا ۔ اس سے پیشتر ایک قطعہ
بھی میرزا نے بطور ''مبارک باد'' بھیجا تھا ۔ یعنی قطعہ
نمبر ۲۱ جس کا آخری مصرع ہے :

گورنری بہ جیمس تامسن مبارک باد

ایک غزل میں بھی اس سے خطاب ہے جس کا مطلع ہے:

تا بہ سویم نظر لطف جمس تامسن است
سبزہ ام گلبن و خارم گل و خاکم چمن است

اسی میں کہتے ہیں :

داورا گرچہ ھمایم بہ ھمایوں سخنی
لیک در دھر مرا طالع زاغ و زغن است

چشم دارم کہ فرستی بہ جواب غزلم
آں رضا نامہ کہ از لطف تو مطلوب من است

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے :

"در ستایش جیمس تامسن بہادر لفٹنٹ گورنر
اکبر آباد"

آنکه از دوست دریں دائره تنها ماند
جز دراں خانه نه‌ماند که به صحرا ماند

از گل و سبزه بود دهر بساطے که براں
دُردِ مے از قدح و ریزه ز مینا ماند

رهروِ کعبه بشارت ز قبولش نه‌دهند
جز بداں خار که از بادیه در پا ماند

در رهِ شوق نیم تنگ دل از بیمِ هلاک
خضر ایں دشت ز خوبی به مسیحا ماند

سجده خواهم که ز سیما نه گزارد اثرے
اثرِ سجده چه خواهی که به سیما ماند

قصهٔ شوق بشیرازه نه گنجد زنهار
بگزارید که ایں نسخه مجزا ماند

دیگراں وایه و من مُزدِ دعا می‌خواهم
بر درِ دوست سوالم به تقاضا ماند

دیده از اشک‌فشانی نه پسندم معذور
مگر آں لحظه که حیرانِ تماشا ماند

ما به جامے که ز جم ماند قناعت کردیم
به سکندر بدهند آنچه ز دارا ماند

نیم شب فکرِ صبوحی ز توکل دور است
نه پسندیم که یک جرعه ز صهبا ماند

عالم آئینهٔ راز است نه بازیچهٔ کفر
عارف آں به که به نظاره ز غوغا ماند

قدمِ یوسف[۴] اگر در رہِ ایماں لغزد
بتے از دور نمایند که بر جا ماند

در رہِ عشق ز معمورهٔ نشاں می‌خواهم
تا به درویش دهم هر چه ز یغما ماند

گر بدیں گونه ازیں مرحله نالاں گذرم
از من ایں گنبدِ فیروزه پُر آوا ماند

سخن از پیشرواں ماند همانا زیں پس
ما نه‌مانیم و بگیتی سخن از ما ماند

کیست کز کوششِ فرهاد، نشاں باز دهد
مگر آں نقش که از تیشه به خارا ماند

بسکه دیوار و در از دودِ دلم گشت سیاه
کلبهٔ من به سیه خیمهٔ لیلیٰ ماند

روزم از سوز درخشانیِ آتش دارد
شبم از دود به انبوهیِ سودا ماند

شبم از روشنیِ داغ به روزم خندد
روزم از تیرگیِ خویش به شبها ماند

غم و آن جمله گرانی که به‌کوهش سنجند
طبع و آن سایه روانی که به دریا ماند

آن چنان تیز پرد طائرِ فکرم کز وے
چاکها در جگرِ باد هویدا ماند

آن چنان تند رود پیکِ خیالم کز من
سایه نشگفت که در راهروی واماند

روم از شوق چنان مست که از رختِ سفر
هم ازان جا شمرم هرچه به هر جا ماند

مست و پُر عربده بر خارِ بیابان غلتم
کز رهِ دوست نشان بر همه اعضا ماند

تا بسرِ منزلِ مقصود ز بیتابیِ شوق
دم دل آشوب و قدم آبله‌فرسا ماند

دلنشین شد سفرِ آگره کس چون نه رود
به دیارے که سوادش به سویدا ماند

یارب از فیضِ ورودِ اثرِ مقدمِ کیست
که ارم بر درِ آن بقعه جبین‌سا ماند

فر و فرهنگِ فریدون دهد آسایشِ خلق
کشور آباد ز فرماندهِ دانا ماند

نیست کس بلکه نه بود است و نخواهد بودن
که به فرهنگ به فرزانهٔ یکتا ماند

آسمان پایه جمس تامسن آں قلزمِ فیض
باد جایش به جهاں تا به جهاں جا ماند

هم در آغاز دعا گفتم و شادم که به مدح
از من ایں قاعدهٔ تازه به دنیا ماند

راست گویم چو بود پایهٔ ممدوح بلند
چه کند گر نه سخنور ز ثنا واماند

پادشاهاں به سجودِ درش آورده هجوم
تا ازیں قوم کرا عرضِ تمنا ماند

ماه و بیت‌الشرفِ ماه نه دانم اوراست
بزمگاہے که بساطش به ثریا ماند

گرچه با تیغ و تبر صولتِ رُستم شکند
گرچه با برق و شرر در صفِ هیجا ماند

ق

بعد ازاں کش ظفر از غیب نمودار شود
بعد ازاں کش نگه از خشم مُعرا ماند

مژه هنگامِ خطابخشیِ اعدا ز حیا
به علمهاے فرو خُفتهٔ اعدا ماند

اے کہ با عارضِ پُر نور تو در معرضِ لاف
شمع پروانہ شود، مہر بہ حربا[۱] ماند

دانم اندر سفرِ مدحِ تو از دوریِ راہ
منزل آن است کہ رہرو ز روش واماند

ور دریں بادیہ سالک بہ مثل باد شود
ہم‌چناں تا بہ ابد بادیہ‌پیما ماند

حدِ ما نیست ثنائے تو و لیکن در دہر
زیں ثنا فرخیِ ذاتِ تو پیدا ماند

حجتِ عصمتِ مریم بود از حق بر خلق
آں روایات کہ از نخلۂ خرما ماند

از پئے مدحِ تو چوں نقطہ گزارد بہ ورق
خامۂ من بہ غزالے دمِ انشا ماند

ق

کہ سیہ مستِ مئے ناز بہ صحرا پوید
واندراں پویہ ازو نافہ بہ صحرا ماند

حق گزارندۂ مہرم نہ نگارندۂ مدح
خود غلط گوئی دریں معرکہ رسوا ماند

نہ کنی یاد و نہ رنجم کہ در اندیشۂ من
ایں تغافل بہ فراموشیِ عمدا ماند

---

۱ - گرگٹ جو ہر لحظہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔

ور بگویند ز سہوست بہ‌سیرم لیکن
بر لبم زمزمۂ ہرگز و حاشا ماند

غالب از عربدہ‌بس کن کہ خودایں‌گونہ سخن
بہ فغاں ماند و ایں شیوہ بہ سودا ماند

مکن اسراف دریں زمزمہ‌سنجی بگزار
تا نوائے ز پئے بلبلِ شیدا ماند

در رہِ شوق دلآویز نوائے بر کش
بہ ادائے کہ بہ ہنجارِ نکیسا ماند

چوں در اہلِ سخن آئینِ دعا شرط و جزاست
چند گوئی کہ چنیں باد ، چناں تا ماند

دل نشیں مصرعے از صدر بہ پایاں بنویس
محضرِ شوق ہماں بہ کہ مثنیٰ[۱] ماند

یارب ایں داورِ فرزانۂ فرخ فرہنگ
باد جایش بہ جہاں تا بہ جہاں جا ماند

---

۱ - مثنیٰ اس لیے کہا کہ یہ مصرع پہلے بھی اس قصیدہ میں آ چکا ہے ۔
ملاحظہ فرمائیے تیسویں شعر کا آخری مصرع ۔

۳۷

در مدحِ پرنسپ

ہنری تھوبی پرنسپ (۱۷۹۲ء-۱۸۷۸ء) گورنر جنرل مارکوئس ہیسٹنگز کا اسسٹنٹ سکرٹری (۱۸۱۴ء) حکومت کا فارسی دان سکریٹری (۱۸۲۰ء) چیف سکرٹری (۱۸۳۴ء) ملازمت سے سبکدوشی (۱۸۴۳ء) انگلستان جا کر پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی کوشش میں ناکام رہا۔ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائریکٹر (۱۸۵۰ء) متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔

یہ قصیدہ غالباً اس زمانے میں کہا گیا جب پرنسپ حکومت ہند کا چیف سکرٹری تھا یعنی ۱۸۳۴ء میں یا کچھ عرصہ بعد۔

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے:

افزایش نیروے خامہ و آرایش روے نامہ بہ مدح داور والا گہر جناب مسٹر تھوبی پرنسپ بہادر کہ یا رب اقبالش جاوداں و بہارش ایمن از خزاں باد۔

بے مے نہ کند در کفِ من خامہ روائی
سرد است ہوا آتشِ بیدود کجائی

باید کہ صراحی بود آبستنِ صہبا
تا ناطقہ را روے دہد نادرہ‌زائی

عید است و دمِ صبح و جهانے به تماشا
ما و کفِ خاکستر و آئینه‌زدائی

نگزاشته هرچند نشاں لاغری از من
از ناله کنم سوے خودش راهنمائی

از خونِ دلم در شکنت هیچ نشاں نیست
اے طرۂ طرار نه‌دانم چه بلائی

از بهرِ رهائی نکنم سعی همانا
لب می‌گزم از ذوق دریں سلسله خائی

رنجد ز لبم دوست به خونابه فشانی
اما نه‌کند منعِ غم از سینه‌گزائی

آرزمِ گل و سرزنشِ خار نه‌سنجد
نازم به گرانمائگیِ بے سر و پائی

بے دستگهم بسکه گرم باده فرستند
از خانۂ همسایه کنم کاسه گدائی

من شاد به امیدِ وصال وے و اغیار
دانند که از دوست شکیبم به جدائی

نازم به سرِ زلفِ درازش که دلِ زار
هم در خمِ آں دام بود بعدِ رهائی

اے حالِ دل از وحشتِ هجرِ تو پریشاں
وے رنگِ رخ از شدتِ دردِ تو هوائی

در عشقِ تو بیتابیِ بیساختهٔ من
بے‌سود تر از کشمکشِ زهدِ ریائی

پیداست که بر رازِ نهانت که برد پے؟
گر بر دلِ پُر خوں نهیم دستِ حنائی

بیگانهٔ رسم و رهِ انصاف نه‌زیبی
لب تشنهٔ خونِ دلِ عشاق نشائی

شه عادل و من روے شناسِ شهِ عادل
در کشتنِ من ایں همه بیباک چرائی

وقت است که سرمستِ مے از انجمنِ ناز
برخیزی و بیتاب به بالینِ من آئی

گاہے به اَدا دم زنی از بذله‌فشانی
گاہے به نوا ساز کنی نغمه‌سرائی

ور چاره نیندیشی و آزاد نشینی
ور مهر نه‌ورزی و به بیدادگرائی

بر دل غمِ عشق تو کنم سرد و نفس را
سازم به غزل گرم خداوندستائی

فرزانه پرنسپ که ستایند به جاهش
چندانکه پرستند خدا را به خدائی

آں عینِ ظَفر در فنِ اقلیم‌ستانی
آں اصلِ خرد در روشِ کارکیائی

چوں دید که طاقت نه‌فزاید مگر امید
بر طاقتم افزود ز اُمید فزائی

چوں دید که اندوه نه‌زاید مگر از دل
دل برد ز من تا کند اندوه‌ربائی

چوں باد که در غنچه کشودن نه کشد رنج
فوجش نه‌شود خسته‌تن از قلعه‌کشائی

در جنگ کند بر تنِ بدخواه سموسی
در صلح کند بر چمنِ ملک صبائی

در مدح سرایم غزل و باک نه‌دارم
کز ذوق بود ایں همه آشفته‌نوائی

اے آنکه کند سایهٔ دستِ تو همائی
سهل است که شاهی ز تو خواهم به گدائی

اے آنکه به فرمانِ قضا کعبهٔ خلقی
اے آنکه در آئینِ وفا قبلهٔ مائی

همسایهٔ اقبالِ لوائے تو بلندی
وابستهٔ اندازِ کمندِ تو رسائی

از رغبتِ دستِ گهرافشانِ تو در بزم
از موج دهد مے به قدح بال کشائی

از سطوتِ شمشادخرامانِ تو در باغ
از سایه کند گل به زمیں ناصیه‌سائی

آنانکه ستایش‌گر هرگونه کمال اند
دانند که شایستهٔ هرگونه ثنائی

در ناصیهٔ جوهرِ جان تابشِ مهری
در مردمکِ دیدهٔ دل نورِ وفائی

گر مشربِ توحید شود چشمه ، زلالی
ور صورتِ معنی شود آئینه ، صفائی

در میکدهٔ یادِ خدا گردشِ جامی
در قافلهٔ فیضِ حق آوازِ درائی

غم‌کاه‌تر از مژدهٔ ایامِ وصالی
دلخواه‌تر از سرعتِ تاثیرِ دعائی

از پیشگهِ فیضِ ازل آنِ تو بادا
عمرِ ابد و خوش‌دلی و کام روائی

سیمرغ شود گر به مثل طائرِ مقصود
از حلقهٔ دامِ تو مبیناد رهائی

از غالبِ غم دیده که از تست سپاسش
مقبولِ تو بادا روشِ مدح‌سرائی

*****

۳۸

در مدحِ ہربرٹ ماڈک

سر ٹامس ہربرٹ ماڈک (۱۷۹۰ء - ۱۸۷۰ء) تعلیم مکمل کر کے ۱۸۱۴ء میں ہندوستان پہنچا اور ساگر و نربدا کے علاقوں میں خدمات کے بعد پولیٹکل ایجنٹ بھوپال مقرر ہوا۔ پھر لکھنو اور نیپال میں پولیٹکل ایجنٹ رہنے کے بعد قانون، عدالت اور مال کے محکموں کا سکرٹری بنا (۱۸۳۸ء-۱۸۴۳ء)۔ سوپریم کونسل کا ممبر (۱۸۴۳ء - ۱۸۴۹ء)۔

یہ قصیدہ بظاہر اس زمانے میں لکھا گیا جب تین محکموں کا سکرٹری تھا۔ یعنی ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۳ء تک کے عرصے میں۔

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے:

"در ستایش مسٹر ہربرٹ ماڈک صاحب بہادر چیف سکرتر۔"

مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ ماڈک کس زمانے میں چیف سکرٹری مقرر ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں وہ ملازمت سے سبک دوش ہو گیا تھا۔

ہر چہ در مبداء فیاض بود آنِ من است
گل جدا نا شدہ از شاخ بہ دامانِ من است

از سوادِ شبِ قدر است مدادم به دوات
آسمان صفحه و انجم خطِ پاشانِ من است

بسکه دلدادهٔ موزونیِ افکارِ خودم
خامه هنگامِ رقم سروِ خرامانِ من است

تَره رود سرو و غبارے که ز راهش خیزد
در خیابانِ ورق سنبل و ریحانِ من است

خامه گر نیست سروشے ز سروشانِ بهشت
از چه در مرحلهٔ خاک زباندانِ من است

مستیم عام مدان و روشم سهل مگیر
ناقهٔ شوقم و جبریل حدی‌خوان من است

جادهٔ عرفی و رفتارِ شفائی دارم
دهلی و آگره شیراز و صفاهانِ من است

تاجرِ نطقم و از کشورِ جان می‌آیم
مدح و تشبیب و سپاس و گله سامانِ من است

نامه از چیست که بر خویش چنیں می بالد
گر نه دانسته که نامِ که به عنوانِ من است

مرحبا داورِ جم‌مرتبه ٹامس ماڈک
بنگر ایں صفحه که آرایشِ دیوانِ من است

خورده است آب ز سرچشمهٔ نطقِ تو مگر
ایں رگِ ابر که کلکِ گہر افشانِ من است

دمِ تحریر ثنائے تو به خلوت‌گهِ فکر
بالِ عنقائے نظر مروحه[1] جنبانِ من است

سخن از مدحِ تو راندم شرف افزود مرا
عقلِ فعال بدیں مدح ثناخوانِ من است

نکته سنجانِ سلف را ز تو در معرضِ مدح
رشک بر فرخی و خوبیِ دورانِ من است

از زبانِ تو اگر مدحِ تو گویم بپذیر
کایں ادا بر شرفِ ذاتِ تو برهانِ من است

گفتم ایں چیست که ما مهرِ منیرش نامیم؟
گفت جاهِ تو که ایں شمسهٔ ایوانِ من است

گفتم ایں چیست که ما جوشِ بهارش گوئیم؟
گفت فیضِ تو که آں موجهٔ طوفانِ من است؟

گفتم ایں چرخ که گردد گزرش برچه خط است؟
قلمت گفت سرش بر خطِ فرمانِ من است

گفتم ایں ابر که بارد هنرش از چه ره است
کرمت گفت رهش بر درِ عمانِ من است

دید چوں نقشِ کفِ پائے تو بر خاک زحل
خورد سوگند که ایں کفهٔ میزانِ من است

ذرهٔ گردِ رهت را به هوا در پرواز
چرخِ هفتم به قسم گفت که کیوانِ من است

---

۱ - مروحه : دستی پنکها -

زهره چون بزمِ ترا نام طلب کرد که چیست
مشتری گفت که حوتِ تو و سرطانِ من است

زخم در سایه سرایت کند از پیکرِ مرد
تیغِ تیزِ تو دریں مسئله برهانِ من است

هر دم عیشِ ابد حلقه زند بر درِ دل
غمِ عشقِ تو دریں غمکده مهمانِ من است

کشتهٔ تیغِ وفا عشرتِ دیگر دارد
عید در معرکهٔ شوقِ تو قربانِ من است

به نسیمِ سرِ کوے تو کشودم سینه
زیں سپس لاله و گُل ننگِ گریبانِ من است

فرطِ اخلاص نظر کن که گزشتم از رشک
سگِ کویت به وفاداری از اعیانِ من است

به تو ام زنده و نادیده سراپاے ترا
به گمانم ز سراپاے تو کاں جانِ من است

شرطِ اسلام بود ورزشِ ایمان بالغیب
اے تو غائب ز نظر مهرِ تو ایمانِ من است

به میانجی گریِ خامه شدم روے شناس
در رهت خامهٔ من خضرِ بیابانِ من است

آشکارا بتو از خویش نشاں باز دهم
گر دلت در گروِ پرسشِ پنهانِ من است

چون بریں دائره بینی شفق از من یاد آر
کاں کفِ قلزمِ خونابهٔ مژگانِ من است

چون به دریا بودت راه ز من جوی نشان
کاں فروریختهٔ دیدهٔ گریانِ من است

چون رسد نامهٔ **غالب** بتو از مهر بگوی
کایں خطِ بندگیِ بندهٔ احسانِ من است

پایهٔ مدحِ تو ام نیست همانا زیں بعد
آنچه از من شنوی ناله و افغانِ من است

آه ازیں غم که به داغ آفتِ اجزاے دل است
آه ازیں غم که به تاب آتشِ سوزانِ من است

شاهدِ غم چو به مستی رخِ خویش آراید
طرهٔ خم به خمش حالِ پریشانِ من است

به زمیں بارِ غم از بسکه فرو برد مرا
اخترِ روز به شب شمعِ شبستانِ من است

دل به دنداں دهم و بر لب و دنداں نه نهم
کایں دلِ غمزده هم درخورِ دندانِ من است

هست دشوار و محال است که مشکل نبود
اینکه در مرده دلی زیستن آسانِ من است

جاں اگر خسته تر از تن بودم نیست شگفت
زانکه دل تنگ تر از گوشهٔ زندانِ من است

به صریرِ قلمِ خویش خوشم پندارم
کاندریں بندِ قلم مرغِ خوش‌الحانِ من است

پُر تہی‌دستم و بے برگ خدایا تا چند
به سخن شاد شوم کایں گہر از کانِ من است

چوں به بندِ فلکم خسته ازینم چه نشاط
که عطارد به سخن طفلِ دبستانِ من است

ایں چه حرف است که گفتم ز سخن شرمم باد
ناروا نیست متاعے که به دُکّانِ من است

دیگر از غم چه کنم شکوه که رستم از غم
بنده مدحت‌گرم و خواجه زباندانِ من است

دیگر از درد چه نالم که به‌غمخواریِ من
چونتو عیسیٰ نفسے را سرِ درمانِ من است

لطفِ یزداں ز غمِ دهر نگہبانِ تو باد
اے که لطفت ز غمِ دهر نگہبانِ من است

بذله و مدح و دعا در ورق انشا کردم
تا بدانی که فلانے ز ندیمانِ من است

خود فروخوان و به‌گفتار شناساں بنمای
کایں غزل زمزمهٔ بلبلِ بستانِ من است

******

۳۹

در مدحِ اینڈریو سٹرلنگ

اینڈریو سٹرلنگ (۱۷۹۳ء - ۱۸۳۰ء) اچھا فارسی دان اور سخن فہم تھا - ۱۸۱۳ء میں ہندوستان پہنچتے ہی حکومت ہند کے سررشتۂ فارسی کا سکرٹری اور پولٹیکل ڈی پارٹمنٹ کا ڈپٹی سکرٹری بن گیا تھا - ۱۸۲۸ء میں ولیم بی بیلی عارضی طور پر گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے سٹرلنگ کو اپنا پرائیویٹ سکرٹری بنا لیا - میرزا غالب کلکتہ میں اس سے ملے تھے تو سٹرلنگ عارضی طور پر چیف سکرٹری کی حیثیت میں کام کر رہا تھا - اُسی ملاقات میں میرزا نے اس قصیدے کا ایک حصہ پڑھا اور سٹرلنگ نے حالات سن کر میرزا کو پوری امداد کا یقین دلایا - اسی کی کوشش سے میرزا کی عرضداشت کونسل میں پیش ہوئی ، مگر وہاں سے جواب ملا کہ یہ عرضداشت از روے قاعدہ پہلے دہلی کے ریزیڈنٹ کے پاس پیش ہونی چاہیے -

بہ ہرحال مقدمے کی داستان تو یہاں چھیڑی نہیں جا سکتی لیکن یہ قصیدہ ۱۸۲۷ء یا ۱۸۲۸ء کا ہے - سٹرلنگ ہر امداد کے لیے تیار تھا ، لیکن میرزا دہلی پہنچے کہ مقدمے کے کاغذات کی تکمیل کرا کے کلکتہ بھجوائیں تو ۲۳ مئی ۱۸۳۰ء کو سٹرلنگ نے وفات پائی اور میرزا ایک دلی ہمدرد افسر کی اعانت سے محروم ہو گئے - چنانچہ اس کی وفات پر ایک پر دردمرثیہ کہا - (ملاحظہ ہو کلیات نظم فارسی قطعہ ۵۰)

مخطوطہ رام پور میں میرزا کے اس قصیدے کا عنوان ہے :

''سخن در ثنائے داور خوش خوے ، بہشتی روے
بہ جاہ کیخسرو و بہ داد سنجر مستر ایندریو
سترلنگ بہادر''

فغاں ! کہ نیست سر و برگِ دامن افشانی
بہ بندِ خویش فرو ماندہ‌ام ز عریانی

فغاں ! کہ ریخت تمنائے بستر و بالیں
خسک بہ پیرہنِ لذتِ تن‌آسانی

فغاں ! کہ نامۂ شوقم بہ چار سوے قبول
نبرد راہ بجاے ز ہرزہ عنوانی

فغاں ! ز عمر کہ در سنگلاخِ زندگیم
بہ زیرِ کوہ بود دامن از گرانجانی

فغاں ! ز غفلتِ دیروزہ زندگی کامروز
بہ یادِ ہر نفسے می‌کشم پشیمانی

فغاں ! کہ داد نہ دادی و وقت آں آمد
کہ خاکِ گور سرم را کند گریبانی

فغاں ! کہ جاں بہ غمت دادم و تو دانستی
کہ جاں دہند وفاپیشگاں بہ آسانی

فغاں ! ز بختِ مخالف کہ زورقِ صبرم
بہ چار موجِ بلا گشتہ است طوفانی

فغاں ! کہ در عملِ صاحبانِ عالی‌شان
کشم جفاے فلانے و جورِ بہمانی

فغاں ! کہ گدیہ‌خورِ داورانِ دہر رود
بہ پیشِ ہم‌چو خودے بہرِ کاسہ گردانی

بہ من نہ ماند ز ہستی نشاں کہ باختہ‌ام
نفس ز خوفِ عدو چوں نگاہِ قُربانی

کنوں ز سطوتِ اعدا شکنجۂ بیم است
دلے کہ بود طرب گاہِ روحِ حیوانی

بہ رنگِ موجِ دخانے کہ خیزد از سرِ شمع
ہمی‌پرد ز دماغم قواے نفسانی

نہ پاے آنکہ برآیم ازیں گرفتاری
نہ جاے آنکہ بہ‌مانم دریں پریشانی

بہ دادِ من کہ رسد ؟ کاندریں بساط سرا
گلو فشردہ و خوں کردہ‌اند پنہانی

مگر تلافیِ آزارِ من کند روزے
بہ مقتضاے خداترسی و خدادانی

بقاے عیش و نشاطِ زمانہ را ضامن
بناے بارگہِ عدل و داد را بانی

بہارِ روضۂ آفاق ِمستر استرلنگ
کزوست گلبنِ انصاف در گل‌افشانی

نظامِ عالم و آدم که در جریدۂ دهر
صحیح کرده قوانینِ معدلت رانی

اگرچه سنجر و کسری و خسروانِ دگر
فگنده‌اند در آفاق شورِ سلطانی

توان به قاعدۂ قصر بالمبالغه گفت
که اوست مخترعِ شیوۂ جهانبانی

زہے مربیِ بے‌مایگاں که از فیضش
سراب کرده محیطی و قطره عمانی

ز خاکِ درگہِ او ذره ذره هر طرفے
به آفتاب طرف گشته در درخشانی

خوشا لطافتِ اندازۂ ادافهمی
زہے نزاکتِ اندازِ مدعادانی

که شد به بزمِ قبولش که او بدید و نخواند
غمِ درونِ وے از سطرِ چینِ پیشانی

بقاے عشرتِ او را چمن دعا گوے است
ز قطره قطرۂ شبنم به سبحه گردانی

بهار بادفروشے است بزمِ جاهش را
به صد زبانِ رگِ گل در آفرین‌خوانی

حضورِ مدح رخ از من نهفت می‌ترسم
که غیبت افگندم در طلسمِ حیرانی

مگر سرے که فرو برده ام به دلقِ خیال
برآورم ز گریبان مطلعِ ثانی

زہے کریم که دستت به گوهرافشانی
به گاهِ عرض ِگرو برده ز ابرنیسانی

نفس ز خوے تو گلدسته‌بندِ رنگینی
نگه ز روے تو آئینه‌دارِ حیرانی

لبِ تو زنده کنِ معجزِ مسیحائی
رخِ تو جلوه‌دهِ شوکتِ سلیمانی

به صفحه از خمِ تیغِ تو گر کشد نقشے
چو خامه شق شود از بیم پیکرِ مانی

فلک به درگهِ جاهِ تو معتکف پیرے است
ز روز و شب به کفش سبحهٔ سلیمانی

به گردِ سمِ سمندِ تو نسبتے دارد
سزد که ناز کند سرمهٔ صفاهانی

به ذوقِ نعمتِ خوانت چناں به حرص آفتاد
که در دهانِ صدف کرد آب دندانی

سپهر بارگها ! روزگار مرتبتا !
که از تو یافته جنسِ کرم فراوانی

بر اوجِ قصرِ جلالت به نیمه ره نرسد
خیالِ انوری و سعیِ فکرِ خاقانی

من شکسته‌دل بےنواے هیچ‌مداں
چگونه دم زنم از دعویِ ثناخوانی

گدایم و به تمنّاے داد آمده‌ام
به درگہے که بود قیصرش به دربانی

ز ناله‌ام چه محابا که معدلت کیشی
ز گدیه ام چه خجالت که از کریمانی

نه ملک خواهم و نے مال ایں قدر خواهم
که گردِ غم ز رخِ بختِ من بیفشانی

مرا دلیست ز دردِ شکستگی لبریز
نه آرزوے امیری ، نه حسرتِ خانی

ز بست سال فزوں میشود که می‌سوزد
نفس چو رشتهٔ شمعم به‌بزمِ حیرانی

کجاست جیب که چاکے درو توانم زد
مگر جگر به‌دریدن دهم ز عُریانی

ز اهلِ دهر دریں روزگارِ بیدردے
به عید عشرتِ خویشم نموده قربانی

سیاه‌مست نه‌دارد ز کس محابایے
شمرده خونِ دلم را رحیقِ ریحانی

شرر به پیرهنِ جاں فشاند و جا نه گزاشت
که شعله سر کشد از داغهاے پنهانی

چناں به حلقهٔ داسم کشید تنگ که من
به بندِ عجز فروماندم از پرافشانی

غریب نیست به دردِ دلم رسیدن ها
نه مدعی عربی و نه من خراسانی

به دادگاه رسیدم چنانکه دانستم
بپرس به دادِ غریباں چنانکه می‌دانی

به عجز کوش که **غالب** طریقهٔ ادب است
نگاه داشتن اندازهٔ ثناخوانی

خوش است اگر ز نسیمِ دعا به گلشنِ صدق
نهالِ جلوهٔ آئیں کند گل‌افشانی

مدام تا که بود سایه تیره و تاریک
مدام تا که بود مهر را درخشانی

چو سایه روزِ عدوے تو باد تیره و تار
چو مهر جبههٔ بختِ تو باد نورانی

*****

۴۰

در مدحِ ولیم فریزر

ولیم فریزر (۱۷۸۴ء-۱۸۳۵ء) ۱۷۹۹ء میں ہندوستان پہنچا۔ پہلے ڈیوڈ آکٹرلونی کا سکرٹری رہا- پھر مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن کا سکرٹری بن کر سفارت کابل پر گیا۔ مختلف خدمتیں انجام دے کر ۱۸۲۶ء میں صوبہ غرب و شمال کے ریونیو بورڈ کا رکن بنا - ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۵ء تک دھلی کا ریزیڈنٹ رہا - ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو دھلی ھی میں مارا گیا - الزام قتل میں نواب شمس‌الدین احمد خان والی فیروز پور جھرکا اور ان کے ایک ملازم کو پھانسی کی سزا دی گئی - نواب احمد بخش مرحوم کے خاندان میں دو فریق بن گئے - نواب شمس‌الدین احمد خاں ایک فریق اور نواب امین‌الدین احمد نیز نواب ضیاءالدین احمد خاں دوسرا فریق تھے - میرزا غالب کا تعلق دوسرے فریق سے تھا جس کے ساتھ ولیم فریزر کے تعلقات بہت دوستانہ تھے - میرزا نے ایک غزل کے مقطع میں بھی فریزر کے قتل کا ذکر درد مندانہ طریق پر کیا ہے :

غالب ستم نگر کہ چو ولیم فریزرے
زینساں بہ چیرہ‌دستی اعدا شود ھلاک

یہ قصیدہ غالباً اسی دور کی یادگار ہے جب فریزر دھلی میں ریزیڈنٹ تھا اور زندہ تھا ، لیکن اس پر عنوان بعد میں یہ لگایا :

"ثنائے داور حق پرست ، .... بہ جرم
حق پسندی کشتہ زخم اھل جفا ، امیر با رائے

و فرهنگ و حاکم با هوش و هنگ سدبرالدوله
انتظام‌الملک صفوت یار خاں ولیم فریزر بہادر
صلابت جنگ''

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ولیم فریزر میرزا غالب کے حقوق کی پاسداری کے جرم میں مارا گیا ۔

ز جیبِ افق سپہر چوں سر برآرد ۔۔۔ مے از سبز مینا بہ ساغر برآرد
سن و بزمِ ولیم فریزر بہادر ۔۔۔ کہ از جیب ہر گوشہ گوہر برآرد
خہے دادگستر کہ گر در حضورش ۔۔۔ خسے داد از دستِ آذر برآرد

ق

کشد انتقامِ خس از شعلہ چنداں ۔۔۔ کہ دود از نہادِ ہر اخگر برآرد
گر از بیمِ عدلش نہ باشد ہراساں ۔۔۔ چرا شعلہ بر خویش خنجر برآرد
بہ ذوقِ کفِ دستِ گوہر فشانش ۔۔۔ بطِ بادہ از موجِ مے پر برآرد
بہ تاثیرِ اعجازِ خُلقِ عمیمش ۔۔۔ صبا جامۂ گل معطر برآرد

ق

سپہر احتشامے کہ گاہِ تجمل ۔۔۔ چو لشکر پئے عرض لشکر برآرد
ہوا از غبارے کہ زاں عرصہ خیزد ۔۔۔ فریدون و دارا و قیصر برآرد
ثریا بساطا ! فلک بارگاہا ! ۔۔۔ کہ قدرت وقر را موقر برآرد
تو آنی کہ در ہر خمِ نقشِ پایت ۔۔۔ زمیں کانِ گوگردِ احمر برآرد
ز تاثیرِ خاکِ رہت دور نبود ۔۔۔ کہ ہر ذرہ را کیمیاگر برآرد
فلک جملہ در بارگاہِ نوالت ۔۔۔ درآرد گدا و توانگر برآرد
بہ قصرِ جلالت نیارد رسیدن ۔۔۔ خور از پرتوِ خویش گر پر برآرد

بس‌است اینکه هرصبح بهرسجودش — سرے از گریبانِ خاور برآرد
نگاهے که از دعویِ گرمخونی — به دل در رود و ز جگر سر برآرد
امیدے که از تارِ دامانِ هستی — همه لعل و یاقوت و گوهر برآرد
نویدے که در هر نوردِ تبسم — پۓ فرقِ امید افسر برآرد
رهے را سرانگشتِ پرسش به‌لب زن — که شیون ز دستِ ستمگر برآرد
مگر بنده غمهاے دیرینه از دل — به فرمانِ فرزانه داور برآرد
کشد نالهٔ چند در بارگاهت — که هر یک سر از جیبِ دیگر برآرد
اگر ریزد از دیده پرکالهٔ دل — همانا که فردے ز دفتر برآرد
و گر بردماند ز لب برقِ آہے — شرارے ز طوفانِ آذر برآرد
غمے در دلستم که شورِ بیانش — جگرپاره از دیدهٔتر برآرد
فشارد چون اندیشه ام مغزِ جان را — همه ریزهٔ نوکِ نشتر برآرد
شنیدن ز سوزم به‌غلتد به داغے — که دود از نهادِ سمندر برآرد
رسیدن ز هوشم به بالد به سازے — که گرد از گزرگاهِ محشر برآرد
به دستت که تیمارِ خلق است‌کارش — به فرما که خارم ز بستر برآرد
نوائے که من در دعاے تو سنجم — حق از پرده آن را مصوّر برآرد
لواے جهانگیرِ کشورکشایت — سر از پردهٔ هفت کشور برآرد

جهان تا جهان است کارِ جهان را
به فرمانِ ولیم فریزر برآرد

*****

۴۱

در مدحِ کالون

جان رسل کالون (۱۸۰۷ء-۱۸۵۷ء) ہندوستان آنے کے بعد مختلف عہدوں پر مامور رہا۔ گورنر جنرل آک لینڈ کا پرائیویٹ سکرٹری (۱۸۳۶ء - ۱۸۴۲ء) ریزیڈنٹ نیپال (۱۸۴۵ء) گورنر تناسرم (۱۸۴۶ء)، جج صدر عدالت کلکتہ پھر صوبہ غرب و شمال کا لفٹنٹ گورنر (۷ نومبر 1853ء تا وفات جو ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔)

میرزا نے یہ قصیدہ بہ ہرحال ۱۸۵۴ء میں لکھا ہوگا۔

خیز تا بنگری بہ شاخِ نہال | طوطیانِ زمرّدیں تمثال
گاہ مرجاں دماندہ از منقار | گہ زبرجد فشاندہ از پر و بال
ہمہ آہنگ‌ساز و زمزمہ‌سنج | ہمہ دستاں‌سرائے و پردہ‌سگال
زاں مسیحی‌دمان و خضرلباس | زاں بہشتی وشانِ حور مثال
نشنوی یک ترانہ کش نبود | شورِ گلبانگ دیگر از دُنبال
کف زدن ساز کردہ برگِ درخت | رقص آغاز کردہ بادِ شمال
طوبی و طوطی و نوا و ہوا | نبود جز ترنمِ اطفال
نئے کلکِ من آں نہال استے | ویں معانی طیورِ فرخ فال

گفته باشی که خامهٔ رقّاص — خشک نے پاره ایست هیچ مبال
نغز گفتی و تن زدم آرے — نتوان جست کارِ ریشه ز نال
نطقم اندازِ نخلبندی کرد — رست سروے بسرزمینِ خیال
سرو با من همی دود پا جفت — تاک را می‌روم به استقبال
عالمے را براه می‌بینم — همچو خود بر جناحِ استعجال
جامه‌ها از نشاط رنگارنگ — جامها از شراب مالامال
گاه در نائے می‌دمند نفس — گاه بر کوس می‌زنند دوال
کرده بر سازِ نطق زخمه روان — بهم آهستگی تعال تعال
ناگهان از کنارهٔ وادی — شد نمودار موکبِ اقبال
جادهٔ راه و پرچمِ علمش — افقِ غربی و طلوعِ هلال
گفتی آفاق را گرفت فرو — فرِ فرمان‌روائے غرب و شمال
اسکوئر کالون که درگاهش — اهلِ دل را ست کعبهٔ آمال
داوران داورِ عدیم عدیل — سروران سرورِ محال همال
آن به معنی طلسمِ دانش و داد — آن به صورت جهانِ جاه و جلال

ق

گر پسیچد گزیدنِ ساعات — ور سگالد کشیدنِ اشکال
مهر تابنده گردد اصطرلاب — چرخ گردنده قرعهٔ رمّال
اے که باشی ز استقامتِ طبع — محورِ آسمانِ فضل و کمال
با تو نبود قرانِ قرینِ ترا — جز به خلوت سرائے فرضِ محال
الله الله چه مایه بےادبی است — مر ترا خواستن به فرض همال
به تو بخشیده حق جهانبانی — به جهان گوی کز نشاط ببال

با تو دارد زمانه در همه وقت | از تو جوید سپهر در همه حال

ق

کارسازی باهتمامِ تمام | سرفرازی بامتثالِ مثال
صبحگاہے به طالعِ فیروز | بەنشیں بر وسادۂ اجلال
مجلسے ساز کن ز باده و جام | خوشتر از بزمِ جم علی‌الاجمال
من ز خویش اندراں همایوں بزم | بەفزایم شکوه صفِ نعال
مے به ساغر ز ریزشِ خوناب | لب پُر آذر ز سوزشِ تبخال
همه بر رخ دویده سیلِ سرشک | همه بر دل نشسته گردِ ملال
زاں جگرپاره کاں به مژگاں ماند | بر سرِ چوب کرده جامۂ آل
رحم کن بر خموشیم که زباں | خوں چکان است گرچه باشد لال
مے خور و جرعۂ فشاں بر من | زاں فروزنده جوهرِ سیال
تا به سرمستی از سبک‌دستی | زنم اندیشه را رگِ قیفال[۱]
به ادائے که دیده‌ور داند | کز قلم می‌تراود آبِ زلال
منم از خستگانِ دهرۂ[۲] دهر | نه ز دل‌بستگانِ مال و منال
حیف باشد که جز ستم نه کند | آسماں در قلمروِ مه و سال
واں ستمهائے ناروا در شهر | شهره گردد به کیفرِ اعمال
از خوی شرم غرقِ جیحونم | مرده‌ام را چه حاجتِ غسال
نه ز اجزائے بوستانِ تو ام؟ | سبزه باشم نیم ، اگرچه نهال
به نظرگاهِ بوستاں‌آرائے | سبزه را کس چنیں کند پامال

---

۱ - وہ رگ جس سے خون نکالتا سر ، چھرے اور گلے کے لیے مفید ہوتا ہے -
۲ - ایک چھوٹی دو دھار والی تلوار -

به خدائے که داده از پۓ رزق کبک را بال و باز را چنگال
که نه‌دارم دریں سرائے دو در آرزوئے فزونیِ زر و مال
حاصلِ من ز هرچه می‌گزرد چار چیز است کش مباد زوال
کنجِ امن و سفینهٔ ز غزل مۓ ناب و پیالهٔ ز سفال
هم به گلبانگ خامه گرمِ سماع نه به آوائے جنبشِ خلخال
در معانی نظر نه چنداں دور که سیاهی کند غم خط و خال
نظمِ **غالب** نگر که پنداری کز کمیں‌گاه جسته خیلِ غزال
در گزرگه دمیده سنبل و گل در نظرگه گسسته سلکِ لآل
سپس اے والیِ سپهرشکوه سپس اے داورِ محیط‌نوال
از تو درخواه آبرو دارم گرچه ریزد خود آبرو به سوال
آبیار نهالِ اُمیدی بر خور از عمر و دولت و اقبال

عارضِ عیش را جمال دوام
شاهدِ بخت را دوام جمال

******

۴۲

در مدحِ هارڈنگ

ہنری ہارڈنگ (۱۷۹۵ء - ۱۸۵۶ء) محاربات نپولین میں انگریزی فوج کا افسر تھا ۔ ایک ہاتھ بھی لڑائی میں کٹ گیا تھا ، اس وجہ سے اسے ٹنڈا لاٹ کہتے تھے ۔ جولائی ۱۸۴۴ء سے جنوری ۱۸۴۸ء تک ہندوستان کا گورنر جنرل رہا ۔ اس کے عہد میں سکھوں کی پہلی جنگ ہوئی جس میں سکھ فوج نے شکست فاش کھائی اور دوآبہ بست جالندھر نیز مشرقی جانب کے تمام پہاڑی علاقے اور کثیر مقدار میں تاوان دے کر صلح کی ۔ یہ قصیدہ ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء کا ہونا چاہیے ۔ میرزا نے اس فتح پر ایک قطعہ بھی کہا تھا جس کی تاریخ ۲ فروری ۱۸۴۶ء بتائی ہے (ملاحظہ ہو کلیات نظم فارسی قطعہ ۳۰)

رسیدہ است بہ گوشم صدائے فتح‌الباب
ز ترکتازِ سپہ در قلمروِ پنجاب

مہمِ جنگ و جدل چوں بہ فتح انجامید
ز پیشگاہِ وفا فتح صلح یافت خطاب

ز بعدِ فتح اگر صلح اتفاق افتد
ظفر بود کہ ملقب بود بدیں القاب

زہے نوازشِ صلحے کزاں نوآئیں ساز
نویدِ فتح برآید ز جنبشِ مضراب

چو صلح اصلِ صلاح است فتح چوں نبود
صلاح بیں که هماں فتحه دارد از اعراب

علوِ حوصلهٔ ایں جہاں‌ستاناں بیں
که فتح را به صفا صلح کرده‌اند حساب

به جنگ ملک گرفتند و باز بخشیدند
چه فرخ است ظفر چوں بود بدیں فرتاب

روا بود که به‌بیچارگی شوند زبوں
سیه‌دلانِ سیه‌نامه پیشِ اهلِ کتاب

شود به نشرِ مناشیرِ عدل داد آباد
قلمروے که سوادش بود ز ظلم خراب

برو حسودِ من آں نیستم که نشناسم
سپهر را ز غبار و محیط را ز سراب

غنیم و لشکرِ منصور خاکِ خفته و باد
حریف و فوجِ ظفرموج شعلهٔ خس و آب

زبانه زد به زمان و فرونشست به دم
ز جا دوید بلند و ز پا فتاد شتاب

ز سعی طرف نه‌بندد خسِ فرومایه
به‌بال گرچه زند فالِ جستن از گرداب

ز دشنهٔ جان نه‌برد گوسپندِ قربانی
به شاخ گر چه کند قصدِ جنگ با قصاب

به حاکمانِ گرانمایه سرگزشتِ خسان
همان حکایتِ نخل است و پیچشِ لبلاب

دود و لیک نه‌گیرد غزال جاے پلنگ
پرد ولیک نه‌دارد تدرو بالِ عقاب

به پیشِ تیغ سرِ سرکشان فرود آمد
که نا گزیر بود سجده در خمِ محراب

نه دیده‌ای که ز آمد شدِ سپاهِ فرنگ
فرو گرفت زمین را تشنجِ اعصاب

نه دیده‌ای که ز آواے توپِ رعدخروش
دوید رعشه براندمِ چرخ چون سیماب

بدین دو چشمهٔ خون کز دو سو روان گردید
بود هر آینه پنجاب بعد ازین هفتاب

ورودِ لشکرِ نصرت‌اثر دران اقلیم
چنان بود بر بینندگانِ معنی‌یاب

ق

که گشته است همانا براے خلعتِ ملک
زمین حریرِ منقش ز نقشِ سمِ دواب

بسانِ کودکِ بدخو که بعدِ گریهٔ تلخ
بخسپد و رود از طبعِ دایه بیروں تاب

سپس بود منشِ روزگار آسوده
که رفت فتنه در آغوشِ روزگار به خواب

کنوں که ملک مطیع است و راه بے‌خس و خار
ز من بگو به فروشندگانِ بادۂ‌ناب

شرابِ قندیِ هندوستاں دماغم سوخت
ز شیره‌خانهٔ کشمیرم آورند شراب

به خاکِ تفته زنند آب تا خنک گردد
مگر به مے ز نهادم بدر رود تف و تاب

کدام تف تفِ هجرانِ آں صف‌آرایاں
که رختِ شاں به وغا برنیامد از سیلاب

به مطلعے دگر اینک کشم نوائے بلند
ز طبعِ غمزده برداشت باده بندِ حجاب

ز من مپرس که با غم چه میکند مئے ناب
چه می‌کند به جگرگاهِ دیو تیر شهاب

هوائے انجمن‌آرائیم فتاد بسر
شراب‌خواره تنے چند خواهم از احباب

که مے خورند، چو از باده رخ بر افروزند
به سوزِ رشکِ دلِ حاسداں کنند کباب

تو ای ندیم و تو ای ساقی و تو ای مطرب
بسوز عود و بہ‌پیمای و بساز رباب

کجائی اے مہِ خرشید جلوہ ہیں ساغر
کجائی اے بتِ ناہید نغمہ ہاں مضراب

معاشرانِ نکونام و فرخی فرجام
پس از ادائے سپاسِ مفتح‌الابواب

بہ بزمگاہ بیارید یک دو گلشن گل
بہ خاکِ راہ بپاشید یک دو دجلہ گلاب

بہ نامِ خویش بہ گیتی زنید نقشِ مراد
بہ بزمِ عیش بہ ساغر کنید لعلِ مُذاب[1]

بہ خاکِ راہ ز مستی مے آں قدر ریزید
کہ تا ابد دمد از خاک لالۂ شاداب

دہید بادۂ گلفام و چوں سلام کنم
ہماں بہ بادہ سلامِ مرا دہید جواب

بیفگنید قنادیلِ آبگینہ ز کف
بہ سقفِ حجرہ بہ‌بندید زہرہ و مہتاب

زنید چشمک آشام مے بہ یک دیگر
دمے کہ بردمد از بادہ در پیالہ حباب

دو جام بادۂ شیریں بہ من دہید کہ من
نہ خوش بود کہ بوم تلخکام زہر عتاب

---

۱ - لعل مذاب : پگھلا ہوا لعل یعنی شراب۔

یکے به شادیِ تسخیرِ صوبهٔ لاهور
دوم به فرخیِ عمر و دولتِ نواب

جهان ستان و جهان بخش هارڈنگ که هست
شهاب‌رمح و فلک‌توسن و هلال‌رکاب

زہے به مزرعِ امید ابرِ دریابار
زہے به مشرقِ فیض آفتابِ عالمتاب

ستاره روئی ترا گفته شمعِ بزمِ جمال
سپهر رائی ترا خوانده خضرِ راهِ صواب

حسود بختِ بلندِ تو بهمن و دارا
اسیرِ خمِ کمندِ تو رستم و سهراب

غبارِ راهِ تو پیرایهٔ نکوئیِ مُلک
چنان که موجبِ آرایشِ جمال نقاب

نگاهِ لطفِ تو سرمایهٔ فزونیِ عیش
چنانکه باعثِ افزایشِ نشاط شراب

سحاب را به تو در بذل نسبتے است مگر
تو دجله دجله فشانی و قطره قطره سحاب

عقاب را چو تو در پنجه قدرتے است ولے
تو شهر و قریه ستانی و کبک و صعوه عقاب

به پشت خم شده استاده و کشیده ز خویش
به پیشگاهِ نگاهِ تو صورتِ محراب

بگوی تا بنشیند مگر بیاساید
ستوه آمده چرخ از رعایتِ آداب

بلندپایه سرا گرچه من سخن‌سنجم
ولیک پیشهٔ آبا به عالمِ اسباب

سپهبدی بد و ز افراسیاب تا پدرم
همان طریقهٔ اسلاف داشتند اعقاب

دلاوران نگری تا پشنگ پشت به پشت
به پیشگاهِ تو چون خویش را شوم نسّاب

من آن کسم که بتوقیعِ مبدأ فیاض
شهِ قلمروِ نظمم دریں جهانِ خراب

همی کنم بقلم کارِ تیغ و ایں کارے است
شگرف و نغز و پسندیدهٔ اولوالالباب

خرد به عالمِ نظمم نهاده **غالب** نام
سروش نامِ مرا می‌برد بدیں القاب

به نامِ خویش خوشم زانکه بوده هم ز نخست
نشانِ غلبه پدیدار زیں خجسته خطاب

ز من به جوی فزوں زانکه در جهاں گنجد
اگر متاعِ وفا در جهاں بود نایاب

گزاف شیوهٔ من نیست راست می‌گویم
دریں زمانه مرا بودے ار زمانِ شباب

پئے شکستنِ کفار بستمے به نبرد
کمر به سرخوشیِ نیت حصولِ ثواب

وگر بجاے بماندم ز ناتوانائی
نه بخت خویشتنم تا بسر برم در خواب

ز بسکه کوششِ من بود در دعا شب و روز
دریں گرایشِ لشکر بجانبِ پنجاب

بهر مقام ز من چشم بود و از تو قدم
بهر خرام ز من دست بود و از تو رکاب

دمے که هم‌قدماں را به لطف بنوازی
مرا که گوشه نشینم به پرسشے دریاب

رسد عطیه به هنگامِ آب دادنِ کشت
به سبزهٔ لبِ چاه از تراوشِ دولاب

همیشه تا نبود جمعِ فصل غیر فصول
مدام تا نبود جمعِ باب از ابواب

ریاضِ طبعِ تو شاداب باد در هر فصل
موادِ عیشِ تو آماده باد از هر باب

*****

۴۳

در مدحِ ایڈمنسٹن

سر جارج فریڈرک ایڈمنسٹن (۱۸۱۳ء - ۱۸۶۴ء) پہلے صوبہ غرب و شمال میں رہا ۔ سکھوں کی پہلی جنگ میں شریک تھا ۔ پھر ان ریاستوں کا کمشنر مقرر ہوا جو دریائے ستلج کے جنوب میں تھیں ۔ پنجاب کا فنانشل کمشنر (۱۸۵۳ء) سکرٹری امور خارجہ (۱۸۵۵ء) اور آخر میں ۱۹ جنوری ۱۸۵۹ء سے ۲۷ فروری ۱۸۶۳ء تک صوبہ غرب و شمال کا لفٹنٹ گورنر رہا ۔

اس قصیدے کے متعلق بھی خیال ہے کہ یہ پہلے لکھا گیا تھا ۔ مخطوطہ علی گڑھ میں اس کا کچھ اور عنوان تھا جس کا ایک حصہ چھیل دیا گیا ۔ جو الفاظ پڑھے جاتے ہیں یہ ہیں ''در تہنیت نوروز......۱۲۷۸ء'' اگر یہ عنوان درست ہے تو اس قصیدے کو مارچ ۱۸۵۵ء کا سمجھنا چاہیے لیکن یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ ایڈمنسٹن کی مدح میں میرزا نے ایک قطعہ بھی کہا (ملاحظہ ہو کلیات نظم فارسی قطعہ نمبر ۳۱)

عجیب امر یہ ہے کہ یہ قصیدہ بھی نوروز ہی پر کہا گیا جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے :

روز نوروز است و آغاز بہار
جمع و خرج نوبہار آورد باد

باز پیغامِ بہار آورد باد / مژده بہرِ روزگار آورد باد
نیکوئی در رنگ و بو افزود دهر / تازگی در برگ و بار آورد باد
گنجِ بادآوردِ خسرو یک طرف / گنجہاے بےشمار آورد باد
گر ترنجِ زر نباشد گو مباش / زیں نمایش‌ها هزار آورد باد
شاهدِ گل تابِ مستوری نه‌داشت / مستش اندر رهگزار آورد باد
از هجومِ غنچه در صحنِ چمن / کودکانِ نے سوار آورد باد
نقشہاے دلفریب انگیخت چرخ / ابرهاے دجله‌بار آورد باد
کرد خونش گرم تابِ آفتاب / چشمه‌ها از کوهسار آورد باد
چوں سمن بشگفت گوهر در صدف / از کجا ایں کاروبار آورد باد
گر نه لعبت باز بود است از چه رو / لاله و گل را بکار آورد باد
گل بروے سبزه می غلتد به دشت / آرزوے سبزه‌زار آورد باد
جوشِ خوں در سینه جوشِ گل به باغ / هم نہاں، هم آشکار آورد باد
بوے گل شد، گر بخار انگیخت خاک / موجِ گل زد گر غبار آورد باد
حقِ خدمت می‌گزارند اهلِ جاه / باغباں را مزدِ کار آورد باد
خواں به یغما می دهند اهلِ کرم / خیلِ مرغِ میوه‌خوار آورد باد
از[۱] غمِ پائیز دستش بر خداست / شاهد از برگِ چنار آورد باد
گل هواے خسروی از سر گرفت / نیم تخت از شاخسار آورد باد
تا فزاید بادشاهی را شکوه / دورباش از نوکِ خار آورد باد

---

۱ - علی گڑھ کے مخطوطے میں یہاں ایک شعر ہے:

گرد رنگیں خاست بر چرخ از شفق / تاجہا از روزگار آورد باد

تاجے از زر ساختن فرسود گل　　قالبے از کوکنار آورد باد
رشحِ مے بر هر گیاه افشاند ابر　　بوے گل از هر کنار آورد باد
در الہ‌آباد[۱] چوں بازارگاں　　تحفۂ از هر دیار آورد باد
غنچه بنگر کز بیابانِ تتار　　نافۂ مشکِ تتار آورد باد
حسنِ گل بیں کز نگارستانِ چین　　گونه‌گوں نقش و نگار آورد باد
در زرِ گل گوهرِ شبنم فشاند　　بهرِ نذرِ شهریار آورد باد
کے به نذرِ شهریار ارزد همی　　ایں همه بهرِ نثار آورد باد
والیِ غرب و شمال ِاڈ منسٹن　　بر وے ایماں بنده‌وار آورد باد
روزِ نوروز است و آغازِ بهار　　جمع و خرجِ نوبهار آورد باد
در نظرگاهش پئے تجدیدِ حکم　　دفترِ امسال و پار آورد باد
تا بیاراید بساطِ انجمن　　از رگِ گل پود و تار آورد باد
تا بیاساید مشامِ اهلِ بزم　　خویشتن را مشکبار آورد باد
تا نماید زورِ بازویش به شیر　　در دلش ذوقِ شکار آورد باد
بادپاے بهرِ داور خواستند　　رفت و بر خویشش سوار آورد باد
در روش از ذره‌هاے خاکِ راه　　هفت اختر در شمار آورد باد
تا بشوید پاے توسن را ز گرد　　رخ به سوے جویبار آورد باد
تا ببوسد آں هلال‌آسا رکاب　　آب را در رهگزار آورد باد
نسترن زارے به صحرا عرضه داشت　　خیمه‌هاے زرنگار آورد باد
گل زمین و بزمِ عیش و وقتِ خوش　　رامش از بانگِ هزار آورد باد

---

۱ - الہ آباد کا ذکر اس لیے آیا کہ صوبہ غرب و شمال کے دو مرکز تھے ، ایک آگرہ ، دوسرا الہ آباد - پہلے یہاں "جہاں آباد" تھا -

بودش اورنگِ سلیماں در نظر — جاے کرسی در شمار آورد باد
سوے من کز گوشہ گیرانم بہ شہر — چوں نویدِ روزبار آورد باد
ساز و برگِ مدحتِ گیہاں خدیو — ہرچہ من گفتم ببار آورد باد
تا نماید حسنِ طبعِ من بہ من — آب را آئینہ‌وار آورد باد
کلبۂ درویش را نبود چراغ — برق در شبہاے تار آورد باد
غالب ایں گفتار کز پندار نیست — بر لبم بے‌اختیار آورد باد
دیدہ‌ور داند کہ از نظمم ببزم — سلک دُرِّ شاہوار آورد باد
در بہاراں تا سرایند اہلِ دہر — رنگ ہا بر روے کار آورد باد

شاد باد اڈمنسٹن کز بہرِ او
خواہد اینہا بار بار آورد باد ۱

---

۱ - اس قصیدے کے جو شعر چھوڑے گئے ، یہ تھے :

نامدار مشتری انگشتری — بر وے ایماں بندہ‌وار آورد باد
آں ہمایوں تخت کش بردی بدوش — باز بہر تاجدار آورد باد
واں درفش کاویانی را ز پارس — جانب دہلی دیار آورد باد
از رخ من کز غم ہجر است زرد — برگ‌ریز اندر بہار آورد باد
بخیۂ زخم دلم را بامداد — تارے از گیسوے‌یار آورد باد
زخم را با مشک نتواں دوختن — یا رب ایں بہر چہ کار آورد باد
سوے بزم شہ کہ رنگیں گلشن است — ہم چو آیم بے‌قرار آورد باد
شاہ گفتم باد را تحسیں کند — کایں چنیں کامل عیار آورد باد
چوں عیار شہ گرفتم در کمال — زاں غرورم شرمسار آورد باد
مست خیزد مردم از بزم و مرا — مست برد و ہوشیار آورد باد

۴۴

در مدحِ کیننگ

چارلس جان ارل کیننگ (۱۸۱۲ء - ۱۸۶۲ء) انگلستان میں مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد فروری ۱۸۵۶ء میں ہندوستان کا گورنر جنرل اور جب ہندوستان کا انتظام براہ راست ملکہ کے ماتحت آ گیا تو وائسرائے مقرر ہوا۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ اسی کے عہد میں پیش آیا۔ نومبر ۱۸۶۱ء میں اس کی بیوی یہیں فوت ہوئی۔ مارچ ۱۸۶۲ء میں وہ عہدے سے سبک دوش ہو کر انگلستان روانہ ہوا۔ ۱۷ جون کو وفات پائی۔

میرزا کا یہ قصیدہ ۱۸۶۰ء کا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی شعر سے واضح ہے۔

ز سالِ نو دگر آبے بروے کار آمد
هزار و هشتصد و شست در شمار آمد

به ظلمتِ شبِ یلدا گریخت آذر ماه
خروشِ موکبِ دے مه ز رهگزار آمد

بدانکه خود سوم دے مه است چوں بینی
که روزهاے دسمبر به بست و چار آمد[۱]

---

۱ - یعنی دسمبر کی چوبیسویں اور ماہ دے کی تیسری تاریخ ہے۔

کفیلِ خوبیِ سال است ُیمنِ روزِ بزرگ
که فرخ و فرح‌افزاے و سازگار آمد

به صفرجدی بدانساں فزود مایۂ روز
که روز مایه فزوں سازِ روزگار آمد

به طاے جدی ز خود نقطۂ نہاد سپہر
مآت بیں که از احاد آشکار آمد

تو نقدِ عیش شمر نے سبیکه زر و سیم
که ایں براے تو، آں از پۓ نثار آمد

ز ُنه به ُنہصد اگر رفت نیز بس نبود
شمارِ حاصلِ ده روز ُنه ہزار آمد

مراد مدتِ الدک بود ازیں ده روز
حسابِ طولِ امل ورنه بےشمار آمد

چو زیں شمار زده باره ُنه نود بالد
پس از سه ماه به‌بینی که نوبہار آمد

مگر نظارۂ نیرنگِ روزگار کنیم
دریں طلسم که گوئی شگفت‌زار آمد

ہنوز گام نه‌سنجیده بادِ نوروزی
که بوے پیرہنِ گل ز ہر کنار آمد

ہنوز غنچه به گلشن نه‌گشته نافه کشاے
که بادِ صبح به ہر گوشه مشکبار آمد

نمایه‌هاے شگفت آور است و این هم نیست
که این نمود نه درخوردِ اعتبار آمد

به ناگزیر طریق از خرد پژوهش رفت
چه سیمیاست که اندر جهان بکار آمد

خرد به من ز رهِ مهر درمیان آورد
حکایتے که در اندیشه استوار آمد

سرود کز گل و بلبل سخن مگو کاینک
ز بارگاه نواے نویدبار آمد

ز ابر و نامیه بگزر که تازه روئیِ دهر
ز فیضِ مقدمِ نوابِ نامدار آمد

بدین ترانه من از جاے جستم و گفتم
که خسرو آمد و سلطان و شهریار آمد

مشیرِ خاصِ شهنشه که در جهانبانی
ستونِ بارگهش چرخ را مدار آمد

جهان‌ستان و جهاندار شیردل کیننگ
که شیر صیدگهش را کمین‌شکار آمد

بهر کجا که رود دادِ عیش چون نه دهد
که همرهش همه جا فتح سایه‌وار آمد

ز پرچمِ علمش سایه وقتِ افتادن
فرازِ کنگرِ این نیلگون حصار آمد

بدیں صفاتِ مقدس دگر چه اندیشم
مگر مسیح دریں خاکدان دوبار آمد

شنیده ای که پس از کیقباد و کیکاؤس
گرایشِ سوسیں کے به سوے غار آمد

رسید ملک به کیننگ بعدِ کیخسرو
که سخت‌کوش و خردمند و بختیار آمد

جهانِ بے سر و بُن را اگرچه شاهانند
شکوه و فرکئی آنِ ایں چهار آمد

سخنورے است که بر مسلکِ رعایت اسم
دریں نورد سخن زاں سه تاجدار آمد

وگر نه دولتِ جاوید دانشِ ازلی است
کسے که آمد ازو پیش پیشکار آمد

ز مطلعے که مرا در ضمیر می‌گزرد
قلم به زمزمه‌آموزیِ هزار آمد

بهار رفت دراں بزم و شرمسار آمد
چه گسترند بساطے که نیم‌کار آمد

به تیغ و گنج بود کارسازِ دشمن و دوست
یمینِ اوست که یاری دهِ یسار آمد

چنانکه میوه ز شاخِ نهال می‌خیزد
سرِ مخالفِ وے خانه‌زادِ دار آمد

زہے به ملک‌ستانی سکندرِ ثانی
که گوهرت شرفِ دوده و تبار آمد

ز نعلِ رخشِ تو به گداخت هم در آتشِ خویش
اگر براهِ تو ناگاه کوهسار آمد

هم از لقاے تو ناشاد شادماں گردید
هم از عطاے تو ناکام کامگار آمد

ز بندگانِ شهنشه من آں کسم که مرا
دعا طراز کلام و وفا شعار آمد

به کودکی شده‌ام ریزه‌چینِ خوانِ نوال
نهالم از ثمرِ پیش‌رس به بار آمد

ق

ولے ازاں همه مال و منال توقیعے
کم است آنچه به تحویلِ خاکسار آمد

ز یک دو جرعه فزوں مے فرو نه رفت بحلق
قدح به دستِ من از دستِ رعشه‌دار آمد

به پیریم ز تقاضاے طبعِ اوج گراے
خیالِ مدحِ شهنشاهِ روزگار آمد

به نذرِ شاه رواں داشتم سفینهٔ شعر
سفینهٔ که پُر از دُرِ شاهوار آمد

ز بارگاهِ سلاطین‌پناه سوے رہے
نظر فروزد و منشور در دو بار آمد

ق

پس از مشاهدهٔ آں دو نامهٔ نامی
که حرزِ بازوِ جانِ امیدوار آمد

ز پیش‌گاهِ جلالِ تو هم دو حسب‌الحکم
ذریعهٔ شرف و عز و افتخار آمد

ز من به چرخ حریفانه گفتگو که به‌بیں
چگونه شاهدِ مقصود در کنار آمد

ستاره را به من از دور چشمکے که فلاں
اساسِ کار نه‌دانی که پایدار آمد

مگر ستاره خبر داشت تا چه خواهد شد
نماند کار به ساماں چو وقتِ کار آمد

به ناگرفت چناں صرصرے وزید به دهر
کزاں بر آئنهٔ آسماں غبار آمد

شراره‌بار غبارے ز مغزِ خاک انگیخت
سیاه‌رو سپهے کاندریں دیار آمد

تو گوئی آنچه من آں را غبار می‌گویم
ز بهرِ کشتِ من ابرِ تگرگ‌بار آمد

دریں جگرگسل آشوب کز صعوبتِ آں
سپاهدارِ سپهری[۱] به زینهار آمد

گواهِ دعویِ **غالب** به عرضِ بے گنهی
همیں بس است که هر گونه رستگار آمد

نه در معامله کارش به بازپرس کشید
نه در مواخذه بیمش ز گیرودار آمد

چرا بود که به پیچد سر از طریقِ وفا
چنیں کسے که ز یک عمر زله خوار آمد

بدیں نشانه که از بندگانِ دیرین ست
به‌بخش جرم اگر خود گناهگار آمد

کنوں که شد ز تو زینت‌فزاے روے زمیں
سوادِ هند که چوں زلف تار و مار آمد

بیک دو جرعه مے روح‌پرورم دریاب
که هم چو جام به گردش سر از خمار آمد

غرض ز جرعهٔ مے لطفِ خاصِ تست که آں
مفرح است که نوشین و خوشگوار آمد

خطاب و خلعت و پنشن ز شاه می‌خواهم
هم از نخست بدیں وایه‌ام قرار آمد

پس از سه سال که در رنج و پیچ و تاب گزشت
سرِ گزارشِ اندوهِ انتظار آمد

۱- یعنی مریخ -

امیدِ کار بدان‌سان که داشتم دارم
برآر کار که فرصت ز کارزار آمد

مدیح را به دعا ختم می‌کنم که دعا
طریقِ مدح‌سرایانِ حق‌گزار آمد

دعاے من چه فزاید بران که خود ز ازل
سنینِ عمرِ تو افزون ز صد هزار آمد

۴۵

در مدحِ منٹگمری

سر رابرٹ منٹگمری (۱۸۰۹ء - ۱۸۸۷ء) ہندوستان ۱۸۲۸ء میں آیا - صوبہ غرب و شمال میں رہا - ۱۸۴۹ء میں لاہور کا کمشنر مقرر ہوا - پھر پنجاب ریونیو بورڈ کا ممبر بنایا گیا - جوڈیشیل کمشنر (۱۸۵۳ء)، چیف کمشنر اودھ (۱۸۵۸ء) لفٹنٹ گورنر پنجاب (فروری ۱۸۵۹ء - جنوری ۱۸۶۵ء) -

یہ قصیدہ ۱۸۵۹ء میں یا اس کے بعد کہا گیا -

خامہ دانی ز چہ سر بر خطِ مسطر دارد
سرِ مدّاحیِ لفٹنٹ گورنر دارد

منٹگمری کہ ہر آں کس کہ ز پیشش گزرد
داند از دیدنِ سیما کہ چہ در سر دارد

رازدانیش بداں پایہ کز اسرارِ ازل
بر مسیح آنچہ فرود آمدہ ازبر دارد

در اسیری ز جم و کے بود افزوں بہ شکوہ
کلہش خندہ بر آرایشِ افسر دارد

پنجمیں چرخ دگر نیست مقامِ مریخ
کاں چو سرہنگ کنوں جاے بریں در دارد

سہر دیدی که چساں دانهٔ شبنم چیند
همچنیں او ز جہاں تخمِ ستم بردارد

بسکه در عالمِ دارائی و کشورگیری
ورزشِ قتلِ عدو شادیِ دیگر دارد

بیقرار است چناں آهنِ تیغش که مگر
خار در پیرهنِ خویش ز جوهر دارد

توسنش راست جمالے که به هنگامِ خرام
عرق‌افشانیِ او ریزشِ اختر دارد

طالعِ کشورِ پنجاب ستاید یوناں
کایں چنیں والیِ والاے خردور دارد

داورا غالبِ عاجز که ستایش‌گرِ تست
گله از گردشِ ایں چرخِ ستمگر دارد

ذکرِ ایں فتنه که برخاست ز انبوهِ سپاه
به زبانے که قلم راست سراسر دارد

چوں دریں شهر ستم بهر که نامش دهلی است
دیدم آشوب که هنگامهٔ محشر دارد

بنده می‌خواست که بیروں رود اما بوجوه
نتوانست که از گوشه قدم بردارد

ماند و آئینِ وفا داشت دران عهد و هنوز
نیز آن قاعده با خویش مقرر دارد

جز ثنائے و دعائے که همی گفت، نگفت
و آنچه می گفت درین وقت هم ازبر دارد

وگر این نیز قصور است که تدبیر نه کرد
چه کند آن که نه گنجینه، نه لشکر دارد

بود با بنده در آن روز و هم امروز بجاست
خشت و خاکے که ازان بالش و بستر دارد

خود برین قول که ماتم زده و مُرده دل است
دو گواه از لبِ خشک و مژهٔ تر دارد

به گواهانِ دگر نیز گر افتد حاجت
دمِ سرد و رخِ زرد و تنِ لاغر دارد

از تو جز داد نخواهم که در آئینِ وداد
این چنین کار نه پاداش، نه کیفر دارد

هوسِ کارِ دگر نیست بجز شعر و شراب
اینت حرفے که لبم با لبِ ساغر دارد

من ثناخوانِ شهنشاهِ فرنگم که درش
نقشِ پیشانیِ دارا و سکندر دارد

آن شهنشه که کشد غاشیهٔ او بردوش
هر کجا هر که سرے درخور افسر دارد

آں کہ از پرورشِ روم بہ ہنگامۂ روس
منتے بر دلِ غم‌دیدۂ قیصر دارد

گفته‌ام مدحِ وے و یافته‌ام عزِ قبول
ویں نہ حرفے است کہ اندیشہ نہ باور دارد

لطفِ تکرار گواہ است کہ ایں حرف و سخن
بر لبم چاشنیِ قندِ مکرّر دارد

از دو منشورِ فروریختۂ کلکِ وزیر
بندہ تمغاے نشان‌مندیِ دفتر دارد

ہم چنیں در صلۂ مدح بہ افزایشِ قدر
دو سہ توقیع ز نواب گورنر دارد

خوش بود آبِ رخِ نامہ‌نگار افزودن
کہ ز رشحِ قلمِ چیف سکرتر دارد

اینک ایں خستہ‌دلِ غمزدۂ گوشہ‌نشیں
ہم چنیں مکرمت اُمید ز داور دارد

یعنی آں نامۂ نامی کہ چو گیرد در دست
بسرش بر نہد از دیدہ اگر بردارد

دیگر آہنگِ دعا دارم و از بہرِ شمار
از کواکب کفِ من سبحۂ گوہر دارد

جاوداں باشی و می داشتہ باشی در دہر
آنچہ در صفر حمل مہرِ منوّر دارد

و ز تُو ام باد بکاشانۂ خویش ارزانی
انبساطے کہ عطارد بہ دوپیکر دارد

۴٦

در مدحِ فتح الملک

ابوالفتح فتح الملک شہزادہ غلام فخرالدین عرف میرزا فخرو متخلص بہ رمز بہادر شاہ ثانی کا ولی عہد تھا جو شہزادہ دارا بخت کے انتقال کے بعد ولی عہد بنا تھا اور جولائی ۱۸۵٦ء میں ہیضے سے اس نے انتقال کیا۔ وہ میرزا غالب سے اصلاح بھی لیتا تھا۔ چار سو روپے سال اس نے میرزا کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔ میرزا ۲۷ جولائی ۱۸۵٦ء کے ایک مکتوب میں منشی نبی بخش حقیر کو لکھتے ہیں:

> ولی‌عہد کے مرنے سے مجھ پر بڑی مصیبت آئی۔ بس اب مجھ کو اس سلطنت سے تعلق بادشاہ کے دم تک ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سر دست یہ نقصان کہ وہ (ولی عہد) زین‌العابدین خاں کے دونوں بیٹوں کو میوہ کھانے کو دس روپے مہینا دیتے تھے، اب وہ کون دے گا؟

داورِ سلطاں‌نشاں آید ہمی سرورِ گیتی‌ستاں آید ہمی
داور و سرور چہ می‌گوی بگوی والیِ ہندوستاں آید ہمی
موکبے بینی کہ پنداری مگر نوبہارِ بےخزاں آید ہمی
واں‌گلستانے کہ نامش موکب است گر بہ سوے بوستاں آید ہمی

از خیابان بهر استقبال سرو — تا در گلشن روان آید همی
شهریاران نکته‌دانان بوده‌اند — شهریار نکته‌دان آید همی
مهربان بر خلق باید شهریار — شهریار مهربان آید همی
شهریاری با جوانی خوشتر است — شهریار نوجوان آید همی
نام شاهی از شهنشه یافته — با کف گوهرفشان آید همی
معدلت را منصب مشاطگی است — زینت افزاے جهان آید همی
لاجرم اهل زمین را ز آسمان — مژدهٔ امن و امان آید همی
در ولی‌عهدی به حکم پادشاه — با وے از شاهی نشان آید همی
آن که هرکس پیش وے غمگین رود — چون بیاید شادمان آید همی
آن که از بهر تماشاے رخش — مهر و ماه از آسمان آید همی
آن که چون آید خیالش در ضمیر — در تن اندیشه جان آید همی
از زبان بر دل نهم صدره سپاس — نام پاکش بر زبان آید همی
شاه فتح‌الملک غازی کش به دهر — دولت از در ناگهان آید همی
پیش وے از پیش اهل حل و عقد — پیک فرخ‌پے دوان آید همی
وانگه آن پیک همایون آورد — نامه کان حرز روان آید همی
نامه توقیع ولی‌عهدی بود — ملک و دولت ارمغان آید همی
بر سر خوانے که فیضش گسترد — ماه و پروین میهمان آید همی
از درش عریان گداے بے نوا — گوهر آما طیلسان آید همی
از دبستان کمالش مشتری — شرمسار امتحان آید همی
از فضاے رزمگاهش ترک چرخ — خستهٔ زخم سنان آید همی

هم به نیروے روانیهاے حکم　　چرخ تیغش را فساں آید همی
هم به فرمانِ فزونیهاے زور　　قوس تیرش را کماں آید همی
پیشِ وے سرمایهٔ دریا و کاں　　آشکارا و نہاں آید همی
آشکارا و نہاں بخشد به خلق　　هرچه از دریا و کاں آید همی
رازدانا ! گر نویسم دردِ دل　　داستاں در داستاں آید همی

ق

بگزرم از داستاں خواهم سرود　　آنچه درخوردِ بیاں آید همی
پیش از آں لفظے که آرم بر زباں　　خوں ز چشمِ خوں فشاں آید همی
بسکه می‌سوزد ز لفظِ سوزناک　　از قلم بوے دُخاں آید همی
بعد ازیں نبود بعید از کلکِ من　　گر صداے الاماں آید همی
غم سراپاے مرا درهم فشرد　　دفعِ غم از من چساں آید همی
تا چناں روداد کاوازِ شکست　　هر دم از هر استخواں آید همی
بسکه از آمیزشِ قوسم ملول　　نفرتم از تواماں آید همی
خانه زنداں است و من ساکن دراں　　از سیه‌روزی هم آں آید همی
خود به هنگامِ غروبِ آفتاب　　مرغ سوے آشیاں آید همی
با جهاں داور ز غمهاے جهاں　　گفتگوے درمیاں آید همی
کایں ورق را بیند و یاد آورد　　کاینک از نزدِ فلاں آید همی
غالبش نام و گداے درگهست　　در گدائی مدح‌خواں آید همی
مصرعے از خود کنم تضمیں که آں　　شرحِ مقصد را ضماں آید همی
در نظرگاهِ جهاں‌داور ز غیب　　هر چه از دریا و کاں آید همی

پارۂ لختے قلیلے زاں ہمہ   بہرۂ ایں ناتواں آید ہمی
در دعاے داورِ فیروز بخت   رنگِ فیروزی عیاں آید ہمی
توسنش را باد سیرے کش بہ راہ   فتح و نصرت ہم عناں آید ہمی

رایتش را باد شانے کش سلام
از درفشِ کاویاں آید ہمی

*****

۴۷

در مدحِ فتح‌الملک

ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ عیدالفطر کے موقع پر کہا
گیا، جیسا کہ آخر میں میرزا نے خود تشریح
کر دی ہے۔

زہے بتانِ مغان‌شیوه دادخواهانش
ز دستهاے حنابسته گُل بدامانش

به رخ نقاب چه بندد که از فروزشِ رنگ
درونِ جامه توان دید نیز عُریانش

فریبِ وے که خورد هرزه کز فروغِ جمال
بود چو روز عیان رازهاے پنهانش

دراز به سخنِ زلف، نازم ابرِ سیاه
سهیل و زهره و مه قطره‌هاے بارانش

چه خیزد ار پے ساقی‌گری کمر بندد
که رخنه در بنِ ساغر فگنده مژگانش

دلم شکست و ز آهم دلش خراش گرفت
ز شیشه‌ریزه فگار است روے سندانش

چه رفت بر سرِ دل تا گسست پیمان را
دلِ ستمزده بستم چرا به پیمانش

فریبِ پرسش پنهان نگر که من همه عمر
به ذوقِ وصلِ ابد ساختم به‌هجرانش

وفا نگر که پشیمانم از وفا و هنوز
به‌رنجم ار ز جفا بنگرم پشیمانش

دلِ شکسته نه‌بینی و با تو بحث خطاست
سرِ شکستهٔ من بیں ز چوبِ دربانش

دگر چه سود ز دعوت مگر به خشم آرم
ز تابِ گرمیِ هنگامهٔ پریخوانش

گہے به ناز بدر جسته از جگر تیرش
گہے ز مہر به دل جا گزیده پیکانش

کسم به خود نه پزیرفت و دهر بازم برد
چو نامهٔ که بود نانوشته عنوانش

ز خونِ دیده مگر شیشهٔ کنم لبریز
دلے که رفت ز من بر من است تاوانش

به بزمِ عشق کسے شاهدانه ناز کند
که چاک چاک بود همچو گل گریبانش

در آن مقام که ساقی قدح بگرداند
چرا سخن رود از خضر و آبِ حیوانش

فغاں کہ خورد هماں بر پئے نخستیں پاے
پس از بریدن راهے کہ نیست پایانش

سخن بہ همدمِ دیرینہ بہ کہ آں خوشخوی
اداشناسِ من است و منم زباں‌دانش

از آں بہ گلشنِ گیتی نشاط می‌ورزی
کہ بوے زهر همی‌نشنوی ز ریحانش

چو عمرِ رفتہ متاعے بود کہ رهزن برد
خوش ست گر نہ‌سگالیم نفع و نقصانش

مباش بیخبر از چاکهاے سینۂ گل
بدیں نظر کہ چو مستاں لبے است خندانش

چو نالہ همدمِ باد است ریشۂ نخلش
چو سایہ خفتہ بہ خاک است نخلِ بستانش

ز نوبهار چہ جوئی و سرو و شمشادش
ز روزگار چہ گوئی و ریو و دستانش

ق

بہ پیرِ خانقهم در امورِ دیں روداد
ستیزۂ کہ نیارم شمرد آسانش

ز من بگوی بہ فرزانۂ زبانہ‌زباں
کہ سوخت جبهۂ دعویٰ ز داغِ برهانش

بسوز غالبِ آزادہ را و باک مدار
بشرط آنکہ تواں گفت نامسلمانش

چگونہ سوختنی بودہ باشد آں کہ خورند
مغانِ آدر[1] برزیں[2] قسم بہ‌ایمانش

چگونہ بیخبر از دیں بود سہی کیشے
کہ چرخ در ششمیں بار خواندہ ساسانش[3]

اگر بہ صلح گراید دعا کنم کہ بہ خلد
فگار باد لب از دستبوسِ رضوانش

وگر بہ جنگ درآید بیا کہ زود نہ دیر
برم بہ پیشِ خداوندِ حق‌پرستانش

نتیجۂ شرفِ مہر و ماہ فتح‌الملک
کہ خواندہ خسروِ انجم‌سپاہ سلطانش

نظر بہ منظرِ جاهش بود سرم بر پشت
اگرچہ بنگرم از سقف کاخِ کیوانش

بہ خلق رخ نہ نماید شبانہ اخترِ روز
ز رشکِ روشنیِ شمع در شبستانش

---

۱ - آدر یعنی آذر یہ معنی آگ -

۲ - آتش پرستوں کا ایک مشہور قدیم آتشکدہ -

۳ - یعنی جسے آسمان نے ساسان ششم کہا - ساسان، بہمن بادشاہ کے بیٹے کا نام تھا - بہمن نے اپنی بیٹی ''ہما'' سے شادی کر لی اور سلطنت کے لیے اسی کو نامزد کر دیا - ساسان بہمن کے ڈر سے روپوش ہو کر یزداں پرستی میں مصروف ہو گیا - ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے تھے - ساسان پنجم تک ہر بیٹے کا نام باپ کے نام پر ''ساسان'' ہی رہا - میرزا نے کہا کہ آسمان مجھے ساسان ششم کہتا ہے -

برای بیضه نهادن شگون شمرده هما
نورد پیچ و خمِ پرده‌های ایوانش

شمرده‌اند بزرگان بزرگِ آفاقش
نوشته‌اند خدیوان خدیوِ گیهانش

چرا به همسریِ جم سرش فرود آید
یگانهٔ که بود باد گر به فرمانش

ز باد کار نه‌گیرد خدا نگهدارد
ز ننگِ نسبتِ هم‌چشمیِ سلیمانش

کسے که ابر کفش گفته دَر دُرافشانی
نه‌دیده ریزشِ ابر کفِ دُرافشانش

پُر است دامنِ دهر از دُر و هنوز بجاست
هزار گنج به تحویلِ ابرِ نیسانش

خجسته شاه‌نشانا و انجم انجمنا!
نگر به **غالب** و کلکِ بهارسامانش

به پویه بُرد گرو از نسیمِ نوروزی
درین تموز که سوزد نفس ز نیرانش

به‌بین که روزِ دراز و سموم و تابشِ مهر
چه رستخیز بود در نهادِ انسانش

سموم خورده گریزد در آب اینک مهر
که اوفتاده ز جوزا گزر به سرطانش

مدان که تاب و تفِ روزه داردم رنجور
که داغم از مه و خورداد و بادِ سوزانش

گداخت روزهٔ گرما روانِ گویا را
مگر به دهر فرستند در زمستانش

نشاطِ این شهِ فرخنده‌فر ازانان پرس
که دیده‌اند پس از آفتاب میزانش

کنون که گرم روی کرد و روزِ عید رسید
ز تابِ روزه و آن سوزهاے پنهانش

به تارِ نالِ قلم دستهٔ گلے بستم
بروزِ عید نهادم بطاقِ نسیانش

چرا نه زمزمهٔ سازِ قدسیان باشد
دعاے آنکه بود چوں منے ثناخوانش

به صرفه حرف زدم در دعا که می‌خواهم
درنگ و دیر دریں کهنه دَیر چندانش

که صد هزار رود بلکه بگزرد ز شمار
شمارِ عید در آردی‌بهشت و آبانش

*****

۴۸

در مدحِ فتح‌الملک

یہ قصیدہ بھی شہزادہ ولی عہد کی مدح میں ہے

بازم نفس از سینه به هنجار برآمد
شد زخمه رواں، زمزمه از تار برآمد

گویند که در روزِ الست از رهِ مستی
حرفے ز لبِ کافر و دیندار برآمد

آں از "نعم" آوازهٔ انکار درافگند
ایں را ز "بلیٰ"، معنیِ اقرار برآمد

آں آب که از خاک همی سبزه دماند
در طینتِ آهن همه زنگار برآمد

در دستِ یکے آبله زد دانهٔ تسبیح
بر دوشِ یکے رشته ز زنار برآمد

زانگونه درآمیخت یکے با صنمِ خویش
کش نقشِ دوپیکر به نمودار برآمد

زاں رنگ جگر خست یکے را ستمِ ہجر
کش لختِ دل از دیدۂ خونبار برآمد

شبرو کہ نہ مرد است بہ‌دزدیدنِ کالا
از زاویہ پنہاں بہ شبِ تار برآمد

شب‌گرد کہ مردانہ و فرد است پئے پاس
در کوچہ بگردید و بہ بازار برآمد

راندند یکے را کہ چو لب تشنۂ مے رفت
ہم تشنہ لب از خانۂ خمار برآمد

خواندند بداں سہر کہ از کعبہ یکے را
آوازِ بیا از در و دیوار برآمد

آں روفت درِ میکدہ و خردۂ زر یافت
ایں کوفت درِ صومعہ و مار برآمد

شوریدہ ادائے بہ دمِ تیشہ رواں داد
آشفتہ نوائے بہ سرِ دار برآمد

آسودہ بہ فردوس‌بریں آدم و ناگاہ
از دمدمۂ دیو تبہ‌کار برآمد

آں یک کہ برآمد چہ قدر نام برآورد
ویں یک کہ برآورد چساں خوار برآمد

مرغانِ چمن عربدہ بنیاد نہادند
مہر از اُفقِ گنبدِ دوار برآمد

گرد از رہ و افغاں ز لب و دود ز آتش
گوہر ز شط[۱] و لعل ز کہسار برآمد

بے شائبۂ جنبشِ کلک و صدفِ رنگ
چندیں صور از پردۂ پندار برآمد

ایں دائرہ کز دور نیاسود ز مانی
بے واسطۂ گردشِ پرکار برآمد

ہر حسن کہ اندر پسِ ایں پردہ نہاں بود
گوئی ہمہ از پردہ بہ یک بار برآمد

ہم حسن بہ اندازۂ مستوریِ خود ماند
ہم کامِ دل و دیدہ ز دیدار برآمد

نشگفت کہ یوسف بہ میاں داشتہ باشد
دلوِ من ازیں چاہ گرانبار برآمد

پر گفتم ازیں راز و لے چوں نگرستم
ناگفتہ و نایافتہ بسیار برآمد

درشب زدم ایں نغمہ کنوں چوں دمِ صبح است
از روز بہ بینم کہ چہ مقدار برآمد

امروز کہ ہنگامۂ عید رمضان است
از سینہ تفِ روزہ بہ افطار برآمد

---

۱ - شط عربی میں ط کی تشدید سے ہے، لیکن فارسی والے بلا تشدید بھی باندھتے ہیں، بہ معنی ندی، دریا نیز کنارۂ دریا -

زاهد به نشاطی زده از حجره بدر گام
کز کنجِ قفس مرغِ گرفتار برآمد

در صبح هوا سلسله جنبان هوس شد
هر کس بروان کردنِ هر کار برآمد

رفتم که طرازم سخن از مدحِ ولی‌عهد
نامم همه در دهر به گفتار برآمد

سلطانِ کرم پیشه ابوالفتح که دستش
در بحر فرو رفت و گهربار برآمد

زیبد گلِ اقبالِ خداداد به فرقش
زانسان که توان گفت ز دستار برآمد

از طلعتِ تابندهٔ این کوکبه‌آرای
مهری دگر از مطلعِ انوار برآمد

آن کوکبه آرا که به هنگامِ ورودش
دارا پیِ دریوزه گداوار برآمد

در گوشهٔ هر باغ که بزمِ طرب آراست
چون شمع در آن باغ گل از خار برآمد

ریزد چو لبش حرفِ گرانمایه تو گوئی
گنج از درِ گنجینهٔ اسرار برآمد

با لشکرِ اژدرشکنِ قاف‌شگافش
هر سوخته‌اختر که به پیکار برآمد

ق

یا چہرہ شد و تیغِ دو دم بر سر و رو خورد
یا قلعه نشیں گشت و به زنہار[1] برآمد

اندازۂ اندازِ کرم بیں که به سائل
بخشید دوگیتی و خریدار برآمد

نا رفته به گلزار چو زاں سوے گزر کرد
هر نخل سراسیمه ز گلزار برآمد

با ثابت و سیار گرو بست به‌تابش
هر نکته که در مدحِ جهاندار برآمد

چوں نطق بدیں پایه رسانید سخن را
گفتم مگر از سعیِ من ایں کار برآمد

غالب به غضب گفت که دعوی نه پزیرم
گر خود ز قلم گوهرِ شهوار برآمد

رو، سازِ دعا کن که ثنا حدِ تو نبود
ایں بس که تمناے دلِ زار برآمد

آهنگِ دعا دارم اگر خود نه‌سرودم
مستم ز نواے که نه از تار برآمد

---

۱ - یعنی لشکر اژدر (اژدها) شکن بھی ہے اور قاف (کوہ) شگاف بھی - جس سیاہ بخت کو لڑائی کے لیے نکلنا پڑا، سامنے آتے ہی دو دھار کی تلوار اس کے چہرے اور سر پر پڑی یا بھاگ کر قلعے میں جا بیٹھا اور پناہ کا خواہاں ہو گیا -

من در گروِ کوشش و به زانکه بسیچم
مقصودِ من از طالعِ بیدار برآمد

سلطانِ جهان آنچه خود از حق به دعا خواست
آمین ز لبِ ثابت و سیار برآمد

******

۴۹

در مدحِ نصیرالدین حیدر

اس قصیدے کے متعلق مخطوطہ رام پور میں ہے :

> ''گرایش خیال بہ لکھنو بہ سرو برگ ذریعہ این
> قصیدہ و نگارش پزیرفتن مدح شاہ اودھ در جریدہ
> و بہ ورق یادگار ماندن مدح بہ ممدوح نارسیدہ
> از عالم مستی بہ بوی بادہ نا کشیدہ ۔''

لیکن اس کا معاملہ عجیب ہے ۔ ابتدا کے بڑے حصے کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لکھا گیا جب میرزا پنشن کے مقدمے کے لیے کلکتہ روانہ ہو گئے تھے اور قصد تھا کہ جاتے جاتے لکھنو میں بھی ٹھہریں ۔ انھیں یقین ہو گا کہ بادشاہ کا قصیدہ کہیں گے تو اتنی رقم مل جائے گی جس سے مصارف سفر پورے ہو جائیں ۔ وہ لکھنو میں خاصی دیر ٹھہرے ۔ خود فرماتے ہیں کہ میرا ذکر معتمدالدولہ تک پہنچا اور ملاقات کا انتظام ہوا ۔ اس وقت قصیدہ نہ کہا جا سکا اور صنعت تعطیل میں ایک نثر لکھ لی لیکن ملاقات اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ میرزا نے ملاقات کی جو شرطیں پیش کی تھیں وہ منظور نہ ہوئیں ۔ اس زمانے میں غازی‌الدین حیدر فرمانروائے اودھ تھے ۔ ان کے بعد نصیرالدین حیدر بادشاہ ہوئے اور یہ قصیدہ نصیرالدین حیدر ہی کی مدح میں ہے ۔ چونکہ اس میں روشن‌الدولہ کی وزارت کا ذکر ہے اور وہ نومبر ۱۸۳۲ء میں وزیر اعظم مقرر ہوا ، اس لیے یہ قصیدہ بہ ہرحال اس تاریخ کے بعد کا ہے ۔

خود میرزا نے اس قصیدے کی سرگزشت میرزا تفتہ کے ایک خط میں یوں لکھی ہے :

"یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن‌الدولہ کے پاس اور روشن‌الدولہ کے توسط سے نصیرالدین حیدر کے پاس گزرا اور جس دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا کہ تم دریافت کر کے لکھو، میرے قصیدے پر کیا گزری۔ انھوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار ملے، تین ہزار روشن‌الدولہ نے کھائے اور دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو۔"

پھر ناسخ نے غالب سے ایک خط منگایا تاکہ خود نصیرالدین حیدر سے کہہ کر معاملہ درست کرائے۔ ادھر یہ خط گیا اور ادھر شہر میں خبر اڑی کہ نصیرالدین حیدر مر گیا۔ میرزا خود میر احمد حسین میکش کو لکھتے ہیں :

نصیرالدین حیدر مدح شنید، زر بخشید، روشن‌الدولہ و منشی محمد حسن پاک خوردند و پشیزی بہ من نہ رسید (باغ دو در ص ۱۷۵)

میرزا نے یہ قصیدہ عرفی کے مشہور قصیدے پر کہا تھا۔

گر بہ سنبل‌کدۂ روضۂ رضواں رفتم
ہوسِ زلفِ ترا سلسلہ‌جنباں رفتم

کارفرمائیِ شوقِ تو قیامت آورد
مُردم و باز بایجادِ دل و جاں رفتم

حالم از کثرتِ خونابه فشانی دریاب
که به تاراجِ جگرکاویِ مژگان رفتم

همتے بود به قطعِ رهِ هستی درکار
جاده کردم ز دمِ خنجرِ بُران، رفتم

جز در آئینه نه‌دیدم اثرِ سعیِ خیال
هر قدر بهرِ طلبگاریِ انسان رفتم

تابِ جذبِ نگہم رنگ به گل نگزارد
به هواداریِ بلبل ز گلستان رفتم

نتوان سنتِ جاوید گوارا کردن
هم چنان تشنه ز سرچشمهٔ حیوان رفتم

بازگشتے نبود گر همه هوشم بخشند
راهِ صحرائے خیالِ تو چو مستان رفتم

مو به مویم خبر از جلوهٔ نازے دارد
به خیالے که چنیں آئنه‌سامان رفتم

ذوقِ غم حوصلهٔ لذتِ آزارم داد
پائےکوبان به سرِ خارِ مغیلان رفتم

شنبه آدینه شد از شهرتِ دیوانگیم
راهِ آزادیِ اطفالِ دبستان رفتم

پائے پُر آبله ذوقِ سفر افزود مرا
راهِ بیدائے بلا از بُنِ دندان رفتم

حالِ من بنگر و از عاقبتِ کار مپرس
عمرِ خود گشتم و در غصه به پایان رفتم

بسکه تاریکیِ شبهاے جدائی دیدم
سایه گردیدم و بیخود ز شبستان رفتم

ناروا بود به بازارِ جهان جنسِ وفا
رونقے گشتم و از طالعِ دکان رفتم

سعی در بابِ رهائی نبود غیرِ فنا
دودِ آہے شدم از روزنِ زندان رفتم

تا سبکروحیِ من رنجِ گرانی نه‌کشد
شبِ وصلے شدم و زود بپایان رفتم

زحمتے بر نفسِ اهلِ طرب ریخته‌ام
خوابِ خوش گشتم و از یادِ عزیزان رفتم

پاے خوابیده مدد کرد و سرآمد شبگیر
هم چو شمع آخر از این انجمنستان رفتم

تا دگر رنجِ جلوداریِ مجنون نه‌کشند
بهرِ آرامشِ طفلان به بیابان رفتم

ننگِ هم‌طرحیِ مرغانِ گرفتارم کشت
بستم از زمزمه منقار و ز بستان رفتم

تا نه باشد المے، ترکِ وطن نتوان کرد
مشکلے در نظر آوردم و آسان رفتم

چهره الدوده به گرد و مژه آغشته به خون
خود گواهم که ز دهلی به چه عنوان رفتم

اضطرار آئنه‌پردازِ جلای وطن است
نه به دل رفتم از آن بقعه بل از جان رفتم

هم جگرتفته ز کین‌خواهیِ اغیار شدم
هم دل‌آزرده ز بےسهریِ خویشاں رفتم

از تعلق نبود رو به قفا رفتنِ من
وحشتے بردم از احباب و هراساں رفتم

ایمن از فتنهٔ عیاریِ عیارانم
با چنیں تجربه کز یاریِ یاراں رفتم

به سفر تا نه‌کشم رنجِ نگهبانیِ خویش
بےسرانجام تر از خوابِ نگهباں رفتم

منت از خویش به‌اندازهٔ طاقت دارم
که بدیں بارِ المهاے فراواں رفتم

منتِ ساز ز ارباب خجالت دارد
خجلتے نیست اگر بےسروساماں رفتم

نگہم نقب به گنجینهٔ دلها می‌زد
مژده باد اهلِ ریا را که ز میداں رفتم

نقشِ آوارگیِ بود به پیشانیِ من
پا ز سر کردم و سر بر خطِ فرماں رفتم

داغِ حسرت به دل و شکوۂ اختر به زباں
منت از بخت که بسیار به ساماں رفتم

وا شد آں بند که بر پاے جہاں‌پیما بود
شش جہت گشتم و سر تا سرِ گیہاں رفتم

گاه از ولولۂ نازشِ جادورقمی
سخنِ خود شدم و تا به صفاہاں رفتم

گه به حکمِ ہوسِ تربیت و عرضِ کمال
مہرِ تاباں شدم و سوے بدخشاں رفتم

گه ز جاں بخشیِ انفاسِ دروں پرورِ خویش
بوے یوسف شدم از مصر به کنعاں رفتم

گوش‌تابی دہم اندیشۂ خود را که عبث
جادۂ رفتم و رفتم، چه پریشاں رفتم

بیخودی بادیه‌پیماے تحیر شدن است
نه به کاشانه کشیدم نه به کاشاں رفتم

پرفشاں بودم و بیروں ز خودم راه نه‌بود
موجِ گوہر شدم و پاے بداماں رفتم

لکھنئو دامِ نشاطے سرِ راہم گسترد
بیخود از ولولۂ شوق پرافشاں رفتم

طاقتِ عرضِ غبارے به کفِ خاکم نیست
زیں چه خیزد که به جولانگہِ خوباں رفتم

جلوه در طالعِ خاشاکِ من افتاد زبون
شد غلط جادهٔ گلخن، به گلستان رفتم

کاش می‌سوختم و دادِ فنا می‌دادم
شرم بادا که بداں تازه خیاباں رفتم

تشنهٔ بحرِ تماشا شدنم صرفه نه‌کرد
که ز جوشِ عرقِ شرم به طوفاں رفتم

سبزهٔ رنگِ طراوت به خزاں باخته‌ام
خس شدم تا به چراگاهِ غزالاں رفتم

خارِ خشکم سرِ آتشکده کاوے دارد
فرصتم باد که بسیار به ساماں رفتم

اندراں بقعهٔ معمور ز دل‌تنگیِ خویش
حسرت‌آگیں چو گنهگار به زنداں رفتم

متحیر که کجا می‌برد آوارگیم
متالم که دریں مرحله از جاں رفتم

ناگہاں از اثرِ مرحمتِ طبعِ بہار
شد بلد نکہتِ گل، جانبِ بستاں رفتم

شمعِ بختِ جگرِ تشنه فروزاں گردید
کاندراں نور به سرچشمهٔ حیواں رفتم

از جفاے فلک آهنگِ تظلم کردم
به درِ بارگهِ خسروِ گیهاں رفتم

شاهِ جمجاه که دولت به درش ناصیه‌ساست
همچو دولت به درش ناصیه‌سایان رفتم

آن فریدون فرِ جمشید سهابت که به فخر
ز آستانش به سرِ مسندِ خاقان رفتم

حبذا رحمتِ عامے که ز فیضِ کرمش
همه درد آمده‌بودم، همه درمان رفتم

خاطرش راست فروغے که به یادش خود را
ذره آوردم و خرشیدِ درخشان رفتم

خواستم پایهٔ قدرش به خیال آوردن
به تنزل سوے اورنگِ سلیمان رفتم

در دل افتاد رهِ بارگهش سر کردن
اولیں گام فرازِ سرِ کیوان رفتم

شرحے از وسعتِ اخلاق وے آمد به ضمیر
ناز بالیدم و از عالمِ امکان رفتم

مهر را یافتم از شرمِ جمالش تهِ خاک
به عزاداریِ خرشیدپرستان رفتم

منظرش اوجِ قبول است ترقی کردم
پیکوش عیدِ نگاه است به قربان رفتم

خسروا در رهِ اندیشهٔ وصفت به خیال
هر قدم پا به سرِ سنبل و ریحان رفتم

حور گلچینیِ گلزار گریبانم کرد
چون به ذوقِ رُخِ تو سر به گریبان رفتم

چون شنیدم که ترا نائبِ مهدی گویند
بهرِ تسکیں به طلبگاریِ برهان رفتم

هم ز اسمت که دهد نصرتِ دینِ حیدر
صفتِ ذاتِ تو دانستم و نازان رفتم

حرفِ جودِ تو بهٔ‌لب بود که سر تا سرِ دهر
هم چو ابرِ مهِ نیسان گهرافشان رفتم

وصفِ نیروے سگِ کوے ترا زمزمه‌سنج
بامداداں که بر اطرافِ بیابان رفتم

ق

شیر دُم لابه کناں گفت بیارام که من
ناله گردیدم و اینک ز نیستان رفتم

خاکِ نقشِ کفِ پاے تو نشاں داد مرا
چون برِ عیسیِ مریم بۓ درمان رفتم

رعشه چون موج گرفت است سراپاے مرا
هر قدم راه دریں بادیه لرزان رفتم

شوق در راهِ تو چون گوی سر از پا نه شناخت
بسکه آسیمه سر از سیلیِ چوگان رفتم

ناتوانی به تواضع ادب‌آموزِ من است
پاے مورم رهِ کوے تو به مژگان رفتم

بر امیدِ کرمت بود که در عالمِ ضعف
ایں چنیں راہِ دراز ایں همه آساں رفتم

اے باخلاقِ حسن آیهٔ رحمت بر خلق
از حضورت به تماشاگهِ رضواں رفتم

هم ز خُلقِ تو شنا در دلِ کوثر کردم
هم ز بزمِ تو به عشرت‌کدهٔ جاں رفتم

بزمِ دستورِ ترا قطعهٔ گلشن گفتم
چوں به دیدم هم ازاں گفته پشیماں رفتم

روشن‌الدوله بهادر که به ایثار و عطا
حاتمش گفتم و شرمندهٔ نقصاں رفتم

برمکیدند همه برمکیاں[1] زهر ز رشک
چوں ثناخوانِ سخایش برِ آناں رفتم

تو سلیمانی و او آصف و من مورِ ضعیف
راهِ نسبت طلبی بیں که چه شایاں رفتم

به ویم بسپر و بنویس براتم بر وے
تا به‌دانم که به آصف ز سلیماں رفتم

سرِ ایں رشته نگهدار که در راهِ طلب
قدمے بود که سنجیدم و پنهاں رفتم

---

۱ - یعنی آل برمک ، جن میں سے تین افراد نے عباسیوں کے اوائل عهد میں کمال عروج حاصل کیا۔

نیستم مبرم و بر طبع گرانی نه‌کنم
از تو فرمانِ عطا و ز توے احسان رفتم

ناز پروردهٔ خلوت‌گهِ آزادگیم
کافرم گر به سراپردهٔ سلطان رفتم

صله جو نیستم و شعرفروشی نه‌کنم
راهِ مدحِ تو به سرگرمیِ ایمان رفتم

مدتے در وطن از کثرتِ سرمستیِ شوق
جادهٔ مرحلهٔ عمر پریشان رفتم

گاه دیوانه‌صفت سیرِ بیابان کردم
گاه مستانه به گلگشتِ گلستان رفتم

گه چو بلبل سرِ دیوارِ چمن بگزیدم
گه ز پروانگیِ دل به چراغان رفتم

سازِ هنگامه نه اندرخورِ طاقت کردم
راهِ مستی نه به اندازهٔ سامان رفتم

قطره ام قطره ولے حالِ خرابم دریاب
که ز دریادلیِ خویش به طوفان رفتم

چشمه و جو نه‌کند چارهٔ لب تشنگیم
آب جویان به لبِ قلزم و عمان رفتم

من هم از خیلِ کریمانم و خجلت نبود
گر به دریوزه بدرگاهِ کریمان رفتم

آمدم بر درِ گنجورِ علیؑ مدح‌سرائے
نه به درکوبیِ گنجینهٔ خاقان رفتم

مدحتِ نائبِ مہدیؑ ز محبت باشد
شادمانم که به هنجارِ محبان رفتم

از غلامانِ علیؑ ساخت ولائے تو مرا
تهنیت خواه برِ بوذرؓ و سلمانؓ رفتم

نازشِ قطره به دریا ست، تکلف موقوف
تمرد بودم به سجودِ شهِ مردان رفتم

شایگاں گشت قوافی همه در نامهٔ شوق
بسکه بے خویش به آرایشِ عنواں رفتم

آب و رنگِ سخنم بنگر و معذورم دار
گرچو عرفی رهِ فخریه به هذیاں رفتم

شرفِ ذاتِ من ایں بس که ثناخوانِ تو ام
عزت و فخرِ نسب را نه ثناخواں رفتم

وصفِ جاهت نه به‌اندازهٔ ادراکِ منست
عجز دانست به‌دانستم و ناداں رفتم

غالب از راهِ ادب لب به دعا باز کشا
تا نه‌دانم که رهِ فکر پریشاں رفتم

شوکتت باد که شانِ دگرم افزودی
شادماں باش که از لطفِ تو شاداں رفتم

کوکبِ بختِ تو رخشنده تر از مہر کہ من
از تو چوں مہر بر آفاق زرافشاں رفتم

ابدی باد بہارِ تو کہ در انجمنت
کفِ خاک آمدم و جوشِ بہاراں رفتم

لبِ ہر کس کہ عدوے تو و جاهت[1] باشد
سازِ ایں زمزمہ بادا کہ من از جاں رفتم

۱ - یہ لفظ وجاہت نہیں ، ''و'' عطف کی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص تیرا اور تیرے جاہ و مرتبہ کا دشمن ہو ۔

۵۰

در مدحِ امجد علی شاہ

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے :

"در مدح جہاں پناہ امجد علی شاہ اورنگ نشین اودھ دام ملکہ"

یہ بھی عرفی کے قصیدے پر ہے۔

میر احمد حسین میکش کے نام میرزا کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ امجد علی شاہ نے یہ قصیدہ سن کر پانچ ہزار روپے بطور صلہ منظور کیے۔ نیز حکم دیا کہ پانچ ہزار زادِ راہ کے طور پر بھیج کر میرزا کو لکھنؤ بلایا جائے تا کہ اسے مصاحب بنا لیا جائے۔ اس حکم پر پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ امجد علی شاہ کے سرطان نکلا اور وہ دو ہفتے میں انتقال کر گیا۔
میرزا کے الفاظ یہ ہیں :

"امجد علی شاہ مرا بہ ندیمی پزیرفت و فرمان داد کہ پنج ہزار بنامِ صلہ و پنج ہزار بہ طریق زاد رلہ همگی دہ ہزار روپیہ فرستادہ شود۔ . . ہنوز ایں حکم امضا ناپزیرفتہ بود کہ سرطان برآورد ، دو هفتہ صاحب فراش ماند و بمرد"۔

(باغ دو در ص ۱۷۵)

شادم که گردشے به سزا کرد روزگار
بے بادہ کامِ عیش روا کرد روزگار

تارِ بساطِ انجمنِ انبساط را
چوں تارِ ساز نغمه‌سرا کرد روزگار

زاں رو که خلق مست تر از ماست بے شراب
مارا خجل ز مشربِ ما کرد روزگار

دیگر پئے سرود به مطرب نیاز نیست
بے زخمه سازها به نوا کرد روزگار

آباں مه است و شاهدِ گل جلوه گر به باغ
امسال وعده زود وفا کرد روزگار

ایں از هجومِ لاله و آں دیگر از شفق
رنگیں بساطِ ارض و سما کرد روزگار

در برگ‌ریز تشنه‌لبانِ نبات را
شادابِ فیضِ نشوونما کرد روزگار

گوهرفشاں مگوے که برِ بهار را
از بس شتاب آبله پا کرد روزگار

بر رُخ ز ابر پرده فروبست آفتاب
بندِ نقابِ ناسیه وا کرد روزگار

بلبل به شاخسار نگهداشت آسماں
آهو به مرغزار رها کرد روزگار

از بسکه بهرِ پرورشِ جوهرِ حیات
اصلاحِ حالِ آب و هوا کرد روزگار

مخمور را به آب نشاطِ شراب داد
مسموم را به باد دوا کرد روزگار

بر سازِ آبشار که سرزد ز کوهسار
آوای کبک و سار رسا کرد روزگار

تا سرو را ز رشک چمیدن فزون شود
طاؤس را به رقص بپا کرد روزگار

آمد بهار، رفته بدانساں که بهرِ دید
بے‌اختیار رو به قفا کرد روزگار

و ز بهرِ آنکه رفته به آینده برخورد
از کف زمامِ ناقه رها کرد روزگار

قوسین حلقه‌وار چو آورد سر بهم
چوں نقطه خود بدائره جا کرد روزگار

پیرایهٔ بهار دگر نگسلد خزاں
کایں رشته را به تاب دو تا کرد روزگار

هاں، اے اداشناس به گفتار دل مبند
پائیز را بهار کجا کرد روزگار؟

دانی چه رویداد که در جلوه‌گاهِ حُسن
خود را چنیں خجسته‌لقا کرد روزگار؟

فیروزطالعے به سریرِ شهی نشست
کاں را همی نهفته دعا کرد روزگار

باغے بنا نهاد و بداں باغِ دلکشا
سرمایهٔ شگرف عطا کرد روزگار

نرگس ز چشمِ طالعِ بیدار ساز داد
سُنبل ز ظلِ بالِ هما کرد روزگار

لعل از جماد و گل ز نبات و رواں ز خلق
بر شاه و تختِ شاه فدا کرد روزگار

در مدحِ شاه غالبِ رنگیں‌ترانه را
چوں بلبلاں ترانه‌سرا کرد روزگار

از ذوق نشرِ رایحهٔ مشک ایں نوید
فردوس پاے‌مزدِ صبا کرد روزگار

نے در خزاں بهار و نه در برگ‌ریزِ گل
ایں بود آنچه کرد و بجا کرد روزگار

هم دادِ تازه‌روئیِ عنوانِ مدح داد
هم حقِ مدحِ شاه ادا کرد روزگار

نازم به نامِ نامیِ سلطاں که از شرف
ترکیبِ آں ز مجد و علا کرد روزگار

شاهے که نخلِ دولتِ او را به باغِ دیں
سرسبز ز آبِ جوے بقا کرد روزگار

امجد علی شه آں که بذوقِ دعاے او
صدره نمازِ صبح قضا کرد روزگار

زاں رو همی‌پرستد و منت نمی‌نهد
کش بندگی به حکمِ خدا کرد روزگار

چترش ز خویشتن فلکے کاندراں فلک
خرشید، ماه و ماه سها کرد روزگار

زاں وایه‌ها که بُرد به دریوزه از درش
در هفته هشت روضه بنا کرد روزگار

نبود به سایه عُنصر و او سایهٔ خداست
ابداعِ گوهرش ز ضیا کرد روزگار

می‌آزمود خامه به تصویرِ قهرِ شاه
کاں اژدها عیاں ز عصا کرد روزگار

اے آں که روزنامهٔ حکمِ ترا به دهر
فهرست کارهاے قضا کرد روزگار

از شکلِ ماهِ نو به گمانم که ماه را
بر درگهِ تو ناصیه‌سا کرد روزگار

بر خوانِ نعمتِ تو که گسترده‌اند پهن
لب را ز نوش بهره ربا کرد روزگار

دانم که سفله را نه‌نشانی به طرفِ خوان
خود تکیه بر عمومِ صلا کرد روزگار

می‌خواست بنده‌وار به پیشت برد نماز
از آفریدگار حیا کرد روزگار

دانی که در سخن به که مانم ز من مپرس
این دعویٔ محال کجا کرد روزگار

آنم که بهرِ صیت صفاتِ کمالِ من
ایجادِ حرف و صوت و صدا کرد روزگار

چون برد نام و سوے خودم خواند از اهل‌حرف
نازش به بختِ حرفِ ندا کرد روزگار

من خود عدیلِ خویشم و نبود عدیلِ من
چون خود مرا به غُصه فنا کرد روزگار

هم پایهٔ تو عالی و هم دستگاهِ نظم
هر مدح را دوبار ثنا کرد روزگار

نگزشته مطلعِ غزلم بر زبان هنوز
آهنگِ وجد و سازِ غنا کرد روزگار

دل را به شعله جلوه عطا کرد روزگار
قلبِ من از گداز روا کرد روزگار

یاسم ز جان گزائیِ خواهش نجات داد
دردِ مرا به داغ دوا کرد روزگار

دودِ چراغ چون خورشِ من قرار یافت
ز آتش به زور دود جدا کرد روزگار

کالاے نانهاده به دزدی ربود چرخ
پیراهنِ نه‌داده قبا کرد روزگار

گفتی به ملکِ نظم که صاحبقراں توئی
آرے نه‌دیده‌ای که چها کرد روزگار

لوحِ طلسم بے اثر و من به بندِ دیو
خوش در سخن طلسم کشا کرد روزگار

با ایں فروغِ گوهر رخشانیِ نهاد
زیں ساں سیاه‌روز کرا کرد روزگار

نبود غلط بگو که غلط رفت در ازل
نبود خطا بگو که خطا کرد روزگار

با من که تابِ نازِ نکویاں نه‌داشتم
بد کرد بد که جور و جفا کرد روزگار

گفتم به عقلِ کل که نه‌دانم براے من
حکمِ دوامِ حبس چرا کرد روزگار

گفت اے ستاره‌سوخته زاغ و زغن نه‌ای
کاں را گرفت و باز رها کرد روزگار

تو بلبلی همیں که به دام آمدی ترا
اندر قفس ز بهرِ نوا کرد روزگار

غالب ز خستگی گله سنجی و نگری
کت عینِ علم و ذاتِ ذکا کرد روزگار

چون دستگاهِ قیمتِ جنسِ هنر نه‌داشت
درهم شد و بهیچ بها کرد روزگار

گویند بے وفاست جهاں ، ویں نه راستی است
خود با تو در ستم چه وفا کرد روزگار

تن زن که گرچه بود گدایانه سرنوشت
باری بگوی شاه گدا کرد روزگار

زیں پس من و دعاے جهانباں که پیشِ حق
ابرام در قبولِ دعا کرد روزگار

تا بست عهدِ هستیِ خود با بقاے شاه
پیدا طریقِ شرط و جزا کرد روزگار

*****

۵۱

در مدحِ واجد علی شاہ

یہ قصیدہ نہ مخطوطہ بانکی پور میں ہے ، نہ مخطوطہ رام پور میں بلکہ قصیدہ نمبر ۵۱ سے قصیدہ نمبر ۵۵ تک کوئی بھی ان مخطوطوں میں موجود نہیں ۔ تاہم شبہ نہیں کہ واجد علی شاہ فرمانروائے اودھ کی مدح میں ہے ۔

بظاہر اس قصیدے کا صلہ بھی کچھ نہ ملا ، کیونکہ جس زمانے میں قصیدہ پہنچا اسی زمانے میں ولی عہد لکھنؤ کا انتقال ہو گیا اور ایسے حالات میں قصیدے کے صلے کی کیا امید ہو سکتی تھی ؟ بعد ازاں میرزا نے جتنے بھی قصیدے بھیجے ، غالباً مجتہدالعصر کی وساطت سے پہنچے ۔

سخن ز روضۂ رضواں بہ کوے یار کشد
چو جادۂ کہ ز صحرا بہ لالہ‌زار کشد

تو باش حاسدِ رضواں بہ باغبانیِ خلد
من آں نیم کہ مرا دل بہ ہیچ کار کشد

سخن بہ ذکرِ قیامت دراز کن، واعظ
مگر ز طول بہ بالاے آں نگار کشد

به ره نشین و دعا گوی و هر چه خواهی کن
عنان کجاست که آن طفلِ نے سوار کشد

زہے حبیب که پیکانِ تیرم از دلِ تنگ
به ذوق آن که فزون‌تر شود فگار کشد

رقیب کشت و به خاکم نهفت و آن بد خوے
بدر کشید که نعشِ مرا به دار کشد

ے گرانیِ خوابم ز سوء ظن نه به لهو
چه نقشها که به انگشت بر مزارِ کشد

اگر نه خال بر آن روے دل فروز نهد
اگر نه شانه بر آن زلفِ تابدار کشد

وگر ز نسبتِ آن زلف و رُخ به سنبل و گل
به خویشتن چه فزاید که ننگ و عار کشد

به شهر شهرتِ حسن تو فتنهٔ انگیخت
که شیخِ شهر خجالت ز شهریار کشد

اُمیدِ من به تو باقی است می خورم سوگند
به نالهٔ که دلِ نااُمیدوار کشد

بزن بر آتشِ دل آب، ورنه عاشق را
بهل که غمزده آهِ شراره‌بار کشد

به هیچ حیله غم از دل نمی‌رود بیرون
کسے برائے چه منت ز غم‌گسار کشد

رواست دعوی ِ ذوق ِ غم آن بلاکش را
که سم به جذبهٔ دم از دهان ِ مار کشد

غم است آن که منش را همی کند هموار
رود ز اسپ ِ هرون توسنی چو بار کشد

کشاکش ِ غم ِ هجران ِ گل اگر این است
عجب بود که خزانم به نوبهار کشد

تو ای ندیم که مانی ز تازه‌روی ِ خویش
به سبزهٔ که سر از طرف ِ جویبار کشد

فریب ِ مهر ز گردون مخور که این بی‌مهر
دهد فشار کسی را که در کنار کشد

زمانه بی سبب آزارد و تو پنداری
که انتقام ِ تو از اهل ِ روزگار کشد

ز خود برون مده آتش که خود چه کس باشد
که ننگ ِ نسبت ِ هم‌طرحی ِ چنار کشد

تو اضطرار چه دانی که چیست ؟ هرزه منال
مباد کار ِ کس از غم به اضطرار کشد

ز هرچه می گزرد بگزر و سخن، بگزار
که چرخ کینه ز مرد ِ سخن‌گزار کشد

سخن دراصل همانا بود سیه‌خونی
که کاتبش ز رگ ِ کلک ِ مشک‌بار کشد

ز نظم و نثر چه خیزد بهار کس خود نیست
که هرزه صورتِ گلشن به رهگزار کشد

کشد چه رنج سخنور که نقشهاے بدیع
ز بهرِ آن که گزارد به یادگار کشد

خجسته طالعِ دستے که بے توقعِ مزد
ز پاے رهروِ آزرده‌پاے خار کشد

ستوده خوی سوارے که در گزرگهِ صید
کمان به نیتِ رم خوردنِ شکار کشد

به ضربِ گرزِ حوادث به خاک یکسان باد
سرے که بنده ز فرمانِ کردگار کشد

نیازمند مباد آن بزرگِ کوچک‌دل
که نازِ راه‌نشینانِ خاکسار کشد

کفش به کوچه و بازار زرفشان باید
به خانه آن که سراپرده زرنگار کشد

به‌سنج تا چه کند صدمهٔ ستم با دل
ز سنگِ ضربتِ آهن همی شرار کشد

ستم مکن که ستمگر به حکمِ قهر و غضب
خود از نهادِ خود آزارِ بے شمار کشد

به بخش جرمِ عدو، ور به انتقام خوشی
مباش رنجه ز غم کافریدگار کشد

به قدرِ فهمِ تو گفتم وگرنه کار آن است
که مرد خط به رقم‌هاے اعتبار کشد

مبیں به زخمه و جنبش نگر که آں ز کجا ست
نه زخمه بلکه مغنی صدا ز تار کشد

ز اصلِ خلق سرایم سخن به پردهٔ راز
نسب به پنبه ردا را ز پود و تار کشد

نه‌یافت راه ز کثرت خلل به وحدتِ ذات
یکے یکے است عدد گر به صد هزار کشد

اگر به پرسشِ ایں راز در سخن پیچی
سخن ترا به طلسمِ شگفت زار کشد

بیا که نقشِ دل‌آویز صورتے دیگر
قلم به واسطهٔ دستِ رعشه‌دار کشد

چنانکه مهر سپاهِ لوامعِ سحری
پئے کشایشِ اقلیمِ زنگبار کشد

دلِ حزیں به سیاهی زدودنِ شبِ غم
نفس به یادِ خداوندِ ذوالفقار کشد

ابوالائمه علیِ[ع] ولی که از ذاتش
دلیلِ ختمِ نبوت به هشت و چار کشد

جلیسِ ناقه‌سوارے که پیشِ وے جبریل[ع]
پیاده ره رود و ناقه را مهار کشد

انیسِ راه‌نمائی که در رهش در خلد
بود چو چشم کسے باز کانتظار کشد

نهد چو شحنهٔ شهرش فرازِ مسند پای
سریر را ز یمیں جانبِ یسار کشد

خرد کشوده به راهش دکان و مِیل به مِیل
بچشمِ اهلِ نظر سرمه از غبار کشد

شهنشها فلکِ سخت‌گیر بیں که به قهر
چه کینه‌هاے نهاں از من آشکار کشد

غم زمانه خود اندوه عشق بازی نیست
که دل هر آئنه لذت ز خار خار کشد

سپهرِ سفله به خاکم فگند و می بینی
چگونه پوست همی از تنِ نزار کشد

گهم چو یوسف[۴] یعقوب[۴] در چه اندازد
گهم چو عیسیِ[۴] مریم[۴] فرازِ دار کشد

فشانم ار به زمیں دانه در هواے نهال
بود که مور ز خاکش به رهگزار کشد

وگر ز دانه دمد ریشه خاک خود به فشار
ز ریشه مادهٔ شاخ و برگ و بار کشد

مگر بحکمِ یدُاللهِ فوقَ ایدیهم
کرامتِ تو برونم ازیں فشار کشد

خوش آں که خسته به نیروے دستگیریِ تو
دلیر گردد و دامانِ شهریار کشد

فدائیانِ ترا دادپیشه شاہے هست
که در شکنجه فلک را ز گیرودار کشد

بلند مرتبه واجد علی شه آں که سپهر
ز عجز پیشِ وے آهنگِ زینهار کشد

ز بیمِ قهر وے از کار رفته شعله چنانک
بگردِ خویشتن از خار و خس حصار کشد

محیطِ جاهش اگر موجزن شود، نه شود
که چرخ زورق ازاں ورطه برکنار کشد

به کشورش ز نمودِ شعاعِ مهرِ سپهر
بود گدائے تنک مایهٔ که خار کشد

ز بس بود به هنرمندپروری مشهور
اگر سرے به تماشاے نوبهار کشد

بهار از پئے عرضِ هنر ز سبزهٔ و گل
هزار نقشِ نوآئیں به رهگزار کشد

گہے که حرف به آئینِ گیرودار زند
دمے که تیغ به میدانِ کارزار کشد

ز جوشِ رعشه، فلک شیشه بر زمیں فگند
ز فرطِ کشته اجل خجلت از شمار کشد

ستم‌رسیده نوازا ! من آن نواسنجم
که ناله رشکِ نوایے من از هزار کشد

لبم به زمزمه دل را ز جا برانگیزد
دمم به جاذبه گل را ز شاخسار کشد

کفِ مرا به نگارش دوائرِ الفاظ
ز حلقه ایست که در گوشِ نوبهار کشد

قلم ز من بسر انگشتِ محرمے ماند
که پرده از رُخِ خوبانِ گل‌عذار کشد

چنیں کسے که چنانست و در زمانهٔ تست
نه درخورست که خواری ز روزگار کشد

نمی‌رسد به درت زاں که روشناسِ تو نیست
مباد خسته زبونی ز پرده‌دار کشد

به خدمتش مگمار و عطا دریغ مدار
دلِ دونیم چساں رنجِ کاروبار کشد

خود آں کریم گرانمایه‌ای که سائل را
دهی عطیه ازاں پیش کانتظار کشد

خوش آں عطیه که **غالب** بداں توانائی
به سوے دشتِ نجف رخت زیں دیار کشد

ولے شتاب که دیگر دلے نماند مرا
که رنجِ تفرقهٔ جبر و اختیار کشد

گہر فشانیِ نُن در دعاے شہ **غالب**
عرق ز جبہہٴ تردستیِ بہار کشد

زمانہ تاکہ بہ فرمانِ اقتضاے ظہور
ز نور و سایہ نشانہا بہ روزگار کشد

ظہورِ فتح ز شش سوے ہفت کشور را
بہ سایہٴ عَلمِ شاہِ کامگار کشد

*****

۵۲

در مدحِ واجد علی شاہ

مولانا شبلی مرحوم ''شعرالعجم'' کی پانچویں جلد میں لکھتے ہیں :

> مرزا غالب نے قصیدے میں متوسطین اور قدما کی روش اختیار کی۔ اگرچہ اکثر قصائد میں متاخرین کی بدعتیں بلکہ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن اخیر اخیر میں سب کج پیچ نکل گئے اور بالکل اساتذہ کا رنگ آ گیا۔ مثلاً یہ قصیدہ :
>
> منم کہ بر دل و دین خود اعتمادم هست
> بہ نیم غمزہ ہم ایں را ربای و ہم آں را
>
> ---
>
> ترا کہ ابر مطیع است و باد فرماں بر
> بہ‌زن بہ باغ سراپردۂ سلیماں را
>
> بہار آرائی کے بعد مدح کی طرف کس خوبی سے گریز کی ہے :
>
> تو باغ و راغ بیارائی خواجہ من ضامن
> کہ آورم بہ تماشا خدیو گیہاں را
>
> (ص ۲۱)

روا است شورِ نشید و ترانہ مستاں را
بہ شرط آں کہ نہ‌گویند رازِ پنہاں را

مگیر خردہ کزاں فرقہ ام کہ پندارند
سوادِ خالِ رخِ دوست داغِ عصیاں را

منم که بر دل و دینِ خود اعتمادم هست
به نیم غمزه هم این را ربای و هم آن را

ز دوستانِ خودم گیر و رونمای و به‌بر
کسیکه دوست نه دارد کجا برد جان را

ز دل خدنگِ تو بگزشت و در جگر بنشست
سرے به خانهٔ همسایه بود مهمان را

نماند گل. به گلستاں بخنده لب بکشای
به برگ‌ریز پر از گل نگر گریبان را

درنگ نیست خزاں در بہار می‌گزرد
بگوی تا دهم آواز بوستان‌باں[1] را

کجائی اے چمن آرا مگر نه‌داری تاب
ز مرغ ناله و از باد ابر و باران را

تراست مرغ دعاگوی و باد فرمان‌بر
بزن به باغ سراپردهٔ سلیمان را

نه پاے سرو و کنارِ چمن نشیمنِ تست
بہل به پردگیاں خوابگاه و ایوان را

به پویه گر همه ره برده ای به چشمهٔ خضر
بداں زلال میالای طرفِ داماں را

نشاطِ یک دمه از عمرِ جاوداں خوشتر
بگیر باده و بگزار آبِ حیوان را

---

۱ - یعنی باغباں -

بیا و از پئے گستردنِ بساطِ نشاط
ز خار و خاشه بپرداز باغ و بُستاں را

ترا به شیوۂ مشاطگیست آں خوبی
که جا به دیدۂ خوباں دهی خیاباں را

که گفته است در آئینِ بزم سور و سرور
که فرخی نه‌بود روزهاے آباں را

من از درازیِ شبهاے قوس پندارم
که بهرِ انجمن آرد فلک زمستاں را

خوشا درازیِ شب زانکه گر بود تاریک
درنگ در نظر افزوں بود چراغاں را

وگر بود شبِ مه نیز بزمِ عیش آرای
به عرصه دیر نگهدار ماهِ تاباں را

مگر مے و قدحے از سفال کافی نیست
چه غم خوری که چرا خورد خاک ریحاں را

نه آں بود که بسے روزگار گردشِ چرخ
برد ز گیتی و باز آورد بهاراں را

ترا رسد ز سراپرده‌هاے رنگارنگ
نگارخانهٔ چیں ساختن بیاباں را

به هر بساط نواگر کن اندراں خرگاه
گروهِ چامه‌سرایانِ ۱ دلکش‌الحاں را

---

۱ - یعنی غزل سرا -

فراهم آر و رواں سوے خیمہ‌گاہ فرست
ز میوہ آنچہ بود درخور ایں چنیں خواں را

تو باغ و راغ بیارای خواجہ من ضامن
کہ آورم بہ تماشا خدیوِ گیہاں را

بہ دشت لالہ اگر نیست، گو مباش کہ شاہ
ز خونِ صید کند لالہ‌زار میداں را

ولے دسے کہ کنی توتیاے دیدۂ خویش
غبارِ رہگزرِ بادپاے خاقاں را

رکاب بوسہ دہ و جاں بہ پاے رخش فشاں
سپس بہ مرگِ عدو مژدہ گوی سلطاں را

بہارکوکبہ واجد علی شہ آں کہ بہار
برد ز موکبِ جاہش بہ گدیہ ساماں را

بہ روزِ بار برند از درش طغان و تگیں[۱]
بہ زیرِ تاج نہاں زخمِ چوبِ درباں را

پئے پژوہشِ رازِ نہاں بہ کار آرد
بجاے قرعۂ رمال چرخِ گرداں را

ز قطرۂ کہ بہ بطنِ صدف گہر بندد
بہ بذل نام بلند است ابرِ نیساں را

---

۱ - طغان و تگیں، دونوں ترکی کے لفظ ہیں جو سرداروں، رئیسوں اور بادشاہوں کے لیے مستعمل ہیں - مثلاً الپ تگیں، طغان شاہ وغیرہ - طغان شاہ یا محض طغان ترکوں کے بڑے بادشاہ -

سبیلِ بخششِ سلطاں نگر کہ بر سرِ کشت
فشاند رشحِ کفِ دستِ گوہرافشاں را

بیا بہ وقتِ درو بیں کہ بر کنارِ زرع
بہ خرمن است گہر جاے دانہ دہقاں را

ز مہرورزیِ شہ بسکہ مردم اندر راہ
بروے خاک فشانند خردۂ جاں را

دراں رہ از کفِ ہر خاک چوں بیفشاری
رواں بروے زمیں بینی آبِ حیواں را

نوردِ نامۂ اقبال برکشا و بخواں
کہ جز بہ نامِ تو ننوشتہ‌اند عنواں را

بقا نوید بہ ذاتِ تو دادہ دولت را
قضا طراز بہ نامِ تو بستہ فرماں را

ز سرمہ پایۂ خاکِ رہِ تو افزون است
بچشمِ کم نگرد لکھنؤ صفاہاں را

کمالِ سعیِ تو در پاسِ دیں ازاں دست است
کہ ہمتِ تو بود تکیہ‌گاہ ایماں را

چناں ز تیرِ تو کافرکشی رواج گرفت
کہ ذوالفقار جگرگوشہ خواند پیکاں را

ز دیر باز رخ آوردہ‌ام بدیں درگاہ
بہ گردِ خاطرِ شہ رہ مباد نسیاں را

درِ تو با همه دوری نظر فروزِ من است
چنانکه می‌نگرم پرده‌دار کیوان را

ز بعد بندگیِ غایبانه می‌بایست
که در حضور کنم استوار پیمان را

فغان ز پیری و رنجوری و گرانیِ گوش
که کرد این همه دشوار کارِ آسان را

ز قرب و بعد نه‌رانم سخن، بدان شادم
که روشناس بود ذره مهرِ تابان را

غلامِ شاهم و حق‌دانم و حق‌اندیشم
معاد و عدل و امام و نبی و یزدان را

ز روے راے نبی[ع] گشته‌ام پزیرفتار
به دهر بعدِ نبی[ع] اهلبیت و قرآن را

گداے تُرک‌نژادم ز دودهٔ سلجوق
فراخ تا نه‌بود خوان نمی‌خورم نان را

کجا ست نان که نهم خوان چه هرزه میلایم
فشرده‌ام به جگر بهرِ لقمه دندان را

دلِ پُرآتش و چشمِ پُرآبِ من دارد
تنورِ پیرزن و ماجراے طوفان را

سوالِ سائل اگر ره برد به پردهٔ گوش
قبول تا نه‌کنم تاب ناورم آن را

ستم نگر که ز درماندگی همی‌شنوم
خروشِ ناله و فریادِ وام‌خواهان را

به آبرو ز جهان قانعم نمی‌دانم
غم و نشاط و کم و بیش و نفع و نقصان را

هلاکِ عشرتِ نقدم اگر ز من باشد
به چارسوے فروشم ریاضِ رضوان را

چناں نگاشته‌ام این ورق که گر نگرد
فتد ز دست قلم نقشبندِ[1] شروان را

گزیده‌ام روشِ خاص کاندریں هنجار
به پویه پاے بلرزد ظهیر و سلمان[2] را

شود روانیِ طبعم فزوں ز سختیِ دهر
به سنگ تیز تواں کرد تیغِ بُراں را

بیا که افسرِ فرقِ سخن کنم **غالب**
دعاے دولتِ شاهنشهِ سخنداں را

دهم به شرط و جزا نیز رنگے از ابداع
به طرزِ تازه طرازم دعاے سلطاں را

سپهر تابعِ او باد در جهانداری
دهند تا الف و واو ثور و میزاں را

---

۱ - خاقانی شروانی -

۲ - سلمان ساؤجی -

۵۳

قصیدہ ضریحیہ

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل نے بہ حوالہ ''قیصرالتواریخ'' جلد دوم آمد ضریح کی تاریخ ۲۶ شعبان ۱۲۷۰ھ بتائی ہے۔ یعنی ۲۴ مئی ۱۸۵۴ء - یہ قصیدہ بہ ہر حال اسی زمانے میں لکھا گیا ہوگا۔ آخر میں مجتہدالعصر سید محمد اور واجد علی شاہ کا ذکر ہے۔

بیا در کربلا تا آں ستمکش کارواں بینی
کہ در وے آدم آلِ عبا را سارباں بینی

نہ باشد کارواں را بعدِ غارت رخت و کالائے
ز بارِ غم بود گر ناقہ را محمل گراں بینی

نہ بینی ہیچ برسر خازنانِ گنجِ عصمت را
مگر در خار و بن‌ها تار و پودِ طیلساں بینی

همانا سیلِ آتش بردہ بنگاہِ غریباں را
کہ هر جا پارۂ از رخت و سوجے از دخاں بینی

بہ بینی چشمۂ از آب و چوں جوئی کنارش را
ز خونِ تشنہ کاماں چشمۂ دیگر رواں بینی

ز تابِ سهرِ گیتی‌سوز خطِ جادهٔ ره را
بسانِ ماهیِ افتاده بر ساحل تپاں بینی

زمینے کش چو فرسائی قدم بر آسماں سائی
زمینے کش چو گردی پا به فرقِ فرقداں بینی

بهر گاہے که سنجی حوریاں را مویه گر سنجی
بهر سوے که بینی، قدسیاں را نوحه‌خواں بینی

به بینی سرخوشِ خوابِ عدم عباس[۴] غازی را
نه مشکش در خمِ بازو، نه تیرش در کماں بینی

علم بنگر به خاکِ رهگزار افتاده گر خواهی
که بر روے زمیں پیدا نشانِ کهکشاں بینی

هجومِ خستگان و سوز و سازِ نوگرفتاراں
نو آئیں بزم طوی قاسمِ[۴] ناشادماں بینی

نه‌ می‌بینی که‌چوں جاں داد از بیدادِ بدخواهاں
علی‌اکبر[۴] که‌همچوں‌بختِ بدخواهش‌جواں‌بینی

گرفتم کایں همه بینی دلے داری و چشمے هم
بخوں آغشته نازک پیکرِ اصغر چساں بینی ؟

چه دنداں در جگر افشرده باشی کاندراں وادی
حسین[۴] ابنِ علی[۴] را در شمارِ کشتگاں بینی

نیاری گر دراں کوشی که پایش در رکاب آری
نه بینی گرخود آں‌خواهی که دستش‌برعناں بینی

تنے را کش رگِ گل خار بودے بر زمیں یابی
سرے را کش ز افسر عار بودے بر سناں بینی

نگہ را زاں دو ابرو رُو برو در خوں تپاں دانی
ہوا را زاں دو گیسو سو بسو عنبرفشاں بینی

سناں با نیزہ پیوندد ہمی زیں رو عجب نبود
کہ نے را از گرہ پیوستہ در بندِ فغاں بینی

گر از آہن بود گو باش، غم بگدازد آہن را
سناں را ہم ز بیتابی چو مژگاں خونچکاں بینی

شہادت خود ضمانت نیست لیک از روے آگاہی
پئے آمرزشِ خلق ایں شہادت را ضماں بینی

ہمیں فرد است تا توقیعِ آمرزش رواں گردد
مرنج از ناروائی گر درنگے درمیاں بینی

وگر تابِ شکیبائی نداری دیدہ در رہ نہ
کہ ہم امروز از بخشایشِ فردا نشاں بینی

بود تا تکیہ‌گاہِ ناز آمرزش‌پژوہاں را
ضریحے سوے ہند از خاکِ آں مشہد رواں بینی

تعالی‌اللہ ضریحِ فرخِ فرخندہ‌فرجامے
کہ فرتابِ فروغِ فرخی از وے عیاں بینی

بہ ہنگامے کہ حمالاں نہند از دوش در راہش
دمے بنشیں کہ گردش گردشِ ہفت آسماں بینی

ضیاے زاں زیارت‌گاہ بر روے زمیں بارد
کہ خاکِ لکھنؤ را سردمِ چشمِ جہاں بینی

برانگیزد قیامت مردگاں را ایں قیامت بیں
کہ از فیضِ ورودش در تنِ ہر ذرہ جاں بینی

جز آں بے دست و پا کز خاک نتواند کہ برخیزد
بہ استقبال تازاں اہلِ شہر از ہر کراں بینی

نفس در سینہ داغ از تابشِ تابندہ خور دانی
محل بر خلق تنگ از موکبِ شہزادگاں بینی

سواراں ہمچو مہرِ آسماں زریں سلب [1] یابی
ہیوناں [2] چوں ثریا گوہریں برگستواں بینی

بہ رہ رفتن ہجومِ گوہرآگیں طیلساناں بیں
کہ بر روے زمیں چرخِ ثوابت را رواں بینی

ہجومِ خاکیاں دیدی ، سپس گر دیدہ بربندی
سروشاں را بہ اندازِ ثنا شیوابیاں بینی

بہ والا پایہ نام آور سروشاں در ثناخوانی
سمیِ رحمۃللعالمیں را ہم‌زباں بینی

محیطِ داد و دیں سید محمد کز فرہمندی
سر او را در جہانِ آگہی صاحبقراں بینی

---

۱ - ایک درشت لباس جسے جوشن و خفتان کی طرح جنگ میں پہنا کرتے تھے -

۲ - ہیون کی جمع : گھوڑے -

نژادِ خسروِ "الفقر فخری" گوی را نازم
کز استغنا به درویشی درش سلطان نشان بینی

ز هر جزوِ ضریح اقدس و دست همایونش
کفِ رضوان و مفتاحِ درِ باغِ جنان بینی

چو یابی خواجه را در ره، چه نیکو راهبر یابی
چو بینی هدیه را برکف، چه فرخ نورهان بینی

سفالے بینی از ریحانِ فردوسِ بریں کاینک
به باغِ جم‌حشم واجد علی شاهش مکان بینی

مگر در خواب دادند آگهی سلطانِ عالم را
که سوے شاه از پیشِ شهنشاه ارمغان بینی

طریقِ پیشوایان وحی و الهام است و خاصان را
بود خوابے که تعبیرش به بیداری همان بینی

حجابے درمیانِ بنده و حق نیست، پندارم
در آنجا آشکار است آنچه ایں جا در نهان بینی

روانی ِتشنهٔ گفتارِ من دارد شنیدن را
قلم را بعد ازیں در مدحِ خاقان ترزبان بینی

نهفته‌دانیِ شاه آشکارا شد، روا باشد
دلش را گر بدیں آهنگ بر من مهربان بینی

نشاط اندوزیِ سلطانِ دانادل عجب نبود
ز رقصے کاندریں جا خامه ام را در بنان بینی

رسد پیش از رسیدن نظمِ **غالب** در نظرگاهش
لبش را در سخن، هم چون کفش گوهرفشان بینی

نه‌بیند عرض لشکر ورنه صف در صف سپاهش را
ز میدانِ اوده[1] تا بیشهٔ مازندران بینی

بیابان را نه لشکر بلکه طوفان در ره انگاری
دلیران را نه توسن بلکه صرصر زیرِ ران بینی

بدان قانع نخواهی بود ار گنجینهٔ سلطان
که در وے گنجِ بادآورد و گنج شایگان بینی

چه پرسش داری ازخازن که خود بر طاقِ نسیانش
دو صد جا حاصلِ صد سالهٔ دریا و کان بینی

جهاندارا به کاخے کاں طلسم فیض جا دارد
نشانِ سجدهٔ من نیز هم بر آستان بینی

ور آن قدسی زیارت‌گاه بام کعبه را ماند
ز چشمِ دجله‌ریزِ من در آنجا ناودان بینی

چه گویم چون همی دانم که میدانی و نپسندی
که سعیم در سرانجامِ ستایش رایگان بینی

کمالش را طرازِ نازشِ عین‌الیقیں بخشی
سخنور را گر از خود التفاتے در گمان بینی

خدایا تا بهارے و خزانے هست گیتی را
بهارِ دولتِ خود را به گیتی بےخزان بینی

---

۱ - اوده -

ز بخششهاے یزداں آنچه باید یافت آں یابی
ز تابشهاے اختر آنچه شاید دید آں بینی

جهاں سوزی است آئیں مهر را درکشور آرائی
تو ماهِ چارده باشی و دشمن را کتاں بینی

گر از روے غضب ناچخ به‌سوے دشمن‌اندازی
سناں را هم چو منقارِ هما بر استخواں بینی

چرا گویم که تا در روز یابی مهرِ تاباں را
چرا گویم که تا در تیره شب ز انجم نشاں بینی

سخن کوته ز صبح و شام و مهر و مه چه اندیشم
تو باشی جاوداں و دیدنیها جاوداں بینی

وگر خواهی که بینی چشمهٔ حیواں به تاریکی
سوادِ نظم و نثرِ غالبِ معجزبیاں بینی

*****

۵۴

در مدحِ یوسف علی خاں

نواب یوسف علی خاں فرمانروائے رام پور (۵ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ/۵ مارچ ۱۸۱۶ء - ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ/۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء) نے بہ عالم صاحب زادگی دھلی میں میرزا غالب سے فارسی کی تعلیم پائی تھی اور بہت اچھے تعلقات تھے۔ جب نواب بہادر مسند نشین ریاست ہوئے (۱۳ رجب ۱۲۷۱ھ/یکم اپریل ۱۸۵۵ء) تو بظاھر دونوں کے درمیان خصوصی علائق کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پھر مولانا فضل حق خیرآبادی رام پور پہنچے تو نواب صاحب کے ایماء پر میرزا کو لکھا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو مولانا کا خط ملا۔ اسی رات یہ اشعار کہہ کر ۲۸ جنوری کو رام پور بھیج دیے۔ نواب نے اسی وقت سے شعر گوئی میں شاگردی اختیار کر لی اور اڑھائی سو روپے کی ھنڈی شیرینی کے طور پر ارسال کر دی۔ اس وقت سے وفات تک نواب مرحوم نے جس شان سے میرزا کی قدردانی فرمائی اس کی نظیریں کم ملتی ہیں۔ نواب کلب علی خاں کے زمانے میں بھی سلسلۂ احترام بدستور جاری رہا لیکن اس میں نواب یوسف علی خاں کا سا انداز نہ تھا۔

همانا اگر گوهرِ جاں فرستم ◦ به نواب یوسف علیخاں فرستم

ز نامش نشانے به عنواں طرازم ◦ ز مدحش طرازے، به دیواں فرستم

ز دخلش حسابے به معدن نویسم ◦ ز بذلش صلاے به عماں فرستم

ز لطفش که عام است در کام بخشی — نویدے به گبر و مسلمان فرستم
ز نطقش که خاص است در ملک گیری — مثالے به شیراز و شروان فرستم
زہے شہسوارے که گردِ سمندش — پئے سرمهٔ چشمِ خاقان فرستم
رود سام[۱] چون بهرِ پیکار سویش — عزانامه سوے نریمان[۲] فرستم
درش گو بود پایهٔ در خیالم — نگه سویش از دور پنهان فرستم
کلیم ار عصا ارمغانم فرستد — من آن ارمغان بهرِ دربان فرستم
وجودش بود فخرِ اجرام و ارکان[۳] — تحیت[۴] به اجرام و ارکان فرستم
ز جودش بود وعده با زیردستان — بشارت به برجیس و کیوان فرستم
ز مویش شمیمے به جنت رسانم — ز کویش نسیمے به رضوان فرستم
هم از شرقِ اشراقِ وے آفتابے — به اختر شناسانِ یونان فرستم
هم از روے نیکوے وے ماهتابے — به شب زنده دارانِ کنعان فرستم
اگر بگزرد تیرش از سینهٔ من — دل از سینه همراهِ پیکان فرستم
وگر سر ازیں راه دزدد جبیں را — چو گویش دریں ره به چوگان فرستم
سرشت از خزان است بدخواهِ او را — سه فصلِ دگر هم بدینسان فرستم
هم از آتشِ دوزخ آرم تموزش — هم از زمهریرش زمستان فرستم

---

۱ ـ رستم کا باپ ـ

۲ ـ نریمان ، سام کا باپ اور رستم کا دادا ـ

۳ ـ جمع ہے رکن کی بہ معنی نہایت قوی شے جو دوسروں کا سہارا بن سکے جیسے ستون وغیرہ ـ یہاں مراد ہے چار عناصر سے جن پر کائنات کے ہر وجود کا انحصار ہے ـ

۴ ـ سلام ـ

دگر تا بهاران به سختی به‌میرد | در آردی بهشتش به زندان فرستم
سپه چون کشد گر نه از ناتوانی | توانم که خود را به میدان فرستم
درین انزوا از نفسهاے گیرا | به رایاتِ آیاتِ قرآن فرستم
به توقیعِ فضلِ حق آن عینِ معنی | که آباد بر وے فراوان فرستم
گزشت اندر اندیشه کز خامه رشحے | بدان قلزمِ فیض و احسان فرستم
به دل گفتم البته کارے است مشکل | نه باید که این نامه آسان فرستم
سگالش چنین رفت در کارسازی | که فرخ بود چون به فرمان فرستم
فرستادم اما نیاید جوابے | که تا هر چه فرمان رسد آن فرستم
نه دانم که شورِ فغانِ گدا را | چسان باز تا گوشِ سلطان فرستم
به دل گفتم آرے فرستاده‌باشم | گر از راه چاکِ گریبان فرستم
وگر جادۂ رہ‌نمایان نه‌گردد | هم از جیب چاکے بداماں فرستم
بدان تا روائی دهم کارِ خود را | ز خونابه موجے به مژگان فرستم
دمم در تنِ نے دمِ آتشیں را | فروزنده شمعے به ایوان فرستم
به رفتارِ ناز اندر آرم قلم را | تدروے به صحنِ گلستان فرستم
سخن کوته آن به که از نظم جزوے | به دیوانِ آن صدرِ گیهان فرستم
فرستم و لیکن خرد چون پسندد | که برگِ گیاہے به بُستان فرستم
گرفتم که رنگیں خیالم به گیتی | شقائق به بنگاهِ نعمان فرستم
گرفتم که بحرِ روانم به معنی | گهر جانبِ ابرِ نیسان فرستم
گرفتم که روشن روانم به دانش | چراغے به سهرِ درخشان فرستم
درین پرده خواهم که از مورِ مسکیں | سلامے به سوے سلیمان فرستم

نبشتم که خدمتگزار است **غالب** پئے دعوئیِ خویش برهاں فرستم
به شب بستم ایں نقش و در بندِ آنم که حرزِ دعا بامداداں فرستم

بقا بهرِ داور ز داوار خواهم
به آمیں خروش از سروشاں فرستم

******

۵۵

در مدحِ یوسف علی خاں

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں نواب یوسف علی خاں نے انگریزوں کی جانیں بچانے اور امن قائم رکھنے میں گراں بہا خدمات انجام دی تھیں ۔ سرکار برطانیہ نے دوسرے اعزازات کے علاوہ نواب موصوف کو بریلی میں سے پرگنہ کاشی پور دے دیا تھا (۱۸۶۰ء) ۔ یہ قصیدہ اسی سلسلے میں کہا گیا ۔ میرزا نے ایک قطعہ بھی اس موقع پر کہا تھا ۔ ملاحظہ فرمائیے کلیات نظم فارسی میں قطعہ نمبر ۳۰ ۔

چون نیست مرا شربتِ آبی ز تو حاصل
دانم که تو دریائی و من سبزهٔ ساحل

در بادیه بر گورِ غریباں ز چه سوزد
آں شمعِ فروزاں که بود درخورِ محفل

زاں خسروِ خوباں چه قدر چشمِ وفا بود
صد حیف که شد نقش امیدم همه باطل

افسانهٔ غم گر بسرایم نبود عیب
با دوست که پیوسته همی بُرد غم از دل

می‌گویم و همدم زندم طعنه که تن زن
چون می‌ندهد داد ز فریاد چه حاصل ؟

از طعنه شدم خسته‌دل و از رهِ تیمار
دل گفت که هان شیوهٔ عشاق فرو هِل

تا کس نبرد ظن که به شاهد بودم روی
حاشا که حکایت کنم از لیلی و محمل

شاهد بود آن دوست که اندر غزل او را
خوانند ستمگاره و خونخواره و قاتل

من نالم ازان دوست که در عالمِ انصاف
شایان بودش گویم اگر خسروِ عادل

او خسروِ خوبان بود و بنده گدایش
او قلزم و عمان بود و من خسِ ساحل

گر خواجه همان ست وگر دوست همان ست
مائیم و یقینے که به وحدت شده کامل

خود هرچه سرودم همه با اوست، کزین پیش
امیدگهم بود بهر وادی و منزل

یا رب چه شد اینک که نه‌گیرد خبر از من
بربسته بروییم درِ ارسالِ رسائل

اے یوسفِ ثانی که بود در همه عالم
مشتاقِ جمالِ تو چه دیوانه ، چه عاقل

گر نامِ تو در بحر نه گنجید ، زیان نیست
شد نام نظیرِ تو و هم نامِ تو داخل

تا نزدِ تو چون آیم و دور از تو چه سازم
ماندن ز تو دشوار و رسیدن به تو مشکل

اے کاش بکوے تو چنین روے نمودے
زینساں که فرو رفته مرا پاے دریں گِل

چون است که گاہے نه کنی روے بدیں سوے؟
از چیست که هرگز نه‌دهی وایه به سایل ؟

گر جاں دهم از غصه تو دانی که به گیتی
حرفے غلط از صفحهٔ هستی شده زایل

خواهی که مرا بنگری از دور بفرمای
تا نزدِ تو آرند یکے طائرِ بسمل

از صنعتِ اُستادِ ازل داں که ز هر سوی
چوں قبله‌نما سوے تو ام ساخته مائل

غالب به سخن نامِ من آمد ازل آورد
دانی که دریں شیوه نیم عامی و جاهل

در فنِ سخن دم مزن از عرفی و طالب
ایں آیهٔ خاص است که بر من شده نازل

من گنجم و گردوں به گِل اندوده درم را
می‌بیں درِ گنج ارچه کشودن شده مشکل

خود درخورِ ویرانه بود گنجِ گران‌سند
غم نیست گر آبادیِ دهلی شده زایل

هاروت فسونِ نفسِ گرم چه داند
اعجاز ز دهلی بود و سحر ز بابل

آن را که صریرِ قلمم هوش رباید
دیگر نه‌برد ذوق ز آوازِ عنادل

توقیعِ بریلی به تو فرخنده که من نیز
بستم به فرەمندیِ خویش از کرمت دل

حاشا که ستانم رقمِ قاضی و مفتی
حاشا که پزیرم عملِ شحنهٔ و عامل

بفرست خردمند کسان را به حکومت
در جیبِ گدا ریز قلیلے ز مداخل

هر سال از آن شهر به من وایه روان دار
کز بهرِ همین گشته در اقطاعِ تو شامل

امید که لب تشنگیِ من نه‌پسندی
زان رشحه که بر صفحه فشانی ز انامل

امید که به‌پزیری و بر من نه کنی قهر
نه‌پزیرم اگر معذرتِ فرطِ مشاغل

امید که آن شیوه نه‌ورزی که بگویم
کز دردِ دلم فارغ و از من شده غافل

اے راے تو در روشنی از مہر فزوں تر
اے روے تو در حسن دو چند از مہ کامل

تا مہر بہ یک سال کند دائرہ را دور
تا ماہ بہ یک ماہ کند قطع منازل

باشی بہ سپہر شرف آں ماہ کہ باشد
در ثور بہ خرشید جہانتاب مقابل

******

۵٦

در مدح وزیرالدولہ

نواب وزیرالدولہ امیرالملک محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ (۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء - ۱۳ محرم ۱۲۸۱ھ/۱۸ جون ۱۸٦۴ء) فرمانروائے ٹونک کی مدح میں یہ قصیدہ "باغ دو در" کے مطابق ۱۸۴۵ء سے پیشتر کا ہے اور اس کا صلہ ملنے میں توقف ہوا تو میرزا نے ایک قطعہ بطور تقاضا لکھا جو "حدیقہ راجستان ٹونک" میں بھی درج ہے اور سبد چین میں بھی چھپ گیا ہے۔ لیکن "باغ دو در" کا بیان پیش نظر رکھ لیا جائے تو "حدیقہ کی مندرجہ تاریخ (۱۲۷۸ء) غلط ثابت ہوگی۔

قصیدے میں بتایا گیا ہے کہ میرزا کا ذکر نواب وزیرالدولہ کے دربار میں ہوتا تھا:

در بزمِ تو گویند سخن می‌رود از من
از بلبل شیدا کہ خبر کرد ارم را

وزیرالدولہ بہادر سید احمد شہیدؒ کے مرید و خلیفہ، بڑے متقی اور پابند شریعت تھے۔ اس کی طرف بھی اشارے موجود ہیں۔ تقاضے کے بعد صلہ ضرور ملا ہوگا، ورنہ میرزا دوسرا قصیدہ کیوں کہتے۔

پھر وزیرالدولہ کی وفات اور نواب محمد علی خاں کے جلوس پر بھی قطعہ بھیجا۔

عرفی نے اس زمین میں دو قصیدے کہے۔ ایک نعت میں دوسرا خانخاناں کی مدح میں۔ میرزا نے بھی دو ہی قصیدے کہے۔ ایک عباس علمدار کی منقبت میں اور دوسرا وزیرالدولہ کی مدح میں۔ ایک اور قصیدے کا معاملہ غور طلب ہے جس کے دو شعر شمس الامرا کو لکھے تھے:

اے مظہر کل در ازل آثار کرم را
منت بہ سر لوح ز اسم تو قلم را
شمس الامرا کز شرف نسبت نامش
خور قبلہ بد اورنگ نشینان عجم را

(کلیات نثر فارسی ص ۱۹۲-۱۹۳)

مخطوطہ رام پور میں اس کا عنوان ہے:

"در ستایش نواب وزیر محمد خاں بہادر"

صحیح نام محمد وزیر خاں ہے جیسا کہ "حدیقۂ راجستان ٹونک" سے تصدیق ہو سکتی ہے اور اکبر شاہ ثانی نے سند میں بھی محمد وزیر خاں ہی لکھا تھا۔

(حدیقۂ راجستان ٹونک ص ۱۹)

اے ذاتِ تو جامع صفتِ عدل و کرم را
وے بر شرفِ ذاتِ تو اجماع اُمم را

در امرِ ترا قاعده ثابت که به تسلیم
در سجدۂ حق سوده‌شود جبههٔ صنم را

در نهیِ ترا ضابطه محکم که به تهدید
بر فرقِ سکندر شکنی ساغرِ جم را

حقا که ز اسمِ تو عیان است که در شرع
فرزانه وزیری شهِ بطحا و حرم را[۱]

---

۱ - ممدوح کا نام محمد وزیر خاں تھا۔

معذورم اگر نامِ تو در بحر نه‌گنجد
در کوزه چسان جاے دهم دجله و یم را

در عهدِ تو از گوش به دل راه نباشد
آوازهٔ اسکندر و افسانهٔ جم را

بے سکه کنی شاهی و بر خود نه‌پسندی
کز سکه به بندِ تو شناسند درم را

جاهِ تو سراپرده در آفاق زد ، اما
جا، نیست دگر برزدنِ طرفِ خیم را

صد غوطه به زمزم زده از بهرِ طهارت
تا رخصتِ پابوسِ تو دادند قسم را

بالفرض گر اندیشه به تشخیصِ مدارج
از قهرِ تو اندازه سگالد کمِ کم را

نابود شود آں قدر از دهر که نشگفت
گر تنگ شود دائره پهناے عدم را

با تیزیِ نوکِ سرِ رُمحِ تو چه کردے
در پشت نه دزدیدے اگر چرخ شکم را

زاں رو که به پیدائیِ بزمِ تو نهان است
انگارهٔ ایں نقش تواں گفت ارم را

گر حرفِ وقار تو فرا آب نویسند
از موج به طوفاں نتواں‌برد رقم را

ناموس نگه‌داشتی از جود به گیتی
جز پردگیانِ حرمِ معدن و یم را

وقت است که این جمع به هر کوچه و بازار
پُرسند زهم منشاء رُسوائیِ هم را

در غلبه تواضع نه‌گزاری که ز شمشیر
زایل نه‌کند فتح پزیرائیِ هم را

در خشم سخاوت نه‌کنی قطع که از ابر
بیروں نه‌برد برق تقاضاے کرم را

هم نقلِ تو پیموده قوانینِ ملل را
هم عقلِ تو پالوده براهینِ حکم را

بر نفس تعیں۱ ساخته لطفِ تو غضب را
بر گنج روا داشته دادِ تو ستم را

علمِ نظرت پایهٔ خاص است اخص را
دستِ کرمت رحمتِ عام ست اعم را

بتخانه براندازی و زاں رو که به هر کار
نیروے اثرهاے شگرف است همم را

---

۱ - اصل میں تعیین ہے بر وزن ''آمین'' لیکن فارسی والوں نے ایک ی تخفیف کر کے تعیں بر وزن ''امیں'' بنا لیا - مثلاً :

تعیں گشت ساعات بزم طرب
خوشی یافت از حکم او روز و شب

گر در دلت اُفتد که کشندش به گزرها
ناگاه خود از پاے دمد رشتهٔ صنم را

دانی که پرستند و نخواهی که پرستند
در راه به دم محو کنی نقشِ قدم را

دارم سرِ عشقِ تو ولے ترسم از آشوب
کز رشک خلم در نظر اعیانِ امم را

اے در روشِ موکبِ عزمِ تو به شبگیر
پروین و پرن سبحه سر انگشتِ علم را

روزے که به اقلیم کشائی ز دیارے
رانی به دیارے دگر ایں خیل و حشم را

فراش به گنجینهٔ قاروں رسدش دست
کز خاک بروں آورد اوتادِ خیم[۱] را

در بزمِ تو گویند سخن می‌رود از من
از بلبلِ شیدا که خبر کرد ارم را

هر چند خود از بیش کم است ایں که بپرسی
اے کاش بپرسند ز من بیشی و کم را

شادم که توئی تا به تو هنگامه کنم گرم
ورنه ز کجا یافتمے قیصر و جم را

چشمِ گهرم در رهِ غواص سفید ست
تا در طلبِ من که شگافد دلِ یم را

---

۱ - اوتاد : وتد کی جمع بہ معنی میخ ، خیم : خیمہ کی جمع -

چوں کوہ کشم پائے بہ دامن ز قناعت
آرم بہ ادب تابِ گرانبارئِ غم را

بیت‌الشرفِ خویش بود خانۂ خویشش
مانا کہ عطارد ز من آموخت شیم[1] را

قدسی گہرم ہرکہ بسازد بہ من از مہر
باید کہ بہ‌نازد شرفِ علتِ ضم را

نادان نہ‌شناسد کہ نہادِ سخنم چیست
با باربدی[2] نغمہ چہ پیوند اصم[3] را

خاصم بہ سخن لافِ نسب مسلکِ عام ست
در نطق مسیحم چہ ستایم اب و عم را[4]

نازند بہ اغراض کسانے کہ ز کوری
از فربہیِ تن نہ‌شناسند ورم را

نامم بہ سخن **غالب** و روشن ترم از روز
بیہودہ چرا جلوہ دہم اسم و علم را

رشکِ روش و ذوقِ سماع آورد آرے
در زمزمہ ماند نفسم تیغِ دو دم را

---

۱ - شیم (بہ‌کسر ش و فتح ی) شیمہ کی جمع بہ معنی عادات و خصائل -

۲ - باربد: ایک مشہور مطرب، جو خسرو پرویز کے دربار میں تھا -

۳ - کاملاً بہرا -

۴ - یہ عرفی پر چوٹ ہے -

توقیعِ قبولِ اثرم علم و عمل را
منشور فروغِ سحرم دیر و حرم را

هرچند به پیری شده دل سرد زِ هستی
از سردیِ موسم چه زیان گرسیِ دم را

دارم نفسِ گرم در افسرده‌دلی نیز
از بهمن و دی تب نرود شیرِاجم را

برنائی اگر رفت نه آن است که بر من
حقے نبود پرورش آموزِ هرم را

فرخ دمِ پیری که کند در نظرم خوار
خوبانِ قمرطلعتِ ناهیدنغم را

پُشتم به سوے سجده ز خم راه نماید
باریست گران منتِ غمخواریِ خم را

با پشتِ خم، آسوده توان زیست به گیتی
اما چه کنم کج‌رویِ بختِ دژم را

جا در دو جهان آن قدرم نیست که وقتے
بیرون نهم از دائرهٔ یاس قدم را

در بحثِ غم اشعار جداگانه سرایم
تا درِ سخن از مدح بود فاصله ذم را

از من غزلے گیر و به‌فرمای که مطرب
در نے دمد از روے نوازش دو سه دم را

هر یک بهم از خود شمرد شیوهٔ رم را
هوشِ من و نازِ تو معارض شده هم را

تا بر تو نه‌ماند عوضِ رنجِ دلِ ما
بر تُربتِ ما رنجه کن از ناز قدم را

در هند تنک‌مایهٔ جورند نکویان
یا رب بچه اقلیم برم ذوقِ ستم را

گفتم که دمِ نزع در آن کشمکشِ سخت
پیچش به نفس سست شود عقدهٔ غم را

شیرینیِ جان بر لبِ من موج زد اما
این شهد نه‌بُرد از دهنم تلخیِ سم را

آسوده دلان چون شنوند آه و فغانم
دانند که من سرد نیم رنج و الم را

غافل که هم از هولِ نگونساریِ بخت است
فریاد گر از لب جهد اربابِ همم را

غم خست درون من و خونابهٔ آن زخم
بر چشم روا داشت برون دادنِ نم را

در سرمه فروخفته گدایانه خروشے است
پیش آمده روزِ سیہے حرف و رقم را

گفتم که گدایم ز گدایان نه‌شماری
در هم‌نفسان نیز بود تفرقه هم را

در جوهرِ آواز که فرد است نه‌بینی
هنجارِ دم از زیر جدا ساخته بم را

هرچند به دریوزهٔ عزت ز عزیزان
با خود به شفاعت نتوان برد قسم را

سوگند خورم گر به فروغِ گهرِ خویش
فیض از دمِ سوگند رسد صبحِ دوم را

من وایه ز شه جویم و شه معرفت از من
رخ جانبِ کشکولِ من است افسرِ جم را

هنگامِ گدائی فتد از شرم سوالم
لعل و گهر از لرزه ز دست اهلِ کرم را

بستم به تو دل تا ز تو بر من چه کشاید
محمول بود سود و زیان بیعِ سلم را

امید که زنهار ز من یاد نیاری
تا یاد نیاری که چه معنی ست اهم را

امید که بر من نه‌گماری نظرِ لطف
تا در نظرت جا نه‌بود وجهِ اتم را

آهنگِ دعا چنگ و نے و عود نخواهد
ابریشمِ این ساز کنم نالِ قلم را

تا چرخ کشد محملِ برجیس، بقا باد
نواب فلک‌محملِ برجیس شیم را

******

۵۷

در مدحِ وزیرالدولہ

یہ قصیدہ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۴۹ء تک کا ہونا چاہیے ، کیونکہ پہلے شعر کے مطابق عیداضحیٰ اس زمانے میں ہوئی تھی ، جب سرما کا آغاز ہو رہا تھا اور ایسی عیدیں اسی مدت میں ہوئیں ، جس کی تصریح اوپر کی جاچکی ہے ۔ چونکہ پہلا قصیدہ ۱۸۴۵ء یا اس سے پیشتر کا ہے ، لہٰذا اسے ۱۸۴۷ء سے بعد کا سمجھنا چاہیے ۔

عیداضحیٰ بسرِ آغازِ زمستاں آمد
وقتِ آراستنِ حجرہ و ایواں آمد

گرمی از آب بروں رفت و حرارت ز ہوا
محملِ مہرِ جہانتاب بہ میزاں آمد

روز می کاہد و شب راست در افزایش روی
موسمِ دیر غنودن بہ شبستاں آمد

آذر افروز و خز و اطلس و سیفور[1] بدوز
مہرمہ می‌رود اینک مہِ آباں آمد[2]

---

۱ ۔ خز ، اطلس اور سیفور کپڑوں کی قسمیں ہیں ۔

۲ ۔ مطلب یہ کہ ماہ مہر جا رہا ہے اور ماہ آباں آ رہا ہے ۔

هند در فصلِ خزاں نیز بہارے دارد
گونہ گوں سبزہ حلی بندِ خیاباں آمد

دے و بہمن کہ در اقلیمِ دگر یخ بندد
اندریں ملک گل و سبزہ فراواں آمد

نیشکر بسکہ صف آراست کدیور[1] بہ نسیم
گفت جا نیست دگر سرزدہ نتواں آمد

نخلِ نارنج نہ بینی کہ ہم از میوہ و شاخ
گوی و چوگاں بہ کف آورد و بہ میداں آمد

تا برد داغِ غمِ ہجر شقایق ز دلش
گلِ صد برگ بہ دلجوئیِ دہقاں آمد

گر نہ ایں گرمیِ ہنگامہ تماشا دارد
از چہ نرگس پے نظارہ بہ بستاں آمد

رفتم از خویش و گل و لالہ فراموش کردم
زانکہ بستاں ہمہ بر صورتِ نسیاں آمد

سخن از فرہ و فرہنگِ خداوند آرم
داستانِ گل و گلزار بہ پایاں آمد

دانی آں کیست کہ منشورِ نکونامی را
نامِ نیکوے وے آرایشِ عنواں آمد ؟

صورتِ معنیِ اسلام وزیرالدولہ
کہ دلش آئنۂ صورتِ ایماں آمد

---

۱ - مزارع ، کھیتی باڑی کرنے والا -

مہر و مہ را بہ زمیں بوسِ قدمے آورد سپہر
ایں شبانگہ جبیں سود و بہ روز آں آمد

سالکاں چوں نہ بہ کوے روے ارادت آرند ؟
در رہِ شرع دلش چشمۂ عرفاں آمد

ہم کلیمش سخنِ دوست رہ‌آورد۱ آورد
ہم خلیلش بہ سرِ مائدہ مہماں آمد

نکتہ بیمر شنو و گنجِ فراواں بردار
لبِ لعل و کفِ رادش گہر افشاں آمد

آستانش بود البتہ کہ درباں با اوست
چرخِ ہفتم کہ تماشاگہِ کیواں آمد

گوئی آں روز کش اندر صفِ ہیجا دیدم
گفتہ‌باشم کہ مگر سامِ نریماں آمد

خرد از روے ادب گفت ز من بر نخوری
تا نہ گوئی کہ جم و قیصر و خاقاں آمد

مطلعے تازہ بہ گلبانگ سرودن دارد
خامۂ من کہ سخن‌سنج و سخنداں آمد

چرخ کش نامِ دگر گنبدِ گرداں آمد
با تو گوی است کہ سیلی‌خورِ چوگاں آمد

از جہانی و جہاں نامور از تست آرے
شہرتِ زالِ زر از رستمِ دستاں آمد

۱ - رہ آورد : تحفہ، خصوصاً وہ تحفہ جو سفر سے ساتھ لایا جائے۔

زاں سرِ رہ کہ سراں بہرِ تماشا گزرند
شور خیزد کہ فلاں آمد و بہماں آمد

ناگہاں چوں تو بدیں حسنِ خداداد آئی
ہمہ گویند کہ شاہ آمد و سلطاں آمد

تا بہ آہنگِ ستایش چہ سخن ساز کنم
من کہ با من ہمہ گلبانگِ پریشاں آمد

غالب از دیر ہم از دور نواسنجِ دعاست
بلبلِ باغِ ولاے تو خوش‌الحاں آمد

حق پرستم من و انصاف بود شیوۂ من
ہر کہ شد بندۂ حق، بندۂ احساں آمد

منم آں بندہ کہ با خواجہ ہمی ورزم عشق
ناقۂ فکرِ مرا شوق حُدی‌خواں آمد

من در آئینہ زدائی نہ کنم سعی ، دریغ
صدرہ از دستِ من ایں کارِ نمایاں آمد

حسن باید کہ در آئینہ شود عکس فگن
ورنہ روشنگریِ آئینہ آساں آمد

داشتم از پئے تقریب سگالش باخویش
عید سوداے مرا سلسلہ جنباں آمد

جاں نثارِ تو ام از عید چہ پروا دارم
کہ خود اشعار مرا قافیہ قرباں آمد

به فرستادنِ فرمانِ قبولم دریاب
بنده را ورنه همان گیر که فرمان آمد

شادم از بخششِ یزداں که به فرخ گہری
سخنم کالبدِ ناطقه را جاں آمد

دیگر از معنیِ اخلاص به اندازِ دعا
دم زدم چوں سخن از بخششِ یزداں آمد

چند چیز است که درپیشگهِ اهل تمیز
به گرانمایگی آرایشِ گیہاں آمد

آں درخشنده درفشے که به یغماے عرب
در زمانِ عمرؓ از لشکرِ ایراں آمد

آں فروزنده و فیروز و دل افروز نگیں
که روائی دهِ فرمانِ سلیماں آمد

دیگر آں جامِ جہاں بیں که به روشن روشی
عالم افروز تر از مہرِ درخشاں آمد

دیگر آں تختِ سبکسیر که از تیزروی
همدمِ باد چو بوے گلِ ریحاں آمد

هفت گنجینهٔ پرویز که در هفت اقلیم
به نموداریِ هفت اخترِ تاباں آمد

فہمِ هر نکتهٔ غامض که پیمبرؐ فرمود
فیضِ هر آیتِ رحمت که به قرآں آمد

یا رب اینها به تو بخشند و بر آں افزایند
دمِ آبے که ز سرچشمهٔ حیواں آمد

۵۸
در مدحِ شیو دھیان سنگھ

راؤ راجا شیو دھیان سنگھ (۱۸۴۵ - ۱۱ اکتوبر ۱۸۷۴ء) بنے سنگھ کا فرزند۔ پہلی مرتبہ اس کا دور مختاری ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۳ء تک جاری رہا، لیکن انتظامات بگڑ گئے اور دوبارہ اختیار ملا تو جلد ہی وفات پائی۔

مولانا فاضل کے بیان کے مطابق یہ قصیدہ مخطوطہ علی گڑھ میں لارڈ ہارڈنگ کے نام ہے اور اس کے پہلے دو شعر یہ ہیں:

شادم کہ گرد موکب نواب نامدار گردید کحل بینش اعیان ایں دیار
فرزانہ ہارڈنگ کہ در دفتر قضا القاب اوست داور فرزانگی شعار

گرد آورد بہ شکلِ فرس باد را بہار
تا شیو دھیان سنگھ بہادر شود سوار

فرزانہ راؤ راجہ کہ با رائے روشنش
کس آفتاب را نہ‌برد نام زینہار

بر ہر زمیں کہ موکبِ عزمش گزر کند
آں جادہ بختیان فلک را بود مہار

موکب مگوی، روشنیِ روشنانِ چرخ
موکب مگوی، تازگیِ موسمِ بہار

آوازۂ گرایشِ نصرت ز ہر طرف
اندازۂ کشایشِ دولت ز ہر کنار

رہ بر نظارہ بند ز گردانِ تیغ‌زن
جا بر اشارہ تنگ ز شاہانِ تاجدار

دلہا شکستہ در تنِ گرداں ز "دور باش"[1]
خونہا فشردہ در رگِ شاہاں ز گیرودار

یابد ز فرخی بہ سرش ہیبت کلاہ
تاجے کہ ماندہ است ز پرویز یادگار

گیرد ز تازگی بہ رہش صورتِ وقوع
فیضے کہ میرسد ز بہاراں بہ روزگار

از نشرِ فوج قطعۂ گلشن شود زمیں
از سُمِ رخش سودۂ گوہر شود غبار

سرو سہی بہ سایہ بروید ز مغزِ خاک
صد رنگ گل بہ جلوہ برآید ز نوکِ خار

میداں ز گرد ، سرمہ فروشد بہ چار سو
توسن ز خوے ستارہ فشاند بہ رہگزار

اے ماہِ نیم ماہ ز خوبی بہ وقتِ عیش
وے مہرِ نیمروز ز تابش بہ گاہِ بار

اے بر بساطِ بزمِ تو زاور[2] غزلسرائے
وے بر سماطِ[3] جودِ تو حاتم وظیفہ خوار

---

۱ مخطوطہ علی گڑھ میں اس کے بعد پانچ شعر یہ بتائے گئے ہیں :

دستے بہ ملک گیری و دستے بہ دلبری — صد تیغ در یمین و دوصد گنج در یسار
داور مگوی ، خسرو و سلطان و بادشاہ — داور مگوی، قیصر و خاقان و شہریار
ہم در سپہ بہ کوشش گردان نامجوی — ہم در کلہ بہ نازش شاہان نامدار
با فر خسروانی و فرمان خسروی — بر خود نہادہ نام امیری ز انکسار
آرے روا بود کہ بہ گفتن جہانیان — خرشید را ستارہ شمارند در شمار

۲ - زاور : زہرہ ستارہ ۔ ۳ - سماط : دسترخوان ۔

کلکِ ترا طرازِ عطا ، بالِ اهتزاز
دستِ ترا دهانِ طمع ، چشمِ انتظار

اے آنکه از اقامتِ غالب به پیشگاه
دامِ ترا همائے همایوں بود شکار

آنم که چوں به مسندِ دولت کنی جلوس
آرم به نذر سلکِ گہرہائے شاهوار

چوں من گہرفروش نه‌باشد به هر بِساط
چوں من سخن‌سرائے نه‌خیزد ز هر دیار

پیرم ولے به طبع جواناں گراں نیم
غم خوردنم نهفته و مے خوردن آشکار

گفتارِ من چو فرِّ جمالِ تو دل‌فروز
افکارِ۱ من چو رائے رزینِ تو استوار

تقویمِ سال نیست خطِ بندگیِ من
کز کهنگی فروفتد از اوجِ اعتبار۲

آں خط لطیفه ایست که امسال در جهاں
خوشتر ز پار و پار بود خوشتر از پرار

از روئے راستی بود آں خط الف ولے
سال است نقطه در نظرِ مردِ هوشیار

---

۱ - مختلف نسخوں میں ''انکار'' چھپا ہے لیکن غلط ہے۔ دراصل پہلی طباعت کی زبر کو کھینچ کر کاف کی دوسری کشش بنا لیا گیا۔

۲ - میرا خط بندگی جنتری نہیں کہ ایک سال کے بعد اوجِ اعتبار سے گر جائے یعنی غیر معتبر ہو جائے۔

هر سال قدر آں شود افزوں که با الف
یک نقطه ده دو نقطه صد و سه شود هزار

زاں پس که گشت گوهرِ من در جهاں یتیم
زاں پس که کشته‌شد پدرِ من به کارزار

ق

در پنج‌سالگی شده‌ام چاکرِ حضور
رنگیں سخن‌طرازم و دیریں وظیفه‌خوار

دارم بگوش حلقه ز پنجاه و هشت سال
اکنوں که عمر شست و سه سال است در شمار

باید شنید راز زِ اعیانِ بارگاه
باید شنفت قصه ز پیرانِ آں دیار

کافی بود مشاهده شاهد ضرور نیست
در خاکِ راج‌گڑه پدرم را بود مزار

فرزانه داورا و کرم‌پیشه سرورا !
دارم دلے ز زخمِ جفاے فلک فگار

سوزے که در دل است فرو می‌خورم به دل
زاں رو چو شمع دیدهٔ من نیست اشکبار

گر دم زدم ز لافِ صبوری نه راستی است
با غم چه تابِ دعوی و بر دل چه اختیار ؟

ق

در سینہ۱ خوں شدے و فرو ریختے ز چشم
گر دل بہ بخششِ تو نہ‌بودے امیدوار

کس برنتابد ایں دو صفت ضدِ یک دگر
واماندہ‌ام چو خاک و پراگندہ چوں غبار

دانم کہ دوختند زمیں را بہ آسماں
زاں گونہ دادہ‌اند مرا درمیاں فشار۲

با ایں ہمہ سمومِ غمومِ خردگداز
سہل است غم کہ والیِ ملکے و غم‌گسار

پاداشِ جاں‌گدازیِ من در طریقِ نظم
دستے بہ دست‌گیریِ من ز آستیں برآر

زاں رو کہ مدح را بہ دعا ختم میکنم
شوقم ترانہ‌سنجِ دعا گشت، گوشدار

خواہم بہ صد نشاط کہ باشم بہ صد نشاط
خواہی ز روزگار کہ باشم بہ روزگار

من از تو شادمان و تو از طالعِ بلند
من از تو کامیاب و تو از آفریدگار

---

۱ - ابتدا میں ''در سینہ'' کی جگہ ''در غصہ'' تھا نظر ثانی میں ''در سینہ'' بنایا گیا ۔

۲ - میرزا کی ایک غزل کا شعر ہے :

دوزند اگر بہ فرض زمیں را بہ آسماں
حاشا کزیں فشار بر ابرو خم افگنم

۵۹

در مدحِ نرندر سنگھ

مہاراجہ نرندر سنگھ والی پٹیالہ (۱۸۲۳ء-۱۸۶۲ء) کرم سنگھ کا بیٹا، ۱۸۴۵ء میں مسند نشین ہوا۔ چونکہ شریف خانی خاندان اطبا میں سے حکیم غلام نبی خاں دربار پٹیالہ سے وابستہ تھے اور ان کے ساتھ نیز ان کے فرزند حکیم غلام رضا خاں کے ساتھ میرزا غالب کے تعلقات بہت گہرے تھے، اس لیے اغلب ہے یہ قصیدہ حکیم موصوف ہی کی وساطت سے دربار میں پیش ہوا ہو۔

سحر که بادِ سحر عرضِ بوستان گیرد
دهد به نکهتِ گل حکم تا جهان گیرد

برات بر زرِ گل کرده‌اند پنداری
که غنچه را سپهِ سبزه درمیان گیرد

مگر به گردِ گل از بهرِ پاس حلقه زد است
که ژاله را ز هوا سبزه بر سنان گیرد

ستاده سرو بداں اهتمام بر درِ باغ
که تا بهارِ دگر راه بر خزاں گیرد[۱]

ز ژاله غنچه به سرمست شاهدے ماند
که بعدِ باده شکرریزه در دهاں گیرد

چمن ز عکسِ شفق ساتگینِ[۲] مُل گردد
سمن ز جوشِ طرب ، رنگِ ارغواں گیرد

زنند گر همه آتش به خار ، گل بالد
کنند گر همه پیکر ز سنگ ، جاں گیرد

ز انبساطِ هوا بعد ازیں عجب دارم
که مرغِ قبله‌نما جا در آشیاں گیرد

خود از نشاط چناں ره رود که از رهِ داد
رواست خامه اگر خورده بر بناں گیرد

نویدِ مقدمِ گل گر تو نشنوی ، مشنو
مگو که سبزه چرا صورتِ زباں گیرد

شود فراز درِ بوستاں مباد که باد
عیارِ نامیه از سنگِ آستاں گیرد

---

۱ - راہ گرفتن کا مطلب ہے راستہ بند کر دینا ۔ میرزا فرماتے ہیں کہ سرو باغ کے دروازے پر اس اہتمام کے لیے کھڑا ہے کہ دوسری بہار تک خزاں کا راستہ روک رکھے ۔

۲ - ساتگین مل : شراب کا پیالہ ۔

ز گل نگه نتواں داشت دل ، به حیلهٔ عشق
اگر ز ما نتواند ز دل‌ستاں گیرد

چناں به کنجِ چمن یافت ذوقِ طاعتِ حق
که شیخِ شهر چو ما ترکِ خان و ماں گیرد

حریصِ جلوه نگه در هجومِ لاله و گل
چو آں گدائے که دنبالِ کارواں گیرد

چنیں که شاخ همی سینه بر زمیں مالد
چرا کسے ثمر از دستِ باغباں گیرد

مداں که سرو نه‌دارد گل و نیارد بار
خرد چگونه روائی بدیں گماں گیرد

ز بسکه راجهٔ سلطاں نشاں ، نرندر سنگھ
به جُرم سرکشی از سرو ترجماں گیرد

عطیهٔ که دمادم رسد ز باد به سرو
ز سرو شحنهٔ حُکمش زماں زماں گیرد

زہے سعید که توقیعِ کامرانیِ خویش
ز روزگار به اقبالِ جاوداں گیرد

بلند پایه بداں حد که نسرِ طائرِ چرخ[1]
فرازِ کنگرِ کاخِ وے آشیاں گیرد

---

۱ - نسر طائر : لفظی معنی اڑتا ہوا گدھ - یہ آسمان پر ایک شکل ہے، جسے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گدھ اڑا جا رہا ہے۔ اسے ''عقاب'' بھی کہتے ہیں -

به عهدِ دولتِ او در جهان صلا زده‌اند
که هرکه هرچه نه‌دارد ز آسمان گیرد

نه‌باشدش به قلمرو خراج و تمغاے
مگر خبر که مکرر ز کاروان گیرد

ق

براتِ بذل نویسد بر آفتاب و سحاب
ز ننگ آن که دُر از بحر و زر ز کان گیرد

ایا خدیوِ عطاردبیر مهرنظیر
که از تو درس نظر عقلِ خُرده‌دان گیرد

شمارِ داد بجاے رسانده‌ای که خرد
شمارد از تو دلے را که شادمان گیرد

دهی ز خُلق چنان خَلق را بهم پیوند
که محتسب ز مغان باده ارمغان گیرد

ز بسکه با رمه[۱] سرکرده گرگ لابه و لاغ[۲]
بران سر است که خود را سگِ شبان گیرد

سخن به مدحِ تو رانم ولے شکایتِ چرخ
به پویه توسنِ طبعِ مرا عنان گیرد

لبے ز دردِ دل آمادهٔ فغان دارم
فغان اگر دلت از تنگیِ فغان گیرد

---

۱ - بھیڑوں بکریوں کا ریوڑ -

۲ - بذل و ظرافت ، خوش طبعی -

نه دیده ای و نه بینی ، مرا به‌بیں که منم
کسیکه از غمش آذر به استخواں گیرد

بجوی حالِ من از قالِ من که کارشناس
سراغِ آتشِ سوزنده از دُخاں گیرد

مرا که نامِ مرا بےادب نه‌گیرد کس
فلک نگر که به بازیچه ناگہاں گیرد

سپہر اعمی و من گوشه گیر و ره به نشیب
فغاں ز نطق که خصمم بدیں نشاں گیرد

حریرِ فکرِ مرا هر نورد صد رنگ است
خوشم که دیده‌ور از من به امتحاں گیرد

به مشتری چه رسم تُرکِ چرخ[۱] در راهست
که جان و جامه و جا هر سه رائگاں گیرد

من آں متاعِ گرانمایه و سبک قدرم
که گر بهیچ خرد کس هماں گراں گیرد

دلم ز چاره نه‌دارد همی جز ایں که ترا
به حالِ خویش در اندیشه مہرباں گیرد

فسانهٔ غمِ دل بے سر و بن آفتاد ست
سخن به نظم چه اندازهٔ بیاں گیرد

قصیده را به دعا ختم می‌کند **غالب**
مبارک است سخن کز دعا نشاں گیرد

---

۱ - ترک چرخ یا ترک فلک : مریخ -

دعا ست خاتمۂ مدح و دل چناں خواہد
که از دعا دگر آغازِ داستاں گیرد

بنائے قصرِ جلالت بلند باد چناں
که ره به گردشِ گردنده آسماں گیرد

اساسِ منظرِ جاہِ تو چوں نہادہ‌شود
زمانه خشتِ نخستیں ز فرقداں[۱] گیرد

۱ - فرقداں : دو ستارے جو قطب کے اردگرد گھومتے ہیں اور برابر روشن رہتے ہیں۔ انھیں فرقدین بھی کہتے ہیں۔

٦٠

در مدحِ مصطفیٰ خاں

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی (متوفیٰ ۱۲۸۶ - ۱۸۶۹ء) میرزا غالب کے نہایت عزیز دوست اور اپنے عہد کے اکابر علم و فضل میں سے تھے۔ اس دور میں جب وسائل سفر بڑے غیر یقینی تھے، نواب موصوف نے حجاز کا سفر اختیار کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ شاہ عبدالغنی مجددی سے بیعت کی۔ اردو اور فارسی دونوں میں جو کچھ کہا بہت بلند پایہ ہے۔ زمانۂ اسیری میں ہر تیسرے دن میرزا سے ملنے کے لیے جیل خانے جایا کرتے تھے۔ جرمانہ وغیرہ بھی انھوں نے ادا کیا۔ نیز مقررہ رقم ادا کر کے مشقت معاف کرائی۔ اس احسان کا اعتراف میرزا نے حبسیہ میں یوں کیا ہے:

مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غم خوار من است
گر بہ میرم چہ غم از مرگ عزادار من است

یہ قصیدہ بھی نواب مرحوم کے خلوص، صداقت، عدیم‌المثال دوستی کی ایک، ہمیشہ تازہ رہنے والی یادگار ہے۔

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می‌زنم — کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم
زخمہ بر تارم پریشاں می‌رود — کایں نواہاے پریشاں می‌زنم
چوں نہ دیدم کزنوایش خوں چکد — طعنہ بر مرغِ سحرخواں می‌زنم

خامه هم رازِ دمِ گرمِ من است — آتش از نے در نیستاں می‌زنم
جوے شیر از سنگ راندن ابلهی‌ست — بهرِ گوهر تیشه بر کاں می‌زنم
دیگراں گر تیشه بر کاں می زنند — من شبیخوں بر بدخشاں می‌زنم
گریه را در دل نشاطے دیگرست — خنده بر لبهاے خنداں می‌زنم
باز شوقم در خروش آورده است — باز هوے هم چو مستاں می‌زنم
دی به یغما داده‌ام رخت و متاع — امشب آذر در شبستاں می‌زنم
در جنوں بیکار نتواں زیستن — آتشم تیز است و داماں می‌زنم
خار خارِ چاکِ دیگر داشتم — بخیه بر چاکِ گریباں می‌زنم
گرچه دل با هیچ کس در بند نیست — جوشِ خوں بااین و باآں می‌زنم
بندِ هر خواهش ز دل می‌بگسلم — نقشِ هر صورت به عنواں می‌زنم
گر حدیث از کسب و دکاں می کنم — ور نشید از باغ و بُستاں می‌زنم

ق

تیشه در بنگاهِ آزر می‌نهم — لاله بر دستارِ نُعماں[1] می‌زنم
دعویِ هستی هماں بت بندگی است — کافرم گر لافِ ایماں می‌زنم
در ره از رهزن خطرها گفته اند — گام در پیراهه آساں می‌زنم
رازدانِ خوے دهرم کرده‌اند — خنده بر دانا و ناداں می‌زنم
در خراباتم نه‌دید استی خراب — باده پنداری که پنهاں می‌زنم
خوے آدم دارم ، آدم زاده ام — آشکارا دم ز عصیاں می‌زنم
باده در ابرِ بهاراں می‌زدم — حالیا در تیرباراں می‌زنم

---

۱ - نهایت سرخ رنگ کا لاله جو نعمان بن منذر حاکم حیره سے منسوب ہے - وهی نعمان جس نے ایران کے ولی عهد بهرام گور کے لیے ایک قصر بنا کر اس کی تربیت کی تهی -

طعنه بر دلقِ مےآلودم مزن　　نیست ساغر، مے به پنگان[1] می‌زنم

غالبم از مےپرستی نگزرم　　غوطه در گردابِ طوفان می‌زنم

تو دریں جا بینی و من خود هنوز　　جامِ مے در بزم اعیان می‌زنم

در ترقی می‌نه گنجد گفتگو　　در تنزل دم ز عرفان می‌زنم

می‌ستیزم با قضا از دیر باز　　خویش را بر تیغِ عریان می‌زنم

لَعب با شمشیر و خنجر می کنم　　بوسه بر ساطور و پیکان می‌زنم

بر خرامِ زُهره و رفتارِ تیز　　چشمکے دارم که پنهان می‌زنم

گه گہے کز پایه می‌آیم فرود　　حرف با برجیس و کیوان می‌زنم

می‌برد از من قضا چندان که من　　گوی گردوں را به چوگان می‌زنم

هزلِ من از آسمان از حد گزشت　　عذر را حرفے به برهان می‌زنم

خانه‌زادِ درگه شاهنشهم　　دم ز مهرِ شاهِ مردان می‌زنم

رشک بر فرجامِ قَنبر[2] می برم　　چنگ در دامان سلمان[3] می‌زنم

دستِ رد بر تاج قیصر می‌نهم　　پشتِ پا بر تختِ خاقان می‌زنم

خُرده می‌گیرند بر من قدسیان　　گر نفس در مدحِ سلطان می‌زنم

---

۱ - پنگان : کاسۂ مسیں ، کہا جاتا ہے کہ اسے پانی میں ڈال کر گھڑی کا اندازہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس کاسے کو بھی گھڑی کہتے تھے۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل نے اسے ینگان (ی کے ساتھ) پڑھا ہے اور ''ینگ'' کی جمع سمجھا ، جس کے معنی رسم ، عادت ، روش اور آئین وغیرہ کے ہیں لیکن اس طرح معنی بظاھر کچھ نہیں بنتے۔

۲ - حضرت علیؓ کے غلام کا نام۔

۳ - مراد ہے حضرت سلمان فارسیؓ۔

آں ہمائے تیزپروازم کہ بال — در ہوائے مصطفیٰ خاں می‌زنم
آں سمیِ خواجہ کاندر خواجگی — از عطایش موجِ عماں می‌زنم
عرفی و خاقانیش فرماں‌پذیر — سکہ در شیراز و شرواں می‌زنم
او خرامد مست و من چاؤش وار[1] — بانگ بر اجرام و ارکاں می‌زنم
گلشن کویش گزرگاہِ من است — دوش در رفتن برضواں می‌زنم
خوبیِ خویش بدآموزِ من است — دم ز یاری میزنم ہاں می‌زنم
مہرورزی بیں کہ باشم ہم نشیں — سنکہ زانو پیشِ درباں می‌زنم
بشنود بےآنکہ باد آں را برد — نالہ گر در کنجِ زنداں می‌زنم[2]
بنگرد بے آنکہ کلک آں را کشد — نقش گر بر صفحۂ جاں می‌زنم
التفاتے در خیال آوردہ‌ام — فالِ فیروزی بہ دوراں می‌زنم
بادِ لطفش گل فشانی می‌کند — تکیہ بر نسرین و ریحاں می‌زنم
باغِ مدحش تشنۂ نطقِ من است — قطرہ چوں ابرِ بہاراں می‌زنم
رہ‌گزر تنگ است بر خیلِ دعا — تا دریں وادی چہ جولاں می‌زنم
من دعا گوی و سروش آمیں سرائے — ساز را لختے بہ ساماں می‌زنم
عمرِ خضر و عیشِ نقد و نامِ نیک — فالِ بخششہائے یزداں می‌زنم

چوں بہ نامش سکۂ دولت زدند
نامہ را خاتم بہ عنواں می زنم

---

۱ - چاؤش: نقیب لشکر و قافلہ -

۲ - نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے میرزا کے ابتلاء اسیری میں جس یگانہ شان سے حق محبت و رفاقت ادا کیا یہ اس کی ایک اور دل‌آویز دستاویز ہے -

٦١

در مدحِ مفتی صدرالدین آزرده

مفتی صدرالدین آزرده (۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء - ۲۴ ربیع‌الاول ۱۲۸۵ھ/۱۵ مئی ۱۸۶۸ء) صدرالصدور اور آخری دور کے نہایت ممتاز عالم دین، میرزا غالب کے عزیز دوست تھے - اس قصیدے میں حق دوستی نہایت عمدہ طریق پر ادا کیا ہے -

مولانا شبلی مرحوم شعرالعجم میں فرماتے ہیں کہ مرزا غالب کی طبیعت میں نہایت شدت سے اجتہاد اور جدت کا مادہ تھا - اس لیے اگرچہ قدما کی پیروی کی وجہ سے نہایت احتیاط کرتے ہیں تاہم اپنا خاص انداز بھی نہیں چھوڑتے -
(حصۂ پنجم ص ۲۱)

مثال میں اسی قصیدے کے دو شعر پیش کیے ہیں جن کی کیفیت ان شعروں کے سلسلے میں بیان ہوگی -

زاں نمی‌ترسم که گردد قعرِ دوزخ جاے من
واے گر باشد همیں امروزِ من فرداے من

چوں تواں در سایه آرامید کز جوشِ جنوں
نخل چوں طائر به پرواز است در صحراے من

گر جنونے هست گوباش این همه سوز از کجاست
نیست گر از خاکِ گلخن عنصرِ سودائے من

از بروں سو آبم ، اما از دروں سو آتشم
ماهی ار جوئی سمندر یابی از دریائے من

مردم از من داستاں رانند و از دورانِ چرخ
گشت صرفِ طعمهٔ زاغ و زغن عنقائے من

بسکه در بندِ گرانم تن ز هم پاشیده است
روزِ حشر از خاک خیزد فرد فرد اعضائے من

گر بهم پیوندد اجزا ، چیست تا در تن دمند؟
منع بعثِ من کند دردِ رواں‌فرسائے من

روزگارم را به‌ناکاسی شمارے دیگر است
خود پس از روزِ شمار آید شبِ یلدائے من

چوں جرس کاں را به تارے بسته آویزاں کنند
ناله می خیزد چو می جنبد دلِ دردائے من

آں فغاں سنجم که هم در علمِ حق پیش‌از ظهور
خواب از چشم ملائک رفته از غوغائے من

اے که در نطقم روانی دیده ای دانی که چیست؟
می‌خورم خونِ دل و می ریزد از لبهائے من

در روانی رغبتِ سامع برد گفتارِ من
از گرانی زحمتِ خاطر بود کالائے من

خوے من افسونِ رنجش خوانده بر احبابِ من
بختِ من پیمانِ سازش بسته با اعداے من

ماند از چندے چنیں از شرم اشکِ بے اثر
چشمِ تر ترسم شود ناسورِ پشتِ پاے من

اهرمن را گر شبے در کلبهٔ من جا دهند
جاں دهد از وحشتِ دیوارِ دوداندا‌ے من

نام‌ادم دارد ایں افزونیِ خواهش به دهر
آب بر من بسته‌اند آرے ز استسقاے من

گر گزارد خانه را همسایه نتواں طعنه زد
لرزه در دیوار و در افگنده ها یا هاے من

نالم از دردِ دل اما چاره چوں خواهم ز کس
من که نتواند به گوشِ من رسید آواے من

می فشارم خوں ز دل وانگاه می‌مالم به روی
بو که دریابند پنهانِ من از پیداے من

با چنیں انده که پر گفتیم و دل خالی نه شد
خواجه گر انده‌گسارِ من نه بودے واے من

آنکه بر یکتائیِ وے در فنِ فرزانگی
متفق گردید راے بو علی با راے من

آنکه چوں خواهد به نامش نامه نامی ساختن
برنگارد عقلِ فعالش کرم‌فرماے من

دل بدیں وصفم نیاساید سخن کوته کنید
آنکه ننگِ اوست بودن در سخن همتاے من

صدرِ دین و دولت و صدرالصدورِ روزگار
میر و مخدوم و مطاع و والی و مولاے من

گویم و از نکته‌چیناں در دلم نبود هراس
کیقباد و قیصر و کیخسرو و داراے من

موکبش چوں‌مرجعِ عام است با غیرم چه بحث
پرسشے دارد ارسطو می‌دود هم‌پاے من

عاجزم چوں در ثناے دوست با رشکم چه کار
می‌روم از خویش تا گیرد عطارد جاے من [1]

خاکِ کویش خودپسند افتاده در جذبِ سجود
سجده از بهرِ حرم نگزاشت در سیماے من [2]

---

۱ - مولانا شبلی مرحوم نے یہ شعر نقل کر کے اس کی تشریح یوں کی ہے:

مجھ سے ممدوح کی تعریف ادا نہیں ہو سکتی تو رشک سے کیا فائدہ؟ میں اس کام سے دست بردار ہو جاتا ہوں کہ عطارد اس کام کو انجام دے۔

(شعرالعجم حصۂ پنجم ص ۲۲)

۲ - اس شعر کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

اصل مضمون صرف اس قدر ہے کہ میں حرم کے بجائے ممدوح کی خاک کوسجدہ کرتا ہوں۔ اس کو یوں ادا کرتے ہیں کہ خاک کی شکایت کرتے ہیں کہ نہایت مغرور اور خود پسند ہے۔ چنانچہ میری پیشانی میں ایک بھی سجدہ حرم کے لیے نہ چھوڑا۔

صاحبا از یُمنِ فیضِ روشناسیهاے تست
روشناسِ چرخ و انجم پایهٔ والاے من

بر سرِ کوے تو از اندازه بیروں می‌رود
التماسِ روشنانِ چرخ و استغناے من

تیر پیشم در جبیں سائی که سوزم عرضه‌دار
تاچه آتش می‌فروزد مهر در جوزاے من

مشتری بامن به پوزش کاے به مفتی، همنشیں
بگزرانی از نظر قرطاسِ استغناے من

من به‌مدحِ خواجه دستاں سنج و دل مستِ سماع
نے غلط گفتم نه دل، فرزانهٔ یکتاے من

دوش در بزمے که ناهید از صفاے آں بساط
گفت دستم گیر می‌ترسم که لغزد پاے من

رندِ دردآشام، **غالب** نام در ساقیگری
پارهٔ مشک و گلاب افزود در صهباے من

ایں که در وصفت سخن راندم رحیقِ مشکبوست
ویں رحیق است آبروے ساغر و میناے من

گر نه‌نوشم دیگر و در شیشه دارم پیش روے
بوے مے از بس خوشی باشد رواں آساے من

با تو خود را در دعا انباز نپسندم، ولے
هست بر من هم سپاسِ طبعِ معنی زاے من

چوں نثارِ تست گر من نیز چینم عیب نیست
موج گوهر بر کنار افگند از دریاے من

تا بود در دهر شور از مصرعِ عرفی که گفت
"آسماں صحنِ قیامت گردد از غوغاے من"

در جہاں تا جا بود خالی مبادا جاے تو
در دلت چندانکه گنجد باد خالی جاے من

*****

٦٢

در مدحِ ضیاءالدین احمد نیر و رخشاں

نواب احمد بخش مرحوم کے فرزند سوم، امین الدین احمد خاں رئیس لوہارو کے حقیقی اور بیگم غالب کے چچیرے بھائی جو میرزا کے عزیز شاگرد اور خلیفۂ اول تھے۔ متوفی ۱۸۸٦ء۔

چه گوهرم که محیط از صفاے گوهرِ من
بپاے لغز نیارد گزشتن از سرِ من

به سدره طائرِ قدسی ز آشیاں افتد
ز هولناکیِ صیتِ کشادِ شهپرِ من

به وقتِ وعظ سرِ عرشیاں بود بر پُشت
ز بسکه عرش فروتر بود ز منبرِ من

تنزل است اگر گفته‌ام که در جام است
مۓ دوسالهٔ من، سلسبیل و کوثرِ من

ز بحثِ غیب و شهادت چو بگزری دانی
که عینِ ثابتهٔ کوثر است ساغرِ من

ز فیضِ ناطقه نشگفت کز زمیں خیزد
نفس بجاے غبار از رمِ تگاورِ من

محیطم و ز لطافت که آبِ من دارد
چو مرغ ِ ره به هوا می‌رود شناورِ من

ز روے رابطه آنم که شخص بینش را
بود سیاهیِ چشم از سوادِ دفترِ من

به سازگاریِ آمد شدِ نگاه به چشم
رواں به سوزنِ عیسیٰ است تارِ مسطرِ من

جماعتے است به هر شهر و ِده فرومایه
ز آفتاب فروشندگاں به کشورِ من

صد آفتاب تواں‌ساختن به بازیچه
ز ذرۀ که بود در ضیاے نیرِ من

نه ایں سپهر و نه ایں مهر عالمے دگرست
من آسمانم و او مهرِ نورگسترِ من

من آں سپهر که دائم چنانکه مهر به ماه
به مهر نور دهد نیرِ منورِ من

من آں سپهر که هر دم رسد عطیهٔ فیض
به سعدِ اکبر گردوں ز سعدِ اصغرِ من

حدیثِ مهر گزارم به ره که در رهِ مهر
ربود دل به غزل شاهدِ نواگرِ من

چو بود آن غزل از من به وجد جان دادم
زهی بریده گلوی مرا به خنجرِ من

به خواب دید شبی خویش را به بسترِ من
ستیزه‌جوی درآمد پگاه از درِ من

نویدِ وصلِ ویم میدهد ستاره‌شناس
نه کرده ژرف‌نگاهی مگر در اخترِ من

بگویم ار نه‌زنی طعنه دوست هرجائی است
که سو به سو به هوا می‌پرد کبوترِ من

ز بسکه جان به غمش ماند بر لبم همه عمر
به وقتِ بعث ندانست راه پیکرِ من

چنان مکن که ز فرسودگی فرو ریزد
بیا که باز کهن گشت خرقه در برِ من

دل و فغان و نفس هرچه بود خون گردید
ز من مترس که سوزنده نیست آذرِ من

نیم به وصل شکیبا بخویش محوم کن
در آبِ خضر فگن تا به‌میرد اخگرِ من

ز دیدنِ تو گزشتم ، ز پرسشم بگزر
مباد موج زند خون ز دیدهٔ ترِ من

سپاس مشترک آفتاده زانکه در رهِ شوق
به پشتگرمیِ من راه رفته رهبرِ من

اگرچه بدرَوشم پاسِ هر روش دارم
چراغِ دیر و حرم نورِ چشمِ صرصرِ من

چکد ز آینه ام خوں که در هوائے ظهور
به جنبش است چو مژگاں همیشه جوهرِ من

محیطِ نورم و نبود کنارِ من پیدا
نه دجله ام که به‌بینی ز دُور معبرِ من

اگر به وایه گہرھائے راز می‌خواهی
بیا به گدیه که نشمرده یابی از درِ من

منم خزینهٔ راز و درِ خزینهٔ راز
ضیائے دینِ محمد کہیں برادرِ من

بدین و دانش و دولت یگانهٔ آفاق
بعمر کہتر و از روے رتبه مہترِ من

به مہر دل به برادر دهم نه یعقوبم
که پورِ خویش بود دلستان و دلبرِ من

سخن‌سرائے نوائیں‌نوائے را نازم
به ناله هم‌نفسِ من به شور هم‌سرِ من

به نکته شیوهٔ شاگردِ من به من ماناست
صنم به صورتِ خود می‌تراشد آزرِ من

اگرچه اوست ارسطوے و من فلاطونم
بود به پایه ارسطوے من سکندرِ من

زمینِ کوے مرا آسماں کند هر صبح
طلوعِ نیرِ رویش ز طرفِ منظرِ من

ز نسبتے که میانِ هم است و آں ازلی ست
به سازِ من بودش جلوه در برابرِ من

اگر شوم به مثلِ آتشے شراره‌فشاں
شود به قاعدهٔ هم‌دمی سمندرِ من

به بحر گر فتدم ره، بود سفینهٔ من
به تخت گر بودم راے گردد افسرِ من

به مهرِ دوست دهم دل نشاطِ خاطرِ من
به کینِ خصم نهم رخ لواے لشکرِ من

گرم ز غصه تبه گشت کار، مونسِ من
ورم ز کار فرومانده دست، یاورِ من

زہے ز روے تو پیدا فروغِ دانش و داد
بدیں فروغِ جهانتاب گشته اخترِ من

نگاهِ نازِ تو نازم رساست بادهٔ من
سرِ کلامِ تو گردم خوش است شکرِ من

ز تو که آئنهٔ فیضِ صحبت آوئی
هواے دیدنِ **غالب** فتاده در سرِ من

مرا ستودی و گفتی که من از آنِ تو ام
فداے آنِ تو بادا اقل و اکثرِ من

سعادت و شرفِ چوں منی به عرضِ کمال
نه بس بود که بود چوں توئی ثناگرِ من

من و دعاے بقاے تو واندریں دعویٰ
به مُہرِ خاتمِ آلِ عباست محضرِ من

بماں به عرصهٔ دهر آں قدر که ذکرِ دعا
در انجمن شنوی از زبانِ داورِ من

*****

٦٣

در مدحِ مختارالملک

یہ قصیدہ مختارالملک میر تراب علی خاں سر سالار جنگ اول (١٨٢٩ء - ١٨٨٣ء) وزیر اعظم دولت آصفیہ کی مدح میں ہے جو غالباً ١٨٦٣ء میں کہا اور بھیجا گیا، کیونکہ میرزا نے حبیب‌اللہ خاں ذکا حیدرآبادی کے نام اگست ١٨٦٣ء کے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ مختارالملک نے نہ ستایش کا حق ستایش سے ادا کیا اور نہ مدح کا صلہ دیا۔ یہ قصیدہ اس دور کا ہے جب میرزا کی شاعری بلند ترین درجے پر پہنچ چکی تھی اور معانی بدیع اشعار کے سانچے میں ڈھل ڈھل کر گہر ہائے شہوار کی طرح صفحۂ قرطاس پر لڑھکتے جاتے تھے۔ نیز یہ ان قصائد میں سے ہے، جب میرزا نے ایک خاص روش اختیار کر لی تھی جس کی کوئی مثال شعرا اور اساتذۂ ماضی کے ہاں نہیں ملتی۔ خود میرزا کے کلام میں بھی ایسے نمونے زیادہ نہیں۔ آپ قصیدہ پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ایک کامل‌الفن استاد رہوار شعر پر سواری کر رہا ہے اور خفیف سے اشارے سے اس کا رخ جس طرف چاہتا ہے موڑ لیتا ہے۔ قصیدے کے بعد میرزا نے کلیات نظم فارسی بھی مختارالملک کی خدمت میں بھیج دیا اور غالباً کئی مرتبہ خط بھی لکھے۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ نواب موصوف بہت بڑے سیاست دان اور ناظم ملک ہوں گے، تاہم جس حد تک تربیت فن اور پرورش شعر و ادب کا تعلق ہے، وہ کچھ بھی ثابت نہ ہوئے۔ اگر کسی کو دیا تو مرتبہ دانی فن کے اعتبار سے نہ دیا بلکہ گرد و پیش کے کارکنوں کی سفارشیں قبول کیں یا خاص ذاتی مصالح کی رعایت ملحوظ رہی۔

در مدح سخن چسان نه‌گویم — شرط است که داستان نه‌گویم
از زُهد و وَرَع سخن نه‌رانم — از سبحه و طَیلسان نه‌گویم
صرفِ نمد و پلاس دارم — حرفِ خز و پرنیان نه‌گویم
لب با لبِ جامِ باده پیوست — از زمزم و ناودان نه‌گویم
تشبیب همی‌توان سرودن — گیرم که ازین و آن نه‌گویم
گویم غمِ دل به مصرعے چند — زنهار جهان جهان نه‌گویم
از دیده و نیشتر نه‌گریم — و ز دشنهٔ و استخوان نه‌گویم
در مغز فتد شرر، ننالم — در سینه خَلد سنان نه‌گویم
از ناله زبان زبانه خیزست — سوزد اگرم، دهان، نه‌گویم
گر تیر به من رسد و گر تیغ — دم در کشم، الامان نه‌گویم
ور خون دودم ز چشم بر روے — جز لاله و ارغوان نه‌گویم
باید که درین صحیفهٔ شوق — جز مدحِ خدایگان نه‌گویم
گوئی که چرا نه‌گوئی؟ آرے — نتوانم گفت، زان نه‌گویم
گفتی که به پیشگاهِ نواب — بسیار مگوی، هان نه‌گویم
مختارالملک را درین عصر — جز آصفِ جم‌نشان نه‌گویم
پاکیزگیِ نهادِ پاکش — جز در صفِ قدسیان نه‌گویم
در مرتبه کاخِ دولتش را — زین ششدرِ شارسان نه‌گویم
در دیده‌وری و پایه‌دانی — هم‌سایهٔ فرقدان نه‌گویم
نشگفت که فرقِ فرقدان را — جز پایهٔ نردبان نه‌گویم
آن جاده را که تا درِ دوست — دُور است که کهکشان نه‌گویم

در پایه سپهرِ هفتمیں را بیجاست گر آستاں نه‌گویم
وانگاه بر آستانِ زُحَل را حیف است که پاسباں نه‌گویم
تا بار به خلوتش نیابم نیک و بدِ آسماں نه‌گویم
نے نے چو گداے آں دَرستم بدزهره ام ار عیاں نه‌گویم
حاشا که ز ناله بازمانم تا بر خود مهرباں نه‌گویم
فرزانه به عز و جاه یکتاست مُشرک بُوم ار چناں نه‌گویم
جائے که سماط[۱] گستراند افسانهٔ آب و ناں نه‌گویم
درخور نبود که ماهِ نو را ناں ریزهٔ طرفِ خواں نه‌گویم
بالجمله خوش آنکه بادی از خویش جز فرخیِ رواں نه‌گویم
نازم روشِ سخن‌سرائی از گوهرِ خود نشاں نه‌گویم
روشن دلِ آتشیں زبانم از دوده و دودماں نه‌گویم
در نظم بلندپایه رِندم والایِ خانداں نه‌گویم
عشق است ظهیر و انوری را از سنجر و ارسلاں نه‌گویم
والا گهرا، سپهر جاها! اینها ز رهِ گماں نه‌گویم
تنگ است دل از هجومِ اندوه میرم اگر آنچناں نه‌گویم
کس نیست متاع را خریدار با آنکه بها گراں نه‌گویم
زاں رو که خردورانِ گیتی رنجند چو قدرداں نه‌گویم
ناچار متاع عرضه دارم بے رونقیِ دُکاں نه‌گویم
سرمایه ز دست رفته وانگاه گاهے سخن از زیاں نه‌گویم

---

۱ - سماط : دسترخوان -

اندک خردے بجاست کاں را | جز تازگیِ بیاں نه‌گویم
ایں بس که اگر ز آسمانم | پرسند ز ریسماں نه‌گویم
خود را به زبانِ پہلوی در | مه کوکبه پہلواں نه‌گویم
خود را ز سپاسیاں نه‌گیرم | فرزانهٔ ژندخواں نه‌گویم
ساسانِ ششم نیم که خود را | جز موبدِ موبداں نه‌گویم
ایں زمزمه‌هاے خونچکاں را | شورامهٔ باستاں نه‌گویم
کارم به محرم و صفر باد | شہریور و سہرگاں نه‌گویم
ہم بعدِ خطاب مدح حاضر | گویم آرے چساں نه‌گویم
دستت دمِ بذل گنج پاش ست | چوں ابرِ گہرفشاں نه‌گویم
بحریست کفِ تو در روانی | کاں را به جہاں گراں *نه‌گویم
چوں صورتِ قہر دارد ایں مدح | برہمزنِ بحر و کاں نه‌گویم
ناداں باشم که چوں توئی را | خاقانِ جہانستاں نه‌گویم
چوں پرچمِ رایتِ تو بینم | جز اخترِ کاویاں نه‌گویم
امید که جز سوال نبود | حرفے که دریں میاں نه‌گویم
تنگم ز سوال نیست، اما | با کلکِ سیه‌زباں نه‌گویم
زاں رو که به یُمنِ ایزدی‌فر | رادے و نہفته‌داں نه‌گویم
گر وایه رسد بمن ز سویت | با **غالبِ** خسته جاں نه‌گویم
کاں خود ز من ست ناتواں‌تر | با وے سخن از تواں نه‌گویم
ور خواهشِ من ز من پژوهی | جز بخششِ جاوداں نه‌گویم
تابِ سفرِ دکن نه‌دارم | از ناقه و سارباں نه‌گویم

این نیست نمازِ پنجگانه کش جز بزبان اذاں نه‌گویم
کافر باشم اگر ثنایت پیوسته زباں زباں نه‌گویم
شیادم اگر دعاے دولت از هم‌نفساں نہاں نه‌گویم

آئیں شنوم گر از سروشاں
با مردمِ ایں جہاں نه‌گویم

*****

۶۴

قصیدہ حبسیہ

اس قصیدے کے مطالب اور انداز سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق میرزا کی اسیری سے ہے جو ۱۸۴۷ء میں پیش آئی تھی۔ اس واقعہ پر میرزا نے ایک ترکیب بند بھی کہا تھا جس کے سات بند اور چوراسی شعر ہیں اور یہ زمانۂ اسیری ہی میں کہے گئے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

هفت بند است کہ در بند رقم ساختہ ام
بنویسید و بہ‌بینید و بخوانید همہ

یہ قصیدہ غالباً ترکیب بند کے بعد کہا گیا۔ اس کا ایک شعر ''مہر نیمروز'' میں بہ سلسلۂ جنگ بھوج پور (۱۵۴۰ء) درج ہوا ہے یعنی:

خستۂ چشم زخم خویشتنم
ناوکے بر نشاں نمی‌خواهم
(کلیات نظم فارسی ص ۳۶۴)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بہ ہرحال ۱۸۵۲ء سے پیشتر کہا گیا تھا۔

از نکوئی نشاں نمی‌خواهم　　خویش را بدگماں نمی‌خواهم
زیست بے ذوقِ مرگ خوش نبود　　دل اگر رفت، جاں نمی‌خواهم

تنگ دستاں ز غصه دل تنگ اند | نرخِ صہبا گراں نمی‌خواهم
بادۂ من مدام خونِ دل است | از مغاں ارمغاں نمی‌خواهم
باغبانم گرفت و خست و گزاشت | جز بباغ آشیاں نمی‌خواهم
کس نمی نالد از فسانهٔ من | دردِ دل را بیاں نمی‌خواهم

ق

دوستاں زینهار غم نخورند | شادیِ دشمناں نمی‌خواهم
چوں سخنهاے ناشنیده نماند | گوش خود جز۱ گراں نمی‌خواهم
تازه‌روئی است رخ به خوں شستن | مژۂ خوں فشاں نمی‌خواهم
کاه‌پاشِ بساطِ مرگِ دلم | مدد از نوحه‌خواں نمی‌خواهم
هیچ کس سودِ من نمی خواهد | هیچ کس را زیاں نمی‌خواهم
هر یکے دشمنے است دوست‌نما | یاری از اختراں نمی‌خواهم
از اثرهاے جانگزا فریاد | اثرے درسیاں نمی‌خواهم
دیگر ایں هندوے۲ سیه‌دل را | بر فلک دیدباں نمی‌خواهم

---

۱ - کلیات نظم فارسی طبع اول میں یہ مصرعہ اسی طرح ہے (ص ۳۵۰) لیکن بعد کے نسخوں میں ''جز'' کی جگہ ''را'' رائج ہو گیا - ''جز'' کی صورت میں مطلب یہ ہوا کہ جب ایسی کوئی بات رہی ہی نہیں جو سنی نہ جا چکی ہو تو اب میں چاہتا ہوں کہ میرے کان بہرے ہو جائیں کیونکہ ان کا وظیفۂ سماعت ختم ہو گیا - ''را'' فرض کیا جائے تو کوئی واضح مطلب متعین نہیں ہوتا -

۲ - ''هندوے سیہ دل'' سے مراد ہے زحل ستارہ، جس کا مقام پرانے علم ہیئت کے مطابق ساتواں آسمان ہے اور اسے ''نحس اکبر'' کہتے ہیں -

مشتری۱ را بہ جرمِ قطعِ نظر — در برش طیلسان۲ نمی‌خواهم

گر بہ‌میرد ز تابِ خورِ بہرام۳ — بر سرش سایبان نمی‌خواهم

مہر در بند دوخت چشم از من — از کسوفش۴ کراں نمی‌خواهم

بر لبِ زہرہ۵ نواپرداز — نغمہ غیر از فغاں نمی‌خواهم

تیر را۶ از پئے دوامِ وبال — جاے جز در کماں نمی‌خواهم

نیشِ عقرب۷ جگر شگافِ مہ است — زیں گزندش اماں نمی‌خواهم

---

۱ - مشتری ستارہ جس کا مقام چھٹا آسمان ہے - اسے ''قاضی فلک'' اور سعد اکبر کہتے ہیں - فارسی میں اس کا نام برجیس ہے -

۲ - وہ ردا یا چادر جسے عرب خطیب اور قاضی خطبہ دیتے یا مسند عدالت پر بیٹھتے وقت کندھوں پر ڈال لیتے تھے، جس طرح ہمارے زمانے میں گون (gown) پہن لیتے ہیں - چونکہ مشتری کو ''قاضی فلک'' کہا جاتا ہے اس لیے طیلسان کا ذکر کیا -

۳ - مریخ ستارہ، جس کا مقام پانچواں آسمان ہے - چونکہ اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے، اس وجہ سے ''جلاد فلک'' بھی کہتے ہیں - یہ بھی منحوس ستاروں میں سے ہے -

۴ - گرہن -

۵ - زہرہ ستارہ، جس کا مقام تیسرا آسمان ہے - اسے ناہید اور لولی فلک بھی کہتے ہیں -

۶ - عطارد ستارہ، جسے ''منشی فلک'' یا ''دبیر فلک'' بھی کہا جاتا ہے - اس کا مقام دوسرا آسمان ہے - علم و عقل کا تعلق اسی ستارے سے سمجھا جاتا ہے -

۷ - آسمان کے بارہ برجوں میں سے آٹھویں کا نام جس کی شکل کژدم یا بچھو کی سی سمجھی گئی ہے -

چون ذنب ۱ اژدهاست غیر از خاک هیچش اندر دهاں نمی‌خواهم
تا نه دانی که من به مرکزِ خاک جنبش از آسماں نمی‌خواهم
آرزو عیب نیست خرده مگیر خواهم، اما چناں نمی‌خواهم
رنجِ صاحبدلاں روا نبود بندِ اهلِ زباں نمی‌خواهم
دوشها را فگار نپسندم بارها را گراں نمی‌خواهم
مور را مارگیر نپزیرم پشه را پیلباں نمی‌خواهم
بهرِ خویش از زمانهٔ غدار راحتِ جاوداں نمی‌خواهم
آتش اندر نهادِ من زده‌اند لاله و ارغواں نمی‌خواهم
هان و هاں نیستم محال طلب نوبهار از خزاں نمی‌خواهم
گهر افشانم و بها طلبم سیم و زر رایگاں نمی‌خواهم
ناں خورش ز انگبیں نمی‌جویم پیرهن از کتاں نمی‌خواهم

ق

بالش از مخملم تمنا نیست بستر از پرنیاں نمی‌خواهم
نه هُما سایه ام، نه سگ طینت طُعمه از استخواں نمی‌خواهم
تا خورد طوطے چه مایه شکر کارواں کارواں نمی‌خواهم
دل ز معنی لبالب است ولے خامه اندر بُناں نمی‌خواهم
نتواں شد طرف به مور و مگس انگبیں در دکاں نمی‌خواهم
نتواں کرد با فلک پرخاش خِرَدِ خُرده‌داں نمی‌خواهم

---

۱ - ایک ستاره جس کی شکل سانپ کی سی مانی جاتی ہے - اس کے اگلے سرے کو ''راس'' اور پچھلے سرے کو ''ذنب‌الفرس'' یعنی گھوڑے کی دم کہا جاتا ہے -

خستۂ چشمِ زخمِ خویشتنم ناوکے بر نشاں نمی‌خواهم
جامہ و جام و جا ہے آلود است خواجه را میہماں نمی‌خواهم
جا بر احباب تنگ نتواں کرد خویش را در جہاں نمی‌خواهم
خو به بیداد کرده‌ام **غالب** عیدِ نوشیرواں نمی‌خواهم
با صلیبم فتاده کار به دهر[۱] علمِ کاویاں نمی‌خواهم
هاں نه‌گوئی که با چنیں خواری ترکِ هندوستاں نمی‌خواهم
هاں نه‌دانی که در نظرگہِ خویش زمزم و ناوداں[۲] نمی‌خواهم
هاں نه‌دانی که صدرِ یثرب[۳] را سجده بر آستاں نمی‌خواهم
خواهشے چند می‌کنم ، لیکن کارها را رواں نمی‌خواهم
پاے فرسود در رکاب و هنوز دستِ خود بر عناں نمی‌خواهم
سخن از عالمے دگر دارم همدم و رازداں نمی‌خواهم
گر بود خود سروش وحی سراے با خودش هم‌زباں نمی‌خواهم

---

۱ - مطلب یہ کہ مجھے تو اس حکمراں قوم سے کام آ پڑا ہے ، جس کا نشان خاص صلیب ہے ، یعنی انگریزوں سے ، پھر علم کاویانی کی خواهش کا کون سا موقع اور محل ہے ؟

۲ - ناوداں یعنی پرنالہ۔ اس سے مراد حرم پاک کا ناوداں ہے ، جسے ''میزاب رحمت'' کہتے ہیں۔ اس کا رخ ''حطیم'' کی طرف ہے یعنی حرم پاک کے اس حصے کی طرف جو حرم میں شامل تھا مگر قریش نے رسول‌اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے پینتیسویں سال میں حرم کو از سر نو تعمیر کیا تو چھت کے لیے لکڑی کی قلت کے باعث کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا اور اس کے گرد تین یا چار فٹ اونچی دیوار کھینچ دی گئی تھی۔

۳ - رسول اکرم صلی‌اللہ علیہ وسلم۔

سینہ صافم ، قلندرم ، مستم　　راز خود را نہاں نمی‌خواہم
پایۂ من فروتر افتادست　　سرِ خود بر سناں نمی‌خواہم
پایۂ در نظر نماند دگر　　خویشتن را شباں نمی‌خواہم
یوسف از مصر گشتہ خوشدل و من　　با تلافی جناں نمی‌خواہم
بہ زُلیخا شباب بخشیدند[1]　　بختِ خود را جواں نمی‌خواہم
بر رُخِ حکمت مُوجہِ[2] حق　　غازۂ امتحاں نمی‌خواہم
عین من ہرچہ اقتضا می‌کرد　　خواستم ، غیر آں نمی‌خواہم

چوں حکایت بجائے خویش رسید
تن زدم ، داستاں نمی‌خواہم

---

۱ - یہ صرف افسانوی شہرت کی بنا پر کہا گیا ہے ، ورنہ زلیخا کے شباب کا اعادہ اور حضرت یوسف علیہ‌السلام سے اس کا نکاح یکسر بے بنیاد و بے اصل ہے -

۲ - خوب و پسندیدہ -

قصاید

(یہ سات قصیدے سبد چین اور باغ دودر سے لیے گئے ہیں)

۱

لارڈ الگن وائسرائے ہند

یہ قصیدہ جیمس بروس لارڈ الگن اول (۱۸۱۱ - ۱۸۶۳) کی مدح میں کہا گیا، جو مختلف عہدوں پر مامور رہنے کے بعد جنوری ۱۸۶۲ میں ہندوستان کا وایسرائے اور گورنر جنرل مقرر ہوا ۔ گرمیاں شملہ میں گزار کر اس نے شمالی ہند کا دورہ شروع کیا ۔ جلد ہی سخت بیمار ہو گیا اور ۲۰ - نومبر ۱۸۶۳ء کو دھرم سالہ (ضلع کانگڑہ، مشرقی پنجاب) میں وفات پائی ۔

اسے الگن اول اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا بیٹا بھی ۱۸۹۴ سے ۱۸۹۹ تک وایسرائے اور گورنرجنرل رہا ۔ بہ ہر حال یہ قصیدہ ۱۸۶۲ یا ۱۸۶۳ میں کہا گیا ۔ سید وزیرالحسن صاحب عابدی نے اخبار عالم کے حوالے سے لکھا ہے کہ لارڈ الگن نے ۱۸۶۳ میں بمقام میرٹھ دربار کیا تھا، اغلب ہے یہ قصیدہ اسی موقع پر کہا گیا ہو ۔

یہ پہلی مرتبہ میرزا کی مثنوی ''ابر گہر بار'' (مطبوعہ ۱۲۸۰/۱۸۶۳ - ۱۸۶۴) کے ساتھ چھپا تھا اور اس کا عنوان تھا ''قصیدہ در مدح نواب معلی‌القاب لارڈ الگن صاحب بہادر'' ۔

بیا کہ مدحِ خداوندِ دادگر گویم
از آنچہ گفتم ازیں پیش، بیشتر گویم

چنانکہ اوست، نیارم ثنائے داور گفت
بقدرِ حوصلۂ خویشتن مگر گویم

ز دفتر است فزوں مدح و من ز خیرہ‌سری
بر آں سرم که دریں صفحه سر بسر گویم

بدیں شکوہ نخواهد که گویمش خاقاں
دگر زیادہ ازیں چیست، تا دگر گویم ؟

جہاں‌کشاے و جہاں‌پرور و جہاں‌آرا
چو آنقدر نتواں گفت ، اینقدر گویم

وے آنچناں و من اینساں که شرمسار شوم
سپہرمنظر و انجم‌سپه اگر گویم

گہے ز خاکِ رهش آبِ زندگی خواهم
گہے مسیح‌دم و گه فرشته‌فر گویم

دریں نورد که از نغز ، نغزتر سنجم
دریں خیال که از خوب ، خوبتر گویم

ز غیب آنچه فروریختند در خاطر
نخست از رہِ پرسش به همدگر گویم

که بےمبالغه فرزانه لارڈ الگن را
وزیرِ اعظمِ سلطانِ بحر و بر گویم

بدیں کلاه که فرّ کیاں ازو بارد
گزاف نیست اگر شاہِ تاجور گویم

بیا که لشکرِ نوابِ نامدار آمد
برم ز چشم به دل ایں نوید و برگویم

ز چرخِ اول و چارم بمزد و مژده دهی
طلب کنم مه و خرشید تا خبر گویم

ز شادمانیِ نظارهٔ رخش هر دم
به چشم تهنیتِ رونقِ نظر گویم

ز خاکِ راهِ وے اکسیر در نظر دارم
رخم سیاه اگر حرفِ سیم و زر گویم

ز شاعری به ندیمی رسیده‌ام ، خواهم
که رویداد به پیرایهٔ سمر گویم

رعایتِ ادب آئینِ من بود ناچار
فسانه گرچه دراز است مختصر گویم

پس از وصول بمنزل، پیامِ من که برد
اگر نه آنچه توانم دریں سفر گویم

به بزم گر ندهد بار چوں سوار شود
ز سرگزشت حکایت به رهگزر گویم

هزار زمزمه دارم همیں نه یک سخن است
که چوں تمام شود آں سخن ز سر گویم

هم از فسادِ دلِ زار و داغِ غم نالم
هم از نزاعِ رگ جان و نیشتر گویم

زبانه‌وار زبانم شررفشاں گردد
اگر براه حدیثِ تفِ جگر گویم

شود رکاب تگاور در آب ناپیدا
اگر روانیِ سیلابِ چشمِ تر گویم

به کلبه ام گہرِ شب چراغ خس پوش است
سخن ز تیرگیِ طالعِ هنر گویم

من آں نیم که بهنگامهٔ سخن‌سازی
گہے ز خاور و گاہے ز باختر گویم

سخن نہالِ نو و کہنه باغباں غالب
نہال را به نوی مژدهٔ ثمر گویم

طریقِ وادیِ غم را کسے نبوده رفیق
خود از صعوبتِ ایں راهِ پر خطر گویم

در آں دیار که گوهر خریدن آئیں نیست
دکاں کشوده‌ام و قیمتِ گہر گویم

ز عز و جاهِ نیاگانِ خویش در سرکار
هزار گونه حکایات معتبر گویم

سخن طرازِ دعا یافت ، اینت نخلِ مراد
دگر بجائے ثمر بعد ازیں اثر گویم

دعائے دولتِ شاه و وزیر همواره
ز نیم شب کنم آغاز تا سحر گویم

*****

۲

لارڈ لارنس وائسرائے ہند

یہ قصیدہ جان لارنس کی مدح میں ہے۔ (۱۸۱۱ - ۱۸۷۹) ۱۸۳۰ میں ہندوستان پہنچا ۔ خاصی مدت تک دہلی اور گرد و نواح کے علاقے کا مجسٹریٹ رہا ۔ ۱۸۴۶ میں دوآبہ بست جالندھر کا کمشنر بنا دیا گیا ۔ فتح پنجاب کے بعد انتظامی بورڈ کا ممبر بن گیا ۔ پھر پہلے پنجاب کا کمشنر بعد ازاں پہلا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا ۔ جنوری ۱۸۶۴ سے جنوری ۱۸۶۹ تک اسے ہندوستان کے وایسرائے اور گورنر جنرل کا منصب حاصل رہا ۔ اس قصیدے کا تعلق اسی زمانے سے ہے جب وہ وایسرائے مقرر ہو کر آیا تھا ۔ میرزا کے ساتھ لارنس کے ذاتی تعلقات پہلے سے تھے ۔

یہ قصیدہ بھی ''ابر گہربار،، کے ساتھ چھپا تھا ۔ اس کا عنوان تھا :

در ثنائے جناب والا خطاب ، کیواں بارگاہ ، ستارہ سپاہ لارد جان لارنس صاحب بہادر دامِ اقبالہ

پھر یہ ''سبد چیں،، میں شامل ہو گیا ۔

وقت آن است کہ خرشیدِ فروزاں ہیکل
گردد آیندہ گرایندہ بہ فوگاہ[۱] حمل

وقت آن است کہ بن‌دارِ[۲] بہار آراید
نونہالانِ چمن را بعروسانہ حُلل[۳]

---

۱ - بارگاہ (ابر گہربار ص ۳۶) ۔

۲ - بن دار : داروغہ، توشہ خانہ (ابر گہربار ص ۳۶) ۔

۳ - حلل : حلے کی جمع بہ معنی جبہ ۔

وقت آن است که خاکِ تهِ جو مست شود
که به کیفیت لاے مئے ناب ست وحل[1]

وقت آن است که بینی ز گدازِ یخ و برف
بر رخِ خاک رواں گشته ز هر سو منهل[2]

وقتِ آراستنِ جیشِ بهار است که باد
زد به چارآئنهٔ داغ شقایق صیقل

وقت آن است که از بهرِ بروں راندنِ خوں
ابر را نیشترِ برق دود در اکحل[3]

باد پرکار شود نقطهٔ خاکش مرکز
تا دریں دایره هر نقش نشیند به محل

هرچه کاهد ز شب البته فزاید در روز
کم‌شود دود ز افزایشِ نورِ مشعل

سیل نبود که رواں گشته ز آبِ باراں
هست شاخابه[4] نهرِ لبن[5] و جوے عسل[6]

رستنی بسکه ازیں آب کند نشو و نما
کام ذوقِ شکر و شیر برد از حنظل

---

۱ - وہ زمین جو پانی سے نرم ہو گئی ہو - کیچڑ -

۲ - چشمہ -

۳ - هفت اندام میں سے ایک رگ -

۴ - چھوٹی نہر - بڑی نہر کی شاخ -

۵ - دودھ -

۶ - شهد -

من بفکرِ دگر و غیر چناں پندارد
که سخن می کنم از تازگیِ دشت و جبل

چه کشاید شگفد غنچه اگر بر سرِ شاخ
من و دل نام یکے عقدهٔ مالاینحل

خود چرا هرزه ز رنجوریِ نرگس نالم
که ز شبنم بودش دیده گرفتارِ سَبل[1]

چه بود سودِ من از دهر اگر در صحرا
آب در گو بود و سبز گیا بر سرِ تل

نشود کار دگرگوں چو بود ماه به ثور
نکند قدرِ من افزوں چو رود خور بحمل

نیست در آئنهٔ مذهبِ یکرنگیِ من
ایں گل و سبزه بجز صورتِ عزیٰ و هُبل[2]

چشم بر روے دل‌افروز کسے دوخته‌ام
که ز چشمِ بدِ ایام مبیناد خلل

چوں چنین است که از بهرِ هواداریِ گل
سبزه را نامیه در باغ فرستد اول

کلکِ من دفترِ تشبیب کشاید زاں پیش
که طرازِ رقمِ مدح درآرد به عمل

---

۱ - سبل ! (به فتحتین) : آشوب چشم -

۲ - عزیٰ اور هبل : ظهور اسلام سے پیشتر عربوں کے دو بڑے بت -

ورقِ شعر به از باغ که ریحانش را
گرچه خواناست خط اماست سوادش سهمل

اندریں وقت که جشنِ سده۱ را وقت گزشت
اندریں حال که نوروز بود مستقبل

خامهٔ باربد آهنگِ دلاویزِ صریر
زخمه بر تار رواں کرد بهنجارِ غزل

پیشرو۲ تهنیت مقدم هنگام بهار
زمزمهٔ مدحتِ نواب گورنرجنرل

جان لارنس بهادر که نظیرش زنهار
هیچ بیننده نه‌بیند بجهاں جز احول

ایکه در معرض فخر و شرف از عز و جلال
هرچه بایست همه یافته از عَز و جل

ایکه در عهدِ تو کس شیوه ندارد الا
فلکِ پیر ز بیکاریِ مریخ و زحل

اے به فرتابِ۳ خرد مظهرِ آثارِ خرد
اے بفرمانِ ازل محرمِ اسرارِ ازل

پادشاه است شهنشاه تو او را دستور
باشد ایں پایه ز هرگونه امارت اکمل

---

۱ - نام جشنے است که پارسیاں در آفتاب قوس کنند (ابر گهربار : ص ۳۷ -)

۲ - پیشرو : الاپ (ابر گهربار ص ۳۷) -

۳ - قدرت و کرامت (ابر گهربار ص ۳۷) -

ایں وزارت که ترا داد ز شاہی کم نیست
اے جہانجو و جہانگیر و جہاندار اجل

مہر زاں خط شعاعی بسبیل تمثیل
ماہ زاں داغ گرانپائی بعنوانِ مثل

ق

پہلوانے است که ژوپینِ ۱ تو باشد بکفش
نقرہ خنگے است که تمغاے تو دارد بکفل ۲

بسکه دولت به سمِ رخشِ تو دارد پیوند
چوں بجولانش درآری بسرِ دشت و جبل

ق

آں شود سودۂ گوهر ، شود ایں گنجِ رواں
رمل ۳ و نملے ۴ که دهد روے در اثناے رمل ۵

بشنو از من که زبانم گہرافشاں ابریست
کش ز بارندۂ نیساں نتواں داد بدل

بمن از پیش گورمنٹ همایوں توقیع
می‌رسد بر نمطِ سابقۂ روزِ ازل

---

۱ - ایک چھوٹا سا نیزہ جس کا سر دو شاخہ هوتا تھا -
۲ - کَفل : سرین -
۳ - رَمل : ریت -
۴ - نمل : چیونٹی -
۵ - رمل : تیز دوڑنا -

هست زاں دفترِ فرخندۂ فرخ‌آثار
رقمے چند مرا زیب‌دہ جیب و بغل

از چهل سال رجوعم به درِ دولتِ تست
وایه‌ها یافته‌ام از تو، چه اکثر، چه اقل

روشناسِ کفِ پاے تو بود دیدۂ من
خالی از گردِ رهت نیست هنوزم مُکحل[۱]

چوں ترا داد قضا منصبِ دارائیِ هند
چوں ترا کرد قدر مرجعِ اربابِ دول

از قدومِ تو برافروخت رخِ شاهدِ ملک
از وجود تو فزوں گشت شکوهِ کونسل[۲]

می‌فرستم به نظرگاهِ تو نظم و نثرے
خالی از طولِ کلام و تهی از طولِ امل

غالبِ گوشه‌نشیں رو بتو آورد ولے
دلش از بیم دو نیم است و دماغش مختل

بر چنیں بندۂ دیرینه ببخشای که او
نیست با ایں همه در مدح‌طرازی کَنبل[۳]

---

۱ - مکحل : سرمہ دانی -

۲ - سید وزیرالحسن صاحب عابدی فرماتے ہیں کہ کونسل کو بہ فتح سین باندھنا اردو کے تلفظ کے مطابق ہے اور میرزا کے زمانے میں اس لفظ کا عام تلفظ یہی تھا ، بلکہ یہ تلفظ بیسویں صدی تک بھی پہنچا - پھر انگریزی تعلیم عام ہو جانے کے باعث بہ کسر سین کو عام رواج حاصل ہو گیا -

۳ - جاهل و فربہ و کاهل و بیکار -

اندریں نامه که نامی به ثنائے تو بود
می‌کنم ختمِ سخن لیک نه از روے کسل

بل ازاں راه که در معرضِ حسنِ گفتار
نظرافروز بود شیوهٔ ما قل و دل

در دعا شرط و جزا گر نبود ، نیست زیاں
خواهشِ چند فراز آورم اینک مجمل

بهرِ ذاتِ تو ز دادار تمنا دارم
شادمانی و توانائی و عمرِ اطول

وز پئے دولت و اقبال هماں می‌خواهم
که ز چشمِ بدِ ایام مبیناد خلل

*****

۳

غسلِ صحت نواب یوسف علی خاں

تعظیمِ غسلِ صحتِ نواب کم مگیر
زاں عید کاں مضاف بود جانبِ غدیر[۱]

امروز میرِ هند بود انجمن‌طراز
آں روز گشت شاهِ نجف بر همه امیر[۲]

دانم شنیده ای که در اقصاے مغرب است
سرچشمهٔ که خضر شد از وے بقا پذیر

جوے بریده‌اند و رواں کرده‌اند آب
حمام را به حوض ازاں فرخ آبگیر

هنگام شب که زیرِ زمیں باشد آفتاب
از تابِ مهر گوم شد آں آب ناگزیر

حمامِ خاص بنگر و گلجامش آسماں
و آں را سفید کرده فروغِ مهِ منیر

---

۱ - عید غدیر جو ۱۸ - ذی‌الحج کو منائی جاتی ہے - غدیر کے لفظی معنی ہیں آبگیر یعنی تالاب یا حوض -

۲ - اشارہ ہے : ''من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ،، - یہ ارشاد حضرت علی کے متعلق رسول اکرم صلعم سے منسوب ہے جو غدیر خم کی منزل میں فرمایا گیا تھا - یہ مقام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جحفہ سے تین میل پر ہے اور برسر راہ ہے -

طاسش یکے ز زهره و دیگر ز مشتری
ایں سیمِ خام و آں دوسیں زرِ ناب‌گیر

صبحے بدستگیریِ ایام روشناس
آورده از عمود عصا بهرِ چرخِ پیر

صبحے بمایه بخشیِ آفاق ناسور
در شش جهت ز نور رواں کرده جوے شیر

گرمابهٔ چناں خوش و آبے چناں نکو
روزے چنیں مبارک و وقتے چنیں هجیر[1]

آمد براے غسل به گرمابه اندروں
مانندِ معنیِ که دهد روے در ضمیر

نواب کز وفورِ جلال و جمالِ خویش
گوئی شهست و مسندِ جاهش بود سریر

ناظم[2] که شورِ نظمِ نظامی نظامِ او
ره بسته بر ترانهٔ سودا و درد و میر

گر لطفِ معنی است نظامی عدیلِ اوست
ور حسنِ صورت است بود یوسفش نظیر

وقتِ نفاذِ حکم فلک باشدش مطیع
حینِ صلاحِ کار خرد گرددش مشیر

---

۱ - هجیر : خوب و زیبا و پسندیده ـ

۲ - نواب یوسف علی خاں بهادر کا تخلص ـ

اے آنکہ در فروزشِ سیمائے عزّ و جاہ
مہر از تو ہمچو ماہ ز مہرست مستنیر

در لشکرِ تو مالکِ عقرب بود عسس
در دفترِ تو والیِ جوزا بود دبیر

در مسلکِ رضائے تو زاوش[۱] مریدِ خاص
در مجلسِ عتابِ تو کیواں کہن اسیر

من بندہ در خرابۂ دھلی بکنجِ غم
بودم بسے نژند و جگر خستہ و حقیر

گفتی کہ از فزونیِ غمہائے جانگداز
ہم چوں نمک در آبم و ہم چوں شکر بہ شیر

در لرزہ عضو عضوِ تن از بادِ دے مہی
گفتی معذبم من و سرماست زمہریر

بود اشکِ چشمِ من ز گدازِ جگر بقم[۲]
زانسانکہ بود گونۂ رویم ز غم زریر[۳]

گوشِ گران و روئے پر آژنگ و پشت کوز
وز غم بسینہ تعبیہ چوں چنگ صد نفیر

---

۱ - مشتری ستارہ -

۲ - ایک لکڑی جس سے سرخ رنگ حاصل کرتے ھیں - ھندی میں اسے مجیٹھ کہتے ھیں -

۳ - زرد رنگ کی گھاس یا لکڑی جس سے پیلے کپڑے رنگتے ھیں -

میکرد هر دم از خلهٔ خارِ غم فغاں
غالب که هیچ‌گاه ننالد ز زخم تیر

ناگاه صبح‌گاه بدلجوئیِ نگاه
دولت درآمد از در و فرمود کاے فقیر

سجاده درنورد و شرابِ صبوح خواه
دلشاد باش و از غم بےرونقی ممیر

کامد ز رامپور نویدِ فرح‌فزا
در وے همه حکایتِ گرمابه و غدیر

اکنوں ز سنگ رگ بدر آرم اگر بزور
پندارم ایں کشیدنِ مو بود از خمیر

در خوابگاهِ من ز فراوانیِ سرور
چندیں هزار زمزمه دارد نئے حصیر

دیگر مباد خامهٔ من در کفم رواں
جز نغمهٔ نشاط اگر باشدش صریر

ایمانِ من گزاردنِ حقِ مدحِ تست
آں مدح گر طویل بود ور بود قصیر

حقِ نمک بمدح و ثنا می‌کنم ادا
منگر بدیں که مدح قلیل است یا کثیر

حق جوے وحق شناسم و حق‌گوے و حق‌گزار
ترسم چرا ز اشتلمِ منکر و نکیر

گر رفته‌ام ز کار، ور افتاده‌ام ز پاے
نیروے کار بخش و تو ام باش دستگیر

اینک "فراغ" و "اخترِ نیک" و "خجسته روز"[1]
پیداست زیں سه لفظ سه تاریخ دلپذیر

خالی مباد جاے تو در بزم‌گاہِ باغ
تا ساز را نوا بود و مرغ را صفیر

---

۱ - "فراغ" "اختر نیک" اور "خجستہ روز" تینوں کے الگ الگ عدد ۱۲۸۱ ہیں اور یہی مطلوب تاریخ ہے - گویا میرزا نے غسلِ صحت نواب کی تین تاریخیں نکالیں -

۴

نواب کلب علی خاں والی رام پور

اس قصیدے کا تعلق نواب کلب علی خاں والی رام‌پور کی مسند نشینی سے ہے جو ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۸۱ / ۲۱ - اپریل ۱۸۶۵ کو ہوئی - میرزا نے پہلے ایک مکتوب بھیجا جو نواب مرحوم کی تعزیت اور نواب کلب علی خاں کی تہنیت پر مشتمل تھا - ۱۰ - ذی‌الحجہ (۶ - مئی) کے مکتوب میں دعائیہ رباعی بھیجی - اس کا سال تصنیف ۱۲۸۱ ھ اور تاریخیں سید وزیرالحسن صاحب عابدی کے اندازے کے مطابق ۱۰ - ذی‌الحجہ (۶ - مئی) اور ۲۸ - ذی‌الحجہ (۲۴ - مئی) کے درمیان ہو سکتی ہیں -

تجلیِ کہ ز موسیٰ[۴] ربود ہوش بطور
بشکلِ کلبِ علیخاں دگر نمود ظہور

خجستہ مرورِ سلطاں‌شکوہ را نازم
کہ رشک بر کلہش دارد افسرِ فغفور

ہوائے لطفِ وے از جانِ خور برد سوزش
نگاہِ قہرِ وے از روئے مہ رباید نور

دمِ نگارشِ وصفِ کلامِ شیرینش
چو خیلِ مور دَوَد بر ورق حروفِ سطور

فضاے رزمگہش شاهراهِ قهر و غضب
بساطِ بزمگہش کارگاهِ سور و سرور

بخوانِ شرعِ سہیں هم‌نوالۂ شبلی
به بزمِ عشقِ سہیں هم‌پیالۂ منصور

ز روے رابطۂ حسن ماهتاب‌جمال
بحسبِ ضابطۂ جاه آفتاب‌ظهور

بحکمِ مرتبه او حاکم و ملک محکوم
ز راهِ قاعده شرع آمر است و او مامور

چو آبِ سیلِ روانے که ایستد به مغاک
بود همیشه به فنجانِ وے شرابِ طهور

زهے وزیر و خهے شهریارِ دانادل
تو شاهِ کشورِ حسن و خرد ترا دستور

بناے منظرِ جاهِ ترا زحل معمار
ثوابتِ کرۂ چرخِ هشتمیں مزدور

ثناگرِ تو سکندر به بار جاے جلال
قفاخورِ تو ارسطو به درسگاهِ شعور

براے بزمِ نشاطِ تو شمع چوں ریزند
نه پیهِ گاو بکار آورند و نے کافور

ق

ز فیضِ نسبتِ خُلقِ تو عنبرِ سارا
بجاے موم برآید ز خانۂ زنبور

بدیں خرام و بدیں قامت و بدیں رفتار
ز بہرِ فاتحہ آئی اگر بسوے قبور

ق

جہانِ جانی و جانِ جہاں ، عجب نبود
کہ از ورودِ تو ہر مردہ رقصد اندر گور

بہ پیش‌گاہِ تو زانو ہمی زند انصاف
کہ اے بہ رحم و کرم در جہانیاں مشہور

ق

در انتقام کشی شیوۂ کرم مگزار
برآر کامِ دلِ بدسگال از ساطور

توئی بہ عقل فزایندۂ عروجِ علوم
توئی بہ علم کشایندۂ عقودِ صدور

صریرِ خامۂ من بیں کہ می‌رباید دل
چنانکہ از لبِ داؤد[۲] استماعِ زبور

سوادِ صفحۂ من بین و تابش معنی
عیاں چو شمعِ فروزندہ در شبِ دیجور

امیرِ زندہ‌دل آں والیِ ولایتِ نظم
بہ گنج‌خانۂ گنجہ نظامیش گنجور

غروبِ مہر و طلوعِ مہِ دوہفتہ بود
رسیدنِ تو بدیں اوج بعدِ آں مغفور[۱]

---

۱ ۔ نواب یوسف علی خاں مرحوم والد ماجد ممدوح ۔

چو او بزیرِ زمیں رفت و آں ولایت یافت
تو باش والیِ روے زمیں قرون و دھور

به انجمن نه‌رسیدم ز ناتوانائی
ولے به عرضِ ثنا و دعا نیم معذور

بخاکِ پاے تو گر دستگاه داشتمے
نبودمے به غمِ دوریِ درِ تو صبور

من آں کسم که ز افراطِ ورزشِ اخلاص
به غیبت است مرا دعویِ دوام حضور

توئی رحیم‌دل و من سقیم، دوری به
مباد رنجه شوی از نظارهٔ رنجور

کفے بدست تهی‌تر ز کیسهٔ دلاک
دلے بسینه بسے تنگ‌تر ز دیدهٔ مور

کمی ز ما و کرم از شما بلا تشبیه
ز کردگار بود رحمت و ز بنده قصور

نظر به خستگی و پیری و تهیدستی
قبول کردنِ تسلیمِ من خوش است ز دور

شعارِ غالبِ آزاده جز دعا نبود
که باد سعیِ دعا گوے در دعا مشکور

بدهر تا بود آئیں که در نوا آرند
رباب و بربط و قانوں ولے بمحفلِ سور

بہ بزمِ عیشِ تو ناهید باد زمزمہ‌سنج
نسیمِ عطرفروش از شمیم طرۂ حور

محب ز لطفِ تو بالندہ ، چوں نوا از ساز
عدو ز بیمِ تو نالندہ چوں خر از طنبور۱

---

۱ - اصل میں ''خر طنبور'' ہے ، ''از'' موجود نہیں - یہ تصحیح سید وزیرالحسن عابدی کی ہے -

۵

نواب کلب علی خاں

یہ قصیدہ میرزا نے ۲۱- اگست ۱۸۶۵ کو نواب کلب علی خاں کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس میں التزام یہ کیا تھا کہ تشبیب اور مدح میں ان کرداروں کے معاملات و حالات کا ذکر آئے جن پر داستان امیر حمزہ مشتمل ہے۔ میرزا نے ایک مکتوب میں بتایا ہے کہ یہ داستان موضوعی ہے۔ شاہ عباس ثانی صفوی کے عہد میں تالیف ہوئی۔ ایران میں اس کا نام ''رموز حمزہ'' ہے۔ ہندوستان میں اسے ''داستان امیر حمزہ'' کہا جاتا ہے۔

زہے دو چشمِ تو در معرضِ سیہ‌کاری
چو بختیارک و بختک بہ مردم‌آزاری

زہے بزور بدیع‌الزمانِ کشتی‌گیر
کہ کوہسار چو نارنجِ تر بیفشاری

زہے خیالِ تو آدم‌ربا چو تندک دیو
دماغِ اھلِ نظر قافِ اوست پنداری

ز غمزۂ تو چہ گویم کہ آں بود ز عمر
دلیر و چست و ھنرمندتر بہ عیاری

اگر تو نیستی از ساحرانِ عنطلیہ
چرا بہ لہو ھمی آتش از ھوا باری

بدیں جمال کہ داری عجب مدار اگر
کند چکیدهٔ قدرت ترا پرستاری

بہ مہرِ روے تو گردیدم آفتاب‌پرست
نہ ایرجم کہ عبث تن دهم بدیں خواری

سپس بہ مذهبِ تورج کہ بود ماه‌پرست
ترا پرستم ازیں رو کہ ماه‌رخساری

توئی بمعنی اصلی دبود نورالدهر
همیں بنام کہ معنی نداشت پنداری

چکد ز زلفِ تو خونِ دلم بدانگونہ
کہ ریزد از لبِ زنگی در آدمی‌خواری

فغاں ز بارِ غمِ دهر کاں بسنجیدن
عمود خسروِ هند است در گرانباری

بہ پیش چرخِ مشعبد چہ هشیار، چہ مست
کہ ایں بہ عربده همچوں عمر ز طراری

ز روے ریش تراشد همے بہ بیهوشی
ز فرق تاج رباید همے بہ هشیاری

خصومتے بمن افتاده زالِ دنیا را
کہ دم‌خبیثہ بود در فنونِ مکاری

بجیشِ عشق منم سر برهنۂ تہشی
کہ موے سر بسرم کرده است دستاری

نهیبِ فتنه به آن چوبِ شش‌گزی ماند
که بود هر لکدش را جراحتِ کاری

شدست لاغریِ من گلیمِ غیبیِ من
که باشم و توام از حاضران نه‌انگاری

سنم که فکرِ من اندر زمینِ شعر و سخن
همے گزشت ز اشقر به تیز رفتاری

چه اوفتاده که یارب کنون چو ازیائیس
بخاک و خون تپدم تن همے بناچاری

چنان بخوردنِ غم عادیم که چون عادی
نبود هیچ گہے سیریم ز پُرخواری

نهاده هم‌نفسان نامِ من ملک قاسم
ز خونِ دیده بود بسکه جامه گلناری

رسید بخل بفکرِ من از عَمر میراث
که هیچگه ندهد در سخن مرا یاری

ق

دروغ گفته‌ام آن فکر نیز زنبیل است
که گم شود ز عَمر در دمِ گرفتاری

چو حمزه را بجهان بعدِ مرگ مهر نگار
ز تیغ و تاج و نگیں روے داد بیزاری

نماند در نظرِ دزد کهنه اسلوبے
جز آنکه باز کشاید دکانِ عطاری

دل است حمزه و لب در فسونگری عمر است
بدا[1] لبے که ز دل نبودش مددگاری

ق

شد آنکه بود کلاسم طلسمِ گوهربار
هماره[2] نہر ز آب گہر دراں جاری

چو حمزه کش به عقابین در کشیده فلک
بدام وام نفس مے کشم بدشواری

لقا ست قرض و منم حمزه و ز بہرِ من اند
چہل خلیفه تقاضائیانِ بازاری

چو ساحراں همه را شغلِ آتش‌افشانی
چو اژدها همه را ذوقِ آدم اوباری[3]

ز زهرمہره نشد زهر حمزه به ، آں به
که نوشداروے نوشیرواں بچنگ آری

مگر بفضلِ وے آیم بروں ز بندِ بلا
چنانکه حمزه به نیروے پیرِ فرخاری

امیر کابِ علیخاں بہادر آں که بود
عدیلِ حمزه در اسپہبدی و سالاری

---

۱ - بسیار بد -

۲ - '' همواره'' کا مخفف -

۳ - اوباریدن کے معنی هیں : چبانے بغیر نگل جانا - آدم اوباری کے معنی هوے آدمیوں کو هڑپ کر جانا -

درش نوازشِ طبلِ سکندری دارد
خہے بلندیِ آوازۂ جہانداری

بود پلارک افراسیابیش در کف
که هیچگه نشود چون هلال زنگاری

چگویم از نمطِ لشکرِ ظفرپیکر
که در شمار نیاید همی ز بسیاری

همه مقابلِ مقبل بناوک‌اندازی
همه مساهمِ خسرو به طاقت‌اظهاری

بیا ببیں که در اردوے ایں امیرِ کبیر
سپرده‌اند علمشاه را علمداری

چو قندز آنکه جلودارِ حمزه بود اینک
رسیده است بخاقانِ چیں جلوداری

سزد که فخر بر اقبالِ خود کند لندور
ازیں که یافته توقیعِ گرزبرداری

مپرس بر درش از هستیِ زسرد شاه
مگر یکے بود از کافرانِ زنہاری

شنیده‌ای که خداوندِ باختر چوں بود
کنوں به بندگیِ خواجه گشت اقراری

گزشت آنکه چه تقدیر کرده‌ام میگفت
بمقتضاے غلط فہمی و غلط کاری

کنوں به عجز چه تقصیر کرده‌ام گوید
ز بندگانِ خدا چوں به وے رسد خواری

رموزِ حمزه فرو هل خمش نشیں **غالب**
چرا سرا به سخن‌هاے هرزه آزاری

ز تست رونقِ گیتی به دانش‌آرائی
ز تست زینتِ معنی به نغزگفتاری

قصیدهٔ تو ولے کاسهٔ گدائیِ تست
ستوه آمده باشی ز رنجِ ناداری

غمیں مباش که از گنج‌خانهٔ نواب
خود آنقدر که به دل داشتی بدست آری

به وقت گدیه گدا را دعاست دست‌آویز
بر آر دست به درگاهِ حضرتِ باری

چراغِ دودهٔ سرور علی محمد خاں[1]
گزیں همالِ تمر در فنِ سپهداری

ز روے کلبِ علیخاں همیشه روشن باد
چنانکه تابشِ مهر از سپهر زنگاری

---

۱ - سید علی محمد خاں جو ریاست رام پور کے بانی و موسس تھے اور فرمانروایان رام پور سید علی محمد خاں ہی کے اخلاف تھے -

٦

نواب کلب علی خاں

نواب کلب علی خاں والی رام پور کی مسند نشینی کا جشن دسمبر ۱۸۶۵ کے پہلے ہفتے میں منایا گیا تھا ۔ میرزا غالب بھی اس تقریب میں شریک ہوئے تھے ۔ یہ قصیدہ میرزا نے مسند نشینی کے دربار میں خود سنایا تھا ۔

تاچہ نیرنگ است ایں کاندر جہاں آوردہ اند
نوبہارِ طرفہ در فصلِ خزاں آوردہ‌اند

سرغزارے کاں بود در آرزو دی‌ماہ زرد
آنچناں دانی کہ کشتِ زعفراں آوردہ اند

رنگ گلہائے بہاری گر نہ بینی ، گو مبیں
بوے گلہائے بہار از ہر کراں آوردہ‌اند

دربہشت آں خود نہ باشد بگزر از اردی‌بہشت
رونقے گر بہرِ باغ و بوستاں آوردہ‌اند

آنچہ باد از غنچہ می‌آورد و می‌زد بر مشام
آشنایانِ شمیم از عطرداں آوردہ‌اند

ہرچہ خواہی درمیاں از ہر کنار افشاندہ اند
ہر چہ جوئی بر زمیں از آسماں آوردہ‌اند

هرچه می بینی و خواهی دید در فرخنده بزم
تا نه‌پنداری که اینها رایگاں آورده‌اند

پنج دیگر بعد ازیں آرند و اکنوں بیدرنگ
گنجِ بادآورد و گنجِ شایگاں آورده‌اند

چوں جواهر را شمارے نیست گویم مجملاً
حاصلِ صد سالهٔ دریا و کاں آورده‌اند

تا ز بخششهاے شاهنشاهِ هند و انگلینڈ
خلعت از بهرِ خدیوِ شه‌نشاں آورده‌اند

جیغه و سرپیچ کاں چشم و چراغِ دولت است
بهرِ فرقش از فرازِ فرقداں آورده‌اند

از شعاعِ مهر تار از پرتوِ مهتاب پُود
جامه‌هاے زرنگار و زرفشاں آورده‌اند

در حمایل کز گلوے شهریار آویختند
گوهر از پروین و تار از کهکشاں آورده‌اند

تیز دم تیغے که همچوں برقش از روزِ ازل
بےنیاز از گردشِ سنگ فساں آورده‌اند

وآں زحل پیکر سپر کز بهرِ دفعِ تیغ و تیر
از سوادش جسم را حرزِ اماں آورده‌اند

ابر مانا پیل کز رعدش صدا بخشیده‌اند
برق‌وش توسن که از بادش عناں آورده‌اند

گر به پشتِ پیلِ زرین جل فرود افگنده‌اند
بهرِ توسن گوهرین برگستوان آورده‌اند

دیگر آن زرین سلب خرشیدمنظر پالکی
کز نئے خم داده قوسش درمیان آورده‌اند

قوس کان بر سطحِ گردون جای سعدِ اکبر است
نے که خود سازند و خود نامش کمان آورده اند

اینکه گفتم بر طریق خلعت اهل حل و عقد
هرچه می‌بایست و می شایست آن آورده‌اند

میهمانان کان همه فرمان‌دهانِ کشوراند
ای فتوح از بهرِ والا میزبان آورده‌اند

خازنانِ گنج غیبی بین که از روے وداد
بس شگرف اشیاے دیگر ارمغان آورده اند

دولت و اقبال و فخر و عزت و جاه و جلال
کز فراوانی نه گنجد در گمان آورده‌اند

رحمتِ حق آشکارا و نهان دارد ظهور
روشنیِ چشم و نیروے روان آورده‌اند

هم ز روے لوحِ محفوظ است گر امروز باز
حکمِ محکم بهرِ ربطِ جسم و جان آورده‌اند

شهر داور را نویدِ دین و دولت داده‌اند
شهریان را مژدهٔ امن و امان آورده اند

چوں شمارِ عمرِ انساں جز در استقبال نیست
بر دوامش عہد و پیماں درمیاں آوردہ اند

و انگہے بر عہد و پیمانے کہ بستند ایں زماں
خضر را کاں زندہ مے گردد ضماں آوردہ‌اند

قدسیاں گفتند یارب دیر ماناد ایں امیر
آنچہ **غالب** داشت در دل بر زباں آوردہ اند

چوں دعا از قدسیان است از من آمینے بس است
شاد باشم کش حیات جاوداں آوردہ‌اند

*****

۷

افضل الدولہ والیِ دکن

یہ قصیدہ افضل الدولہ میر تہنیت علی خاں بہادر نظام الملک پنجم (بن ناصرالدولہ ، بن سکندر جاہ ، بن نظام علی خاں ، بن نظام الملک آصف جاہ اول بانی دولت آصفیہ حیدرآباد) کی مدح میں ہے - افضل الدولہ کی تاریخ ولادت ۳۰ - ربیع الاول ۱۲۴۳ / ۲۱ - اکتوبر ۱۸۲۷ اور تاریخ جلوس ۲۴ رمضان مبارک ۱۲۷۳/۱۸ مئی ۱۸۵۷ ہے - سید وزیرالحسن صاحب عابدی نے قصیدے کا زمانۂ تصنیف مارچ ۱۸۶۱ اور ستمبر ۱۸۶۱ کے درمیان قرار دیا ہے - نیز اس کے بعض اشعار کا پس منظر سمجھنے کے لیے چند اشارے فرمائے ہیں :

۱ - ۱۸۵۸ میں بہادر شاہ بادشاہ غازی کا سکہ دولت آصفیہ میں موقوف ہوا اور نیا سکہ جاری کیا گیا ، جس کے ایک طرف نظام الملک آصف جاہ اور دوسری طرف ''ضرب حیدرآباد'' تھا - عدد ۹۲ (لفظ محمد صلعم کے اعداد) تیمناً زیب رقم کیا -

۲ - افضل الدولہ بڑے قوی ہیکل ، بہت خوبصورت اور بے حد دریا دل تھے -

۳ - ایام صاحبزادگی سے خوش اعتقاد ، صاحب سلوک اور فیاض روزگار تھے - مزاج خیرات و مبرّات کی طرف مائل تھا -

۴ - بعد جلوس تین سو حافظ واسطے برکات دور قرآن کے ، پچھتر بخاری شریف مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین کے قاری، گیارہ جماعتیں مولود خوانوں کی مقرر کیں - پانچ ہزار جوان علی غول میں نئے ملازم رکھے -

۵ - مکہ مسجد کا صحن پتھر کا بنوایا -

۶ - متعدد لوگوں کی معاش کا بندوبست کر کے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھیجا

۷ - ایک جہاز تیار کر کے حاجیوں کے لیے وقف کر دیا ۔

۸ - شراب کی دکانیں شہر حیدر آباد سے باہر بھیج دیں ۔

۹ - ۱۲ - ستمبر ۱۸۵۷ کو ایک ممتاز ہندو راجہ سمبھو پرشاد نے اسلام قبول کیا ۔

۱۰ - افضل الدولہ کا انتقال ۱۸ - ذی قعدہ ۱۲۸۵ ، ۲۸ - فروری ۱۸۶۹ کو ہوا ۔

اس قصیدے کے حیدرآباد بھیجنے یا وہاں سے صلہ ملنے کے متعلق میرزا کی ان تحریرات میں کہیں کوئی ذکر نہیں آیا جو اب تک چھپ چکی ہیں ۔

حیدرآباد دکن روضۂ رضواں شدہ‌است
ساز و برگِ طرب و عیش فراواں شدہ‌است

والیِ شہر کہ جاوید بماناد بدھر
بود وے آصف و امروز سلیماں شدہ‌است

افضل‌الدولہ بہادر کہ ز فرِّ رخِ او
بارگہ مطلعِ خرشیدِ درخشاں شدہ‌است

آں کہ در عہدِ وے از کثرتِ ایثار و عطا
خلق را یافتنِ کامِ دل آساں شدہ‌است

مردہ را زندہ کند جنبشِ کلکش گوئی
کلکِ او موجۂ سرچشمۂ حیواں شدہ‌است

فر و فرہنگِ فریدوں کہ نہاں داشت سپہر
اینک از پردہ دگر بار نمایاں شدہ‌است

به دکن آی و ببیں ریزشِ دستِ کرمش
که زمیں ز آبِ گہر غرقۀ طوفاں شده‌است

تا شود روشنیِ چشمِ خلایق افزوں
گرد در رهگزرش کحلِ صفاهاں شده‌است

نه همیں نیک بود نظمِ امورِ دنیا
کار دیں نیز دریں وقت بساماں شده‌است

نفسِ اماره که خود کافر و کافرگر بود
از نہیبِ شهِ دیندار مسلماں شده‌است

سے تراشند ز اعضاے بتاں اجزاء را
کفر در راسته بازیچۀ طفلاں شده‌است

رفت توقیع به آتش که نه‌سوزد جاندار
هیزم و خار و خسش راتبۀ خواں شده‌است

لاجرم از رهِ اخلاص پرِ پروانه
شمع را از ضررِ باد نگہباں شده‌است

روزگاریست گرانمایه و فرخ که جہاں
هم بدانگونه که بایست همانساں شده‌است

شاه فرخنده‌فرا ! خسروِ والاگہرا !
چشمِ بد دور که آدم به تو نازاں شده است

قدرِ آدم به دلش از تو چناں جاے گرفت
که عزازیل ز انکار پشیماں شده‌است

سنگ‌فرساست چناں نعلِ سمندت که براه
هر کجا آمده کهسار بیاباں شده‌است

ابر رخشے است که در زیرِ تو جولاں دارد
برق‌تیغے است که در دست تو عریاں شده است

رند روشن نفسے هست ز آلِ سلجوق
ایں که بر مائدهٔ فیضِ تو مہماں شده‌است

تو چناں داں که غریبے ز دیارِ دهلی
به دکن نامده از دور ثناخواں شده‌است

تیغِ تیز است ثناگوے تو لیکن دانی
جوهرِ تیغ تهِ سورچه پنہاں شده‌است

نیست جز گرد و غبار آنچه بهر سو نگرم
خواب در دیدهٔ من بسکه پریشاں شده است

غنچهٔ هست دلِ من ز شگفتن نومید
خوں شود سینه ازاں غنچه که پیکاں شده است

به دمِ گرمِ خودم زنده و بیدل زانم
که دل از فرطِ ریاضت خورش جاں شده است

غالبِ غمزده درویش و تو درویش نواز
بحلش باد اگر طالب احساں شده‌است

صله گر سےنفرستی بستایش بنواز
کایں کلامیست که داغِ دلِ حساں شده است

سخن این است که قطعِ نظر از حسنِ کلام
وایه جوئی به سخن سلسله جنبان شده‌است

چشم بر لطف و کرم دوختهٔ را دریاب
که ز کاهش بدنش صورتِ مژگاں شده‌است

ایں کہن پیر بہ آوازۂ شیئاًللہ
گدیه‌گر بر درِ آں قبلهٔ گیہاں شده‌است

در ثنائے تو چه گفتم که گرایم به دعا
ایں به دل سے سپرم گر بزباں آں شده‌است

باد جاوید گلستانِ ترا فصلِ بہار
اے که از فیضِ تو آفاق گلستاں شده است

******

مثنویات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس مجموعے میں میرزا غالب کی ان گیارہ مثنویوں کے علاوہ جو کلیات نظم فارسی میں شامل ہیں ، وہ مثنویاں بھی لے لی گئی ہیں جو کلیات کی طباعت کے بعد لکھی گئیں اور ان کا انتساب اہل علم و نظر کے نزدیک مستند ہے ۔ کلیات نثر فارسی سے بعض مثنویاں یا مثنوی‌نما قطعات بھی لے لیے گئے ، کیونکہ بمقابلہ کلیات نثر فارسی اس مجموعے میں شمول سے ان کا دائرہ استفادہ وسیع تر ہو جائے گا ۔

میں نے تمہیدی تحریروں میں ہر مثنوی کی کیفیت یا اطراف کا ذکر اجمالاً کر دیا ہے مشکل الفاظ و تراکیب یا تلمیحات کے متعلق حواشی لکھ دیے ہیں تاکہ خوانندگان کرام کو ملاحظہ فرمائی میں سہولت رہے ۔ مثنویوں کے مختلف حصوں کے مطالب بھی الگ الگ کر دیے ہیں ، اگرچہ ان پر عنوان نہیں لگائے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ بھی بفضل‌اللہ تسہیل مطالعہ میں معاون ہو گا ۔

اگر اس ناچیز خدمت گزار اہل علم سے کسی مقام پر غلطی یا فروگزاشت سرزد ہوئی ہو تو اسے میری کم علمی اور کم فہمی کا نتیجہ قرار دیا جائے ۔ ایسی فروگزاشتوں کے متعلق اطلاع میرے لیے ممنونیت کا باعث ہو گی ۔

مسلم ٹاؤن ۔ لاہور

۲۴ - جنوری ۱۹۶۹ء

مہر

فہرست مضامین

۱

سرمۂ بینش

اس مثنوی میں ابو ظفر بہادر شاہ ثانی کے بعض معارف عرفانی کی تشریح کی گئی ہے۔ کلیات میں اس کا عنوان ہے: نخستین مثنوی موسوم بہ ''سرمہ بینش''

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائیہا شکایت میکند

من نیم کز خود حکایت مے کنم — از دم مردے[۱] روایت مے کنم
از دم فیضے کز آستاد آورم — خامہ را چوں نے بہ فریاد آورم
نالۂ نے از دم مرد رہست — کاں ہم از ساز و ہم از راز آگہست
بر نوائے راز حق گر دل نہی — بایدت چوں نے ز خود بودن تہی
گر نۂ دلریش، از مستی ملاف — کیں می از تندی بود پہلو شگاف
اے کہ از راز نہاں آگہ نۂ — دم مزن از رہ کہ مرد رہ نۂ
دست در دامان مرد راہ زن — لیک رہبر را شناس از راہزن
در ہزاراں مرد، مرد رہ یکیست — آدمی بسیار اما شہ یکیست

---

۱ - ''مردے'' یہاں مراد بہادر شاہ ہے، جیسا کہ آگے چل کر خود واضح ہو گیا ہے۔ شاہ موصوف ہی کو ''مرد راہ'' بھی کہا گیا ہے۔

مرد ره باید که باشد مرد عشق

لب ترنم خیز و در دل درد عشق

ور تو سی پرسی که مرد راه کیست؟ جز سراج‌الدین بهادر شاه کیست؟

در طریقت رهنمائے رهرواں در خلافت پیشوائے خسرواں

آں که چوں از راز وحدت دم زند دفتر کون و مکاں برهم زند

آں که چوں در نے نوا را سر دهد نے شود نخلے که شبلی بر دهد

آنکه چوں شوق آسماں تاز آیدش تخت چوں رفرف بپرواز آیدش

شبلی‌رح از منبر دهد آواز عشق شاه ما بر تخت گوید راز عشق

عشق دارد پایهٔ هر کس نگاه منبر از شبلی‌رح و تخت از پادشاه

آنچه ابراهیم ادهم یافت ست بعد ترک مسند جم یافت ست

شاه ما دارد بهم در رهروی خرقهٔ پیری و تاج خسروی

شاهی و درویشی ایں جا باهم ست پادشاه عهد قطب عالم ست

هم به شاهی ناظر وجه اللهی هم به درویشی درش فرّ شهی

چرخ در رقص از نوائے ساز اوست قدسیاں را گوش بر آواز اوست

دارد ایں دانا دل دانش پسند در خدا دانی سخنهائے بلند

به ز شه راز نهاں نشناخت کس لیک شه را در جهاں نشناخت کس

چشم ما کورست و حسن آئینه جوی
فہم ما کندست و خاقان رمز گوی

صبحدم سلطاں سریر آرائے بود از مریداں مجمعی بر پائے بود
ابر رحمت گوہر افشاندن گرفت شاہ از عرفاں سخن راندن گرفت
چوں بقدر فہم مردم خواست گفت در لباس رمز حرفے راست گفت
گفت کاندر معرض اسرار دوست ہر کہ باشد طالب دیدار دوست[۱]
خواہد از نور جمال یار خویش روکش مشرق در و دیوار خویش
بایدش کاشانہ نیکو ساختن حجرہ از نا محرماں پرداختن
خارو خس از خانہ بیروں ریختن مشک تر با خاک رٓاہ آمیختن
زاں سپس کایں کار را یکرو کند خانہ را زیں گونہ رُفت و رو کند
آورد آب و زند در رہگزار تا ہوا از رہ نینگیزد غبار
برگ گل در رہ فشاند مشت مشت تا نیاید خاک زیر پا درشت
رخت گرد آلودہ از تن بر کشد جامۂ پاکیزہ اندر بر کشد
چوں در آید آں نگار، از خود رود خوش بہ استقبال یار از خود رود
عاشق از خود رفت، دلبر ماندو بس سایہ گم شد مہر انور ماند و بس

---

۱ - یہاں سے بہادر شاہ کی تقریر شروع ہوتی ہے، جو یہاں سے تیرھویں شعر پر ختم ہوتی ہے۔

جملہ جاناں ماندوجسم وجاں نہ ماند حسرت وصل و غم ہجراں نہ ماند
شبنمی را طُعمۂ خورشید کن خویش را قربانی ایں عید کن
تیرگی بزدای تا رخشاں شوی
قطرگی بگزار تا عماں شوی،،
معنی رمزے کہ شہ فرمودہ است حفظ ناموس شریعت بودہ است
رُفتن کاشانۂ و صحن سرا دفع اوہام است و نفی ما سوا
مدعا تہذیب اخلاق ست و بس سعی در تحصیل اشراق۱ ست و بس
واں خود آرا دلبرے کز در رسد جذبۂ باشد کہ از حق در رسد
رفتن عاشق بہ استقبال دوست مطلب از محویت آثار اوست
سالک آزادۂ چابک خرام چوں رسد ایں جا شود سیرش تمام
نیست کس بعد از خدا غیر از خدا ایں بود سرِّ بقا بعد الفنا۲
غالب از رازے کہ گفتی دم مزن سنگ بر پیمانۂ عالم مزن
رازِ وحدت بر نتابد گفتگو حرفِ حق را در نیابد گفتگو
بر دعاے شہ سخن کوتاہ باد
تا خدا باشد بہادر شاہ باد

---

۱ - لفظی معنی درخشاں و روشن ہونا ، اصطلاح میں باطنی روشنی جو مراقبے اور توجہ الی اللہ سے حاصل ہوتی ہے ۔ شیخ شہاب الدین مقتول ،، اشراق ،، کے بہت بڑے بزرگ مانے جاتے ہیں ۔ افلاطونی فلسفے کو بھی فلسفہ اشراق کہا جاتا ہے لیکن یہ افلاطون کا نہیں پلوٹینس (Plotinus) کا تھا ، جو نوفلاطونی دبستاں کا بانی تھا ۔

۲ - یہ تشریحات و تطبیقات خود میرزا غالب کی ہیں ۔

۲

درد و داغ

اس مثنوی میں بر سبیل حکایت یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ نصیب یاور نہ ہو تو مساعدت اسباب بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ کلیات میں اس کا عنوان ہے: ''دومین مثنوی درد و داغ نام''

بے ثمرے بزرگری پیشه داشت　در دل صحرائے جنوں ریشه داشت
دست تہی آئنۂ قستمش　زخم دل و داغ جگر دولتش
خانه اش از دشت خطرناک تر　پیرهنش از جگرش چاک تر
مایۂ او داغ و هماں در برش　حاصل او خاک و هماں بر سرش
هر سحرش تیره تر از تیره شام　فاقه پئے فاقه کشیدے مدام
مادر کے و پدرے پیر داشت　ربط بهم چوں شکر و شیر داشت
شام و سحر گرمی دلسوزیش　خدمت شاں کار شبارو زیش
چوں لب نان و دم آبش نبود　فائده جز رنج و عذابش نبود
بار که بر گردنش افتاده بود　در پئے افگندنش افتاده بود
تا بکے از گرسنگی سوختن　سیر شد از زندگی خویشتن
ننگ شد آئین وطن داریش　سلسله بگسیخت گرفتاریش

بسکه دل از تنگی ساماں گرفت   با اب و آم راه بیاباں گرفت

هر سه تن آئینهٔ وحشت شدند
بادیه پیمائے سیاحت شدند

ریخت جنوں بر تپش آهنگها   ماند وطن دور به فرسنگها
مرحلهٔ چند نوشتند راه   تا برسیدند به دشتے تباه
وادی دردی که هزارش بلا   خاک بلا خیز و غبارش بلا
لاله خود رَوش ز خونِ شهید   ذرّه اش از جوهرِ تیغِ یزید
هر قدم آنجا به سردار بود   عَربدهٔ آبله و خار بود
بود بهم هر غم و رنجی که بود   تَشنه لبی آفتِ دیگر فزود
شد هوسِ آب به دل شعله زن   سوختن آمد به جگر سوختن
هوش دراں معرکه بیهوش گشت   پا به وداع قدم آغوش گشت
تیزی رفتار ستم کرده بود   پای تگ و تاز قلم کرده بود
آبله ساغر شد و ساغر نشد   زَهره شد آب و لبِ شاں ترنشد
از تپشِ دل به تمنای آب   طرف نه بستند بجز اضطراب
دامن جهدی به کمر بر زدند   تا قدمی چند مکرر زدند
گرد سیاهی بنظر ها ز دور   سایه نخلی و هجوم طیور
پا بخرامید به سعی نگاه   تا برسیدند بداں جایگاه
بود به پیغوله[۱] ویرانیے   تکیهٔ درویش بیابانیے

۱- پیغوله یعنی گوشه -

تا بسر تکیه رسیدند شان
آب به ایما طلبیدند شان

مرد فقیر از سر سجاده جست جام بدستے و سبوے بدست
تانم آبی به گلو ها رسید دور پیا پے به سبوها رسید
ریشه هستی به دمیدن رسید نشه مستی به رسیدن رسید
تشنۂ عرض سخن آمد فغاں گشت بیانها به سخن تر زباں
هر یکی از درد بدرویش گفت پارۂ از درد دل خویش گفت
کاے چمن آراے گلستان فیض خضر قدمگاه بیابان فیض
ما سه تن آفت زدۂ قسمتیم ساغر سرشار مئے کلفتیم
در قفس گردش چرخ دو رنگ قافیۂ عیش بما گشته تنگ
از تپش آباد جنوں میر سیم تا کمر و سینه بخون میر سیم
گر نگہے نامزد ما کنی عقده ز سررشتۂ ما وا کنی
بو که هوس بال فشانی کند کار فرو بسته روانیٔ کند
از نفسے فیض مسیحا بیار مژدۂ اقبال تمنا بیار
آئنۂ بخت سیاهیم ما حسرتی سعیِ نگاهیم ما

پیر بجوشید ز گفتار شان
گریه اش آمد به سرو کار شان

کرد نگه بر ورقِ دل درست — طالعِ شاں در نظر آورد چست
دید که در قسمت شاں هیچ نیست — حاصلِ شاں غیر خم و پیچ نیست
بابِ کرم بر رخِ شاں باز نیست — بخت کماں کش غلط انداز نیست
زار بنالید که یا ذوالجلال — آب شدم از اثر انفعال
بر دل اندوه گزینم به بخش — جرم سه تن را به یقینم به بخش
خسته دلانند تو مرهم فرست — دولت و راحت زپئے هم فرست
اے تو خداوند جهاں رحم کن — برمن و ایں غمزدگاں رحم کن
هاتفے از خلوت اسرارِ فیض — گفت که اے جلوه طلبگار فیض
درس حقیقت به تو فرموده ایم — اختر ایناں به تو بنموده ایم
قسمت شاں از کرم ما همیں ست — سابقهٔ روز ازل ایں چنیں ست
ور طلبت شیفتهٔ همت ست — عالم ابرام جنوں وسعت ست
باش که شرحی ز تسلی دهیم — پرتوے از جلوه معنی دهیم
در خم محراب فریب آر رو — باسه تن ایں مژدهٔ دلکش بگو
کز اثر عاجزیم در جناب — شد سه تمنای شما مستجاب
هر یکی از شوق نوائے زند — دست بدامان دعائے زند
باز سروکار دعا ها به بیں — چشم بخوابان و تماشا به بیں
پیر بر آورد سر از جیب ناز — گشت به دلداری شاں نکته ساز
مژدهٔ صبح طرب آورد و گفت — رنگ تبسم به لب آورد و گفت
کاے زدگانِ ستم روزگار — آئنهٔ رحمت پروردگار

شاد شوید از غم دل وارهید دلشدگاں داد ہو سہا دهید

رحمت حق آئنه دار شما ست وقت پزیرفتن یک یک دعا ست

از غم گردوں به پناهید تاں هر چه بخواهید بخواهید تاں

سامعه را صافی ایں گفتگو داد به امواج گہر شست و شو

ذوق ببالید و تپش ساز کرد حسرت دل بیخودی آغاز کرد

راست چوگل خنده زناں خاستند دست فشاناں و دناں[۱] خاستند

ناله به صید اثر از خویش رفت

هر یکی از دیگر خود پیش رفت

ماند برآں پیر زن دل جواں قرعهٔ دیباچگی امتحاں

قامت خم گشتهٔ آں پیر زن راست شد از بہر دعا خواستن

دست بر آورد و فغاں ساز کرد مویهٔ از درد دل آغاز کرد

گفت که اے کار روائے همه سوے درت روے دعاے همه

از غم ایام ستم دیده ام پیر زن عاجز غم دیده ام

عمر به افلاس بسر رفته است نقد من از کیسه بدر رفته است

عمر تلف گشت به داغ وصول تاسه دعا کرده از ما قبول

شوهر من طالب مال ست و بس دولت دنیا ست مراو را هوس

تیر دعایش چو رسد بر هدف ساز دو عالم هوس آرد بکف

---

۱ - دناں بروزن زناں : نشاط و شادمانی سے چلنا اور خراماں ہونا ۔

سی کشد و عرض تنعّم کند در طلب خویش مرا گم کند
خوش نه نشیند نه شکوهد ز من کام دل خود نه پژوهد ز من
بادگران ساغر عشرت زند با من ژولیده به نفرت زند
پس ز تو خواهم که جوانم کنی رونق خوبان جهانم کنی
ده به من اے رازق برنا وُ پیر حسن و جمالی که بود دلپذیر
یوسف اقبال بخوابم رساں همچو زلیخا به شبابم رساں
چوں سرش از سجده حق راست شد دید بدانساں که همی خواست شد
حسن خودش چوں به نگه باز خورد آئنه گوئی دلش از دست برد
دید که مه چهره زیبا ستم حیرت خویشم، چه تماشا ستم
چهره برافروخت زتاب عذار یافت خزاں را سر و برگ بهار
ارث خم پشت به کاکل رسید سلسله ناز به سنبل رسید
قمری طاؤس پدید آمده چوں رمضاں رفته و عید آمده
تازه فسونے به تمنا دمید شاد و نواں[1] بر سر شوهر رسید

تاب عذارش به سیاهی موے
زد شبیخونی به دل و جان شوے

دست کشاد آں صنم شیر گیر دل به ربود از کف دهقان پیر
شوهرش از وجد برقص اوفتاد دیده به گل چینی رویش کشاد
تر شد از آں شوخی و برنائیش ساخت سراسیمه تبه رائیش

---

۱ - خراماں -

بسکه بر آں دل شده مشکل فتاد با پسرش عَربده در دل فتاد
خاطرش از بند غم آزاد شد گرم شد و مست شد و شاد شد
بهره ز امید ربایاں همے حوصلهٔ آزفزایاں همے
یافت پری در برو دیوانه گشت بازن و فرزند سوے خانه گشت
جلوهٔ مقصود به آئینه در حاصل آفاق به گنجینه در
خواست به کاشانه در آید بناز تا در آں خانه کشاید بناز
در حقِ ویرانه دعاے کند دعوت برگی و نواے کند
حال وے از حال دگرگوں شود گنج بیندوزد و قاروں شود
خاک ز اکسیرِ دعا زر شود هم بدمے چند توانگر شود
کرد جواں نیز تمناے خویش منحصر مسکن و ماواے خویش
همچو پدر محوِ زر او بود نیز تشنهٔ لعل و گهر او بود نیز
شد به تگے چند خرام سفر تکیهٔ درویش نهاں از نظر
بر دل از امید رقمها زناں دست فشاناں و قدمها زناں
هر یکے از رفته سگالش کناں بود دراں بادیه چالش کناں
مے بچمیدند به ذوق وطن همچو نسیم سحری در چمن

ماند چو کاشانه بفرسنگکے
داد بروں ساز غم آهنگکے

ناگه از آں بادیه گردے بجست بر سرِ اقبال هوسها نشست
از دل آں گرد سوارے دمید نی غلطم ، آئنه زارے دمید

جلوه گر از آئنه شهزادهٔ دور ز فوج و سپه اُفتادهٔ
درپئے صیدے بہوس میدوید تا به نظر گاه غریباں رسید
شد نگہش با زن دهقاں دو چار گشت دل از ناوک نازش فگار
از سر ابرو به ادائے شگرف کرد عبارات دل آهنج۱ صرف
در خم دامش چو بیفشرد تنگ آں زن بیچاره بگرداند رنگ
کرد دل و جاں به هوایش اسیر رفت ز دل مہر کشاورز پیر
گفت خوشا خوبی و جاه و جلال شوهر اگر مال برد، کو جمال
شوخ و کش۲ و نغز جواں یافتش سر بسر آرامش جاں یافتش
پشت هوسہائے نہاں گرم کرد جائے در آغوش جواں گرم کرد
عہد حق صحبت و الفت شکست رنگ به رخسارهٔ عصمت شکست
در هوس جلوهٔ رنگ حنا دست بیالود بخون وفا
رام نگه دید دلارام خویش حیله برانگیخت پئے کام خویش
پردهٔ آزرم ز رخ بر گرفت مویه کناں گریهٔ از سر گرفت
ناله بر آورد که ای نوجواں داد ز بی مہری ایں رهزناں
خوش کسم و هیچ کسم کرده اند بلبلم و در قفسم کرده اند
زیور و پیرایهٔ من برده اند بیخودم از قافله آورده اند

۱۔ قصد و اراده ۔

۲ ۔ به فتح کاف به معنی خوش و نیک ۔ ایک لفظ به زیر کاف بھی ہے یعنی کش جو ترکستان کا مشہور شہر تھا ۔ امیر خسرو کے اجداد کا وطن یہی تھا ۔ امیر تیمور اسی مقام پر پیدا ہوا تھا اور اس نے کش نام بدل کر شہر سبز نام رکھا ۔

زیں غم و دردم به در دل رساں　　همره خود گیر و بمنزل رساں

خوش به غم خسته روانان به رس　　نغز جوانا بجواناں به رس

برد جوانش به کمر گاه دست　　داد پسِ خود به تگاور نشست

برد و رواں گشت ، رواں همچو باد
گرد رهش بر سر دهقاں فتاد

وقف ردیفش چوبدیں رنگ دید　　قافیهٔ صبر و سکوں تنگ دید

ماند به حسرت نگرانش که چه!　　سر به فلک سود فغانش که چه!

ناله نوید اثرے باز داد　　هاتفے از پرده اش آواز داد

کاے علم قدرت ایزد به دست　　ناوکِ دل دوز رها کن ز شست

تیر دعاے نفست بے خطاست　　حکم ترا حکم خدنگ قضاست

پیر خرف دود فغان بر کشید　　شعله شدو از دل خود سر کشید

زار بنالید به پیش خدا　　گفت که اے صانع ارض و سما

روز من از جوش بلا تیره شد　　چشم من از تاب جفا خیره شد

بخت دریں مرحله بامن چه کرد　　ناله گواه ست که ایں زن چه کرد

انده من زَهره گداز آمده ست　　پیش تو سائل به نیاز آمده ست

خست دل از تیزی رفتار او　　داد گرا ! کیفر کردار او

ساز تلافیِ سلوکش بساز　　مسخ کن و مادهٔ خوکش بساز

در خم پوزش به اداے سجود　　بود لبش محو دعاے که بود

کاں زن بد طینت و پیماں شکن　　دید سیاه آئینهٔ خویشتن

خوک شد و بد نفسی ساز کرد[۱]   با سرو رُو عربده آغاز کرد
دید جوان کاین چه بلا شد، چه شد!   آهؤ کے خوک نما شد ، چه شد !
از دل شهزاده برآمد غریو   زار به ترسید ز آسیب دیو
غول بیابان رگ جانش گرفت   خواست بنالد که زبانش گرفت
راست ز اسپش بزمیں بر فگند   بر سر خاک از سر زیں بر فگند

گشت هراساں و عناں در گسیخت
آب رخ برق بجولاں بریخت

واں زن فرتوت جواں گشتهٔ   در قفس خوک نہاں گشتهٔ
جانب شوے و پسر خود دوید   لا به کناں در قدم شان تپید
جنبش دم طرز هوا داریش   سر زدن آئینِ طلبگاریش
حیف کناں بر اثر ساز خود   نوحه بر انگیخت به آواز خود

۱- ابتدا میں مصرع یوں تھا :

خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد

گل محمد خاں ناطق مکرانی نے لکھنئو سے میرزا کو لکھا کہ اگر یہ لفظ واقعی پنجہ ہے اور کاتب نے غلطی نہیں کی تو سؤر کے سم ہوتے ہیں نہ کہ پنجہ اور اگر لفظ سم و پنجہ کا استعمال ایک محل پر جائز ہے تو ثبوت درکار ہے - میرزا نے جواب میں لکھا کہ میرے ذہن میں سؤر کے پاؤں کا صحیح تصور نہ تھا ، اگرچہ یہ جانور خرابوں اور ویرانوں میں چرتے دیکھے ہیں - مگر ان کے پاؤں پر نظر نہیں گئی - اگر مجھے پہلے اطلاع ملتی تو دیوان چھپنے سے پیشتر (یعنی دھلی میں) مصرع بدل دیتا - (کلیات نثر فارسی رقعہ بہ نام ناطق صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵) جب کلیات نولکشور میں طباعت کے لیے بھیجی تو ''پنجہ زدن'' کی جگہ ''بد نفسی'' کر دیا - ناطق کے مکاتیب، ''جوہر معظم'' اور ''متفرقات غالب'' میں بھی اس واقعے کا ذکر ہے -

تا پسرش را بهم آمد دروں کرد ز بیتابی خاطر جنوں
مادر خود را بچناں حال یافت چاره سگالید به زاری شتافت
کرد دعا صرف مددگاریش زار بنالید به غمخواریش
کاے اثر ایجاد نفسہاے ما گر تو نه بینی سوے ما، واے ما
رحمت خاصے به سرِ ما فرست مژدهٔ آرایشِ جانها فرست

ایں زن پیر آئنه عبرت ست ننگ تخیل کدهٔ صورت ست
حسن و جمالش همه برباد رفت صورت اصلیش هم از یاد رفت
داغ نکوهیده سرشتی چرا ست خوبی اگر رفت به زشتی چرا ست
کسوت[۱] ایں شکل برآر از برش از وسخ مسخ[۲] بشو پیکرش
باز نخواهم که بد انساں کنش صورت اصلی ده و انساں کنش[۳]
ناله ز توفیق اثر بهره برد نقد تمنا به کفش در سپرد
کسوت آں خوک قبا گشته دید پیکرے از پوست جدا گشته دید
پیر زنے پشت خم استاده یافت حرف و سخن را چو خود آماده یافت
چشم بمالید و مژه بر شکست باورش آمد که همان مامک است
روے هماں ، موے سفیدش هماں چشم هماں ، قوت دیدش هماں
پشت خم و ربط عصایش هماں واں لب و دنداں و صدایش هماں

۱- لباس - جامہ -

۲- وسخ واؤ اور سین مفتوح) میل کچیل -

۳- مطلب یہ کہ میں نہیں کہتا اسے ویسی ہی حسین و جمیل بنا دے جیسی یہ بن گئی تھی، لیکن اسے اصل صورت پر انسان بنادے -

آئنہ از زنگ وساوس زدود
شکر بدرگاہ الٰہی نمود

غالب اگر محرم معنی شوی آئنہ پردار تسلی شوی
تا نہ بود یاری بخت بلند چارۂ عیسیٰ نہ فتد سود مند
نیم دعا گر شودے مستجاب مفت بود سود بروں از حساب
طالعِ آں بے سر و پایاں نگر دستگہ عقدہ کشایاں نگر
کز اثر رافت[۱] آں راز دار[۲] یافتہ ہر یک سرو برگ بہار
رحمت حق جوش عطا ہا نمود رنگ اثر صرف دعا ہا نمود
نور اجابت ز کمیں جلوہ کرد شک ز میاں رفت و یقیں جلوہ کرد
بود ز بس طالع آناں نژند ہمت شاں قرعہ[۴] پستی فگند
شد سہ دعا باہمہ لطف اثر صرف علاج سہ بلاے دگر
آں ہمہ آرایش حسن قبول رنگ ہوس باخت بہ گرد فضول
حاصل شاں زاں تگ و تاز ہوس رفتنی و آمدنی بود و بس
بخت چو پوید رہ مکر و فریب کیست کہ از اوج نیفتد بہ شیب[۳]

عالم تقدیر چنین ست و بس
حاصل تحریر من این ست و بس

۱- مہربانی -

۲- راز دار سے بظاہر وہ درویش مراد ہے جس کی دعا سے تینوں کو ایک ایک دعا کرنے کا حق عطا کیا گیا تھا -

۳- پستی -

۳

چراغ دیر

یہ مثنوی میرزا نے بنارس کی مدح میں کہی تھی اور کلکتہ جاتے ہوئے غالباً قیام بنارس کے زمانے میں مرتب ہوئی - میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں :

بنارس کا کیا کہنا ہے ! ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے ! انتہاے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا - اگر اُوس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ اور ادھر کو نہ آتا -

پھر فرماتے ہیں :

بھائی بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے - ایک مثنوی میں نے اس کی تعریف میں لکھی ہے اور "چراغ دیر" اس کا نام رکھا ہے وہ فارسی دیوان میں موجود ہے - اس کو دیکھنا -

شیخ علی حزیں نے بھی ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر بنارس ہی کو مامن بنایا تھا اور وہیں ان کا انتقال ہوا -

اس مثنوی کے آخر میں اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بڑا دلگداز ہے -

---

نفس با صور دمساز ست امروز خموشی محشر راز ست امروز

رگ سنگم شرارے می نویسم کفِ خاکم غبارے می نویسم

دل از شورِ شکایتها به جوش است حباب بینوا طوفاں خروش است
به لب دارم ضمیر آلا بیانے نفس خوں کن جگر پالا فغانے
پریشاں تر ز زلفم داستانے ست به دعوئ هر سر سویم زبانے ست
شکایت گونهٔ دارم ز احباب کتان خویش می شویم به مهتاب
در آتش از نواے ساز خویشم کباب شعلهٔ آواز خویشم
نفس ابریشمِ سازِ فغان ست بسانِ نے تبم در استخوان ست
محیط افگنده بیروں گوهرم را چو گرد افشانده آهن جوهرم را
ز دهلی تا بروں آورده بختم به طوفانِ تغافل داده رختم
کس از اهلِ وطن غمخوار من نیست مرا در دهر پنداری وطن نیست
ز ارباب وطن جویم سه تن را که رنگ و رونق اند ایں نُه چمن را
چو خود را جلوه سنج ناز خواهم هم از حق فضل حق۱ را باز خواهم
چو حرز بازو ایماں نویسم حسام‌الدین حیدر خاں۲ خویسم
چو پیوند قباے جاں طرازم امین‌الدین احمد خاں۳ طرازم
گرفتم کز جهان آباد۴ رفتم مر ایناں را چرا از یاد رفتم

۱- مولانا فضل‌الحق خیر آبادی -

۲- مبارزالدوله ، ممتازالملک ، حسام‌الدین - حیدر خاں - بهادر ، حسام جنگ متخلص به نامی ، لکھنئو کے امیر جو دهلی میں جا بسے تھے اور میرزا کے دوست تھے -

۳- والی لوهارو -

۴- شاه جهان آباد یعنی دهلی -

مگو داغ فراق بوستاں سوخت   غم بے مہری ایں دوستاں سوخت
جہاں آباد گر نبود، الم نیست   جہاں آباد بادا جاے کم نیست
نباشد قحط بہر آشیانے   سر شاخ گلے در گلستانے
سپس در لالہ زارے جا تواں کرد   وطن را داغ استغنا تواں کرد
بخاطر دارم اینک گل زمینے   بہار آئیں سواد دل نشینے
کہ می آید بہ دعوی گاہ لافش   جہاں آباد از بہر طوافش
نگہ را دعوی گلشن ادائی   ازآں خرم بہار آشنائی

سخن را نازش مینو قماشی
ز گلبانگ ستایشہاے کاشی[۱]

تعالی‌الله بنارس، چشم بد دور   بہشت خرم و فردوس معمور
بنارس را کسی گفتا کہ چین است   ہنوز از گنگ چینش بر جبین است
بخوش پرکاری طرز وجودش   ز دھلی میرسد ہر دم درودش
بنارس را مگر دید ست در خواب   کہ میگردد ز نہرش در دھن آب
حسودش گفتن آئین ادب نیست   و لیکن غبطہ[۲] گر باشد عجب نیست
تناسخ مشرباں[۳] چوں لب کشایند   بہ کیش خوبش کاشی را ستایند

۱- بنارس کا ایک نام -
۲- رشک -
۳- یعنی وہ لوگ جو تناسخ کے قائل ہیں بہ الفاظ دیگر ہندو -

که هر کس کاندراں گلشن به سیرد　دگر پیوند جسمانی نگیرد[۱]
چمن سرمایۂ اسید گردد　به سردن زندۂ جاوید گردد
زہے آسودگی بخش روانہا　که داغ چشم می شوید ز جانہا
شگفتے نیست از آب و ہوایش
که تنہا جاں شود اندر فضایش
بیا اے غافل از کیفیت ناز　نگاہے بر پرِی‌زادانش انداز
همه جانہاے بے تن کن تماشا　نه دارد آب و خاک ایں جلوه حاشا
نہادِ شاں چوں بوی گل گراں نیست　همه جانند، جسمے درمیاں نیست
خس و خارش گلستان است گوئی　غبارش جوہرِ جان است گوئی
دریں دیرینه دیرستانِ نیرنگ　بہارش ایمن ست از گردشِ رنگ
چه فرور دیں، چه دی ماه وچه مرداد[۲]　به هر موسم فضایش جنت آباد

۱- مطلب یہ کہ عقیدۂ "تناسخ" کے رو سے جسم بدلتے جاتے ہیں اور روح نئی نئی مادی شکلیں اختیار کرتی رہتی ہے، جو زندگی میں انسانی اعمال کے مطابق ہوتی ہے، لیکن ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جس شخص کی موت کاشی یعنی بنارس میں آئے، اس کی روح تناسخ کے چکر سے محفوظ ہو کر اپنی اصل آرام گاہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

۲- فرور دیں اس داد اور دے فارسی مہینے - پہلے دو مہینے گرمی کے ہیں اور تیسرا سردی کا۔

بہاراں درشتا۱ و صیف۲ ز آفاق
به کاشی سی کند قشلاق۳ و ییلاق۴

بود در عرض بال افشانی ناز
خزانش صندل پیشانی ناز

به تسلیم هوائے آں چمن زار
ز موج گل بہاراں بسته زنار

فلک را قشقه اش گر بر جبین نیست
پس ایں رنگینی موج شفق چیست؟

کف هر خاکش از مستی کنشتے
سرِ هر خارش از سبزی بہشتے

سوادش پائے تخت بت پرستاں
سراپایش زیارت گاه مستاں

عبادت خانۂ ناقوسیان است
همانا کعبۂ هندوستان است

بتانش را هیولیٰ شعلۂ طور
سراپا نور ایزد ، چشم بد دور

میانہا نازک و دلہا توانا
ز نادانی بکار خویش دانا

تبسم بسکه در لبہا طبیعی است
دهنہا رشک گلہائے ربیعی است

ادائے یک گلستاں جلوه سرشار
خرامے صد قیامت فتنہ دربار

به لطف از موجِ گوهر نرم رو تر
بناز از خونِ عاشق گرم دو تر

ز انگیز قد ، انداز خرامے
بپائے گلبنے گسترده دامے

ز رنگیں جلوها غارت گر هوش
بہارِ بستر و نو روزِ آغوش

۱- شتا : سردی -

۲- صیف : گرمی -

۳- ایسے مقامات جہاں سردی کا موسم گزارا جائے یعنی کم سرد اور کم گرم مقامات -

۴- ایسے مقامات جہاں گرمی کا موسم بسر کیا جائے یعنی جہاں گرمی کم ہو یا بالکل نہ ہو - مطلب دونوں شعروں کا یہ ہے کہ بنارس میں موسم قریباً ایک سا رهتا ہے گویا جاڑا پڑنے لگے تو بہار بنارس میں سردی کا موسم گزارتی ہے اور گرمی آ جائے تو یہاں گرمی کا موسم بسر کرتی ہے -

ز تاب جلوهٔ خویش آتش افروز بتان بت پرست و برهمن سوز
بسامان دو عالم گلستان رنگ ز تاب رُخ چراغان لب گنگ
رسانده از ادا ے شست و شوے به هر سوجے نوید آبروے
قیامت قامتان ، مژگان درازان زمژگان بر صف دل نیزه بازان
به تن سرمایهٔ افزایش دل سراپا مژدهٔ آسایش دل
به مستی موج را فرموده آرام ز نغزی آب را بخشیده اندام
فتاده شورشے در قالب آب ز ماهی صد دلش در سینه بیتاب
ز بس عرض تمنا مے کند گنگ ز موج آغوشها وا مے کند گنگ
ز تاب جلوه ها بیتاب گشته
گهر ها در صدفها آب گشته
مگر گوئی بنارس شاهدی هست ز گنگش صبح و شام آئینه در دست
نیاز عکس روے آن پری چهر فلک در زر گرفت آئینهٔ از مهر
بنام ایزد زهی حسن و جمالش که در آئینه میرقصد مثالش
بهارستان حسن لا آبالیست به کشورها سمر در بے مثالیست
به گنگش عکس تا پر تو فگن شد بنارس خود نظیر خویشتن شد
چو در آئینهٔ آبش نمودند گزند چشم زخم ازوے ربودند
به چین نبود نگارستان چو اوئی بگیتی نیست شارستان چو اوئی
بیابان در بیابان لاله زارش گلستان در گلستان نو بهارش
شبے پرسیدم از روشن بیانے ز گرد شهاے گردون راز دانے
که بینی نیکوئیها از جهان رفت وفا و مهر و آزرم از میان رفت

ز ایمانها بجز نامے نمانده　　بغیر از دانه و دامے نمانده
پدر ها تشنهٔ خونِ پسر ها　　پسر ها دشمن جان پدر ها
برادر با برادر درستیز ست　　وفاق از شش جهت رو در گریزست
بدیں بے پردگیہاے علامت　　چرا پیدا نمے گردد قیامت۱؟
به نفخ صورتعویق۲ از پئی چیست ؟　　قیامت را عنانِ گیر جنوں کیست؟
سوے کاشی به انداز اشارت　　تبسم کرد و گفتا ایں عمارت
که حقانیست صانع را گوارا　　که از هم ریزد ایں رنگیں بنا را

بلند افتاده تمکین بنارس
بود بر اوج او اندیشه نا رس

الا اے غالب کار اوفتاده　　ز چشم یار و اغیار اوفتاده
ز خویش و آشنا بیگانه گشته　　جنوں گل کرده و دیوانه گشته
چه محشر سرزد از آب و گل تو　　دریغا از تو و آه از دل تو
چه جوئی جاوه زیں رنگیں چمنها　　بہشت خویش شو از خوں شدنها
جنونت گر به نفس خود تمام است　　ز کاشی تا به کاشاں نیم گام است
چو بوے گل ز پیراهن بروں آی　　به آزادی ز بند تن بروں آی
مده از کف طریقِ معرفت را　　سرت گردم، به گرد ایں ششجہت را
فرو ماندن به کاشی نا رسائی است　　خدا را ایں چه کافر ماجرائی است؟

۱- یعنی قیامت کے آثار نمایاں هیں - علامتیں به کثرت سامنے هیں - پھر قیامت کیوں نہیں آتی ؟ صور پھونکے جانے میں دیر کیوں ہے ؟

۲- دیر ، درنگ -

ازیں دعویٰ به آتش شوی لب را — بخوان غمنامهٔ ذوق طلب را
به کاشی لختی از کاشانه یاد آر — دریں جنت ازاں ویرانه یاد آر
دریغا در وطن وا ماندهٔ چند — بخون دیده زورق راندهٔ چند
هوس را پاے در دامن شکسته — به امید تو چشم از خویش بسته
بشهر از بیکسی صحرا نشیناں — بروے آتش دل جاگزیناں
مگر کاں قوم را دهر آفریده — ز سیماب بر آتش آرمیده
همه در خاک و خوں افگندهٔ تو — به حکم بیکسی ها بندهٔ تو
چو شمع از داغ دل آزر فشاناں — ببزم عرض دعویٰ بے زباناں
سر و سرمایه غارت کردهٔ تو — ز تو نالاں، ولے در پردهٔ تو
ازآنانت تغافل خوشنما نیست — به داغ شاں هواے گل روا نیست
ترا اے بیخبر کارے است در پیش — بیابانے و کهسارے است در پیش
چو سیلا بت شتاباں می تواں رفت — بیاباں در بیاباں می تواں رفت
ترا ز اندوه مجنوں بود باید — خراب کوه و هاموں بود باید
تن آسانی بتاراج بلا ده — چو بینی رنج، خود را رونما ده
هوس را سر به بالینِ فنا نه — نفس را از ذل آتش زیر پا نه
دل از تاب بلا بگداز و خوں کن — ز دانش کار نکشاید، جنوں کن
نفس تا خود فرو ننشیند از پاے — دمی از جاده پیمائی میاساے
شرار آسا فنا آماده برخیز — بیفشاں دامن و آزاده بر خیز

ز الا دم زن و تسلیم لا شو
بگو الله و برق ماسوا شو

۴

رنگ و بو

کلیات میں اس مثنوی کا عنوان ہے: چار میں
مثنوی موسوم بہ رنگ و بو۔

بود جواں دولتے از خسروان غازہ کشِ عارض ہندوستان
بادۂ سر مستیِ دل را خمے از نمِ تردستی خود قلزمے
مائدہ گستردہ بہ پہنائے آز عالمے از برگ نوالش بساز
آئنۂ صورت جود آمدہ جود خود از وے بوجود آمدہ
بستہ کمر بہرِ کشود ہمہ بودہ زیان خود و سود ہمہ
وا بہ گل و خار چو آغوش ابر پیش کفش غاشیہ بر دوش ابر
چرخ ز دستِ گہر افشانِ او لطمہ[1] خور موجۂ طوفانِ او
داشت پئے طرح کرم ریختن لعل و گہر برسرِ ہم ریختن
صبحدمی جلوہ بر اورنگ داشت افسرش از موج شفق رنگ داشت
دادہ بہر گوشہ صلائے کرم
ہر نفسش پردہ کشائے کرم

۱- لطمہ ؛ طپانچہ۔

بهره پژوهنده گرو ها گروه سر زده چوں لاله ز دامان کوه
در صف ارباب طلب نا گرفت نقش غمے بال زد و جا گرفت
تیره سر انجام حریفے چوآه کرد سیاهی ز در بارگاه
جو لقی[۱] زهر بلا خوردهٔ از رم طالع سر پا خوردهٔ
از تب و تاب دل خویش اخگرے زیر لحاف کف خاکسترے
بوده ز خاکستر اعضاے او کلفت نظاره سرا پاے او
هیچ گه از بخت نیاسودهٔ چهره به گرد سفر اندودهٔ
سر بسر آئینهٔ عرض شکست کهنه گلیمے و کدوے به دست
کهنه گلیمے که زهر پینهٔ[۲] پرده کشاے غم دیرینهٔ
شام بلا از رقمش گردهٔ سایه چغد از اثرش پردهٔ
از اثر تیرگیئش در نظر دود دلے بسته تتق سر بسر
خشک کدو کاسه نا شستهٔ از نم زهراب عنا[۳] رُستهٔ
آب ز مغز سر مجنوں درو بادهٔ گلفام شدے خوں درو
تا ز روش زهرهٔ بینش گداخت سامعه آتشکدهٔ راز ساخت
گرد بلا بر سر نظاره ریخت از نفس آهنگ به پیغاره[۴] ریخت
کاے شهِ آزاده گدا نیستم طالب ایثار و عطا نیستم
شانه کش طرهٔ سوداستم با تو فرو شندهٔ کالاستم

۱- جولقی (فتح ج دل) قلندر ، پشمینه پوش -

۲- پیوند -

۳- رنج و مشقت -

۴- طعنه ، سرزنش -

کز کرم آوازه درافگندهٔ ای شور صلایم بسر افگندهٔ ای

بو که متاعم به بہاے رسد
وقت مرا از تو صفاے رسد

شه پس ازاں کز نفسش راز جست داد زر و دلق و کدو باز جست
برد گلیم و ز زرش مایه داد مہر به بیعانگیِ سایه داد
رفت فروشنده و زر باز برد مشتری آں جنس به خازن سپرد
گفت که ایں نقد به گنجینه به جاے دل اندر صدف سینه به
خود نه گلیم و نه کدو برده ایم ما دل غمدیدهٔ او برده ایم
گر چه بدیں مایه چه بالیم ما لیک چو در پرده سگالیم ما

در نظر مردمِ دانا دل است
نیک نگہدار همانا دل است

چوں روشِ نیّر گیتی فروز پرده فرو هشته به رخسارِ روز
خرقه به تن کرده ز کحلی پرند چرخ به در یوزه بر آمد نژند
در خم و پیچ روش جستجو شام گلیم آمد و ماهش کدو
شه بشبستان حرم جاے کرد اطلس افلاک ته پاے کرد
خلوت ازو مژدهٔ آرام یافت بستر خواب از تنش اندام یافت
قند به طوفان مئے ناب رفت چشم جہاں بیں به شکر خواب رفت
تا نگہش پردگیِ کار شد نقشے ازاں پرده نمودار شد
دید ز تمثال سراپاے حور ریخت گلِ جلوه به جیب شعور

رایتے از نور بر افراشته پردۂ رنگے به گل اپناشته
پیکرے از لطف فراهم شده صافی آینه مجسم شده
جلوۂ گل مشعله دارِ رهش فرِّهما گرد و غبار رهش
در نظر از شوخی اعضاے او بوده چمن خیز سراپاے او
گل به گریبان جهاندار ریخت زمزمۂ رخصتے از تار ریخت
شاه فرو ماند و پژوهید راز کاے زمنت مژده به فرمای باز
کیستی و ایں همه تصدیع۱ چیست؟ آئنۂ پردازی تو دیع۲ چیست ؟
گفت که من دولت و مال تو ام آئنۂ جاه و جلال تو ام
شمع طرب محرم نور از من ست روشنی بزم سرور از من ست
بوده ام آئینه تمثال تو صورت معقولۂ اقبال تو
بوی گلیمی به دماغم زدی سیلی صر صر به چراغم زدی
هیں که مرا از تو دریں دیو لاخ۳ حوصله تنگ است و بیاباں فراخ

رفتم و وارستم از آزار تو
باد خداے تو نگهدار تو

همت شه عجز تقاضا نه کرد هیچ ازاں عربده پروا نه کرد
برگ رضا دادش و خوشنود کرد دم ز شگرفی زد و پدرود کرد
برق دگر بر اثرش ریخت باز جلوۂ دیگر ز در آمد فراز

۱- لفظی معنی درد سر دینا ۔ مجازاً مراد ہے زحمت و تکلیف میں ڈالنا ۔
۲- وداع کرنا ، رخصت ہونا ۔
۳- دیووں کے بسنے کا مقام ۔

هیکلے از کوہ تنومند تر بودہ ازو جبہۂ الوند تر
پیل تنے کز پئے عرض شکوہ رُستہ رگِ گردنش از مغز کوہ
چینِ جبینش ز غضب تیغ زن تیزیِ تیغش شَغَبِ بخت تن
رندِ قوی پنجۂ خصم افگنے جم سر و برگی و تہمتن تنی
گفت منم قوت و نیروے تو طاقت سر پنجۂ و بازوے تو
حلقہ بگوشِ تو ام ار سر کشم آب تو ام گربہ نہاد آتشم
پشتِ من از مژدۂ دولت قوی است دلق و کدو مایۂ بی دولتی است
با تو دگر نام و نشانم مباد جاں بہ تنِ نَکبتیانم مباد
بال فشاں گشت و ز دنبال رفت بر اثرِ پیکر اقبال رفت
بسکہ دراں فتنہ محابا[۱] نہ رفت
تاب و تواں رفت و دل از جا نہ رفت
نورے ازاں پردہ بروں تافت باز دیدۂ شہ روشنی یافت باز
بوے گلے با نفس آمیختہ صورتے از مایۂ جاں ریختہ
دامنِ بر چیدہ بہ دست اندرش ہر مژہ برہم زدنی شہپرش
چہرہ بہ خوناب جگر شستۂ چوں نفس از پردۂ دل رستۂ

---

۱ - فروگذاشت ، فارسی والے بہ معنی خوف و ہراس بھی استعمال کرتے ہیں ۔ میرزا غالب نے مندرجہ ذیل شعر میں محابا اسی معنی میں استعمال کیا ہے :

محابا کیا ہے ؟ میں ضامن ، ادھر دیکھ
شہیدان نگہ کا خوں بہا کیا ؟

راد حریفے که چو ساغر زند خونِ دو عالم به قدح در زند
رفتگی از غاشیه دارانِ او بیخودی از باج گزارانِ او
جلوه گرے آفت نظارۂ برق ز تمثال وے انگارۂ
رنگ گل آئینۂ دیدارِ او موجِ پری جوهرِ رفتار او
جلوۂ جنت ز غبارش رسے چشمۂ کوثر ز محیطش نمے
نشه ز صهبا و رسیدن ازو خون ز جگرها و دویدن ازو
ولوله در جان و دل شاه ریخت طرح قیامت به نظر گاه ریخت
گفت من آئینۂ ناز تو ام همت آفاق گداز تو ام
آمده پیشم ز درت دوری آمده ام پیش تو دستوری
شاه سر از ملتمسش باز زد چنگ به دامان وے از ناز زد
گفت دریغا چه ستم می کنی رامِ که ای کایں همه رم می کنی
فارغ از اندیشۂ امید و بیم گنج فشاندن به بهاے گلیم
مایۂ تشویش نگه داشتن خاطر درویش نگه داشتن
دولت و اقبال بر انداختن آئنه در رهگزر انداختن
بر اثر بخت رواں باختن دست و دل و تاب و تواں باختن
آں همه پرواز به بال تو بود شوخی آهنگ کمال تو بود
منکه کنوں جز تو نه دارم دگر دامنت از کف نه گزارم دگر
ریشۂ مهر تو به جان من ست مغز تو اندر اُستخوان من ست
شمع و چراغ شب تارم توئی خاکم و سامان بهارم توئی
برق خرابی به سوادم مزن آتش حسرت به نهادم مزن

اے ز تو کار دو جہاں ساختن چوں تو نہ باشی، چہ تواں ساختن؟
ہمت از انجا کہ تقاضاے اوست کرسی نُہ پایہ تہ پاے اوست
خواری سائل نہ پسندد ہمے در بہ رخ عجز نہ بندد ہمے
جوش گل از حسن خدا داد زد بوسہ بہ دست شہ آزاد زد
ریخت گل غمزہ بہ جیب امید داد ز خرسندی خویشش نوید
گفت کہ از بند غم آزاد باش من بہ تو شادم، تو بہ من شاد باش
جان وفا زندہ بہ بوے تو باد جلوۂ من غازۂ روے تو باد
دولت و اقبال غلام تو باد تاب و تواں بادۂ جام تو باد
کایں ہمہ قائم بہ وجود من ست بل ہمہ موجود ز جود من ست
بال و پر نشہ ز صہبا ستے دستگہ قطرہ ز دریا ستے
نشہ بود دولت و صہبا منم قطرہ بود سطوت و دریا منم
صورت من معنی آزادی است پیشۂ من مردمی و رادی است
ہمچو من آزاد و سبک بار شو دہ ہمہ و ہیچ خریدار شو
در شو و بر روے وفا باز باش در رہ دل خانہ بر انداز باش
در دل از آزارِ دل اندیشہ کن گنج بر افشان و کرم پیشہ کن

یاوری از بخت و کرامت ز تست
دیر بماں ای کہ سلامت ز تست

غالب افسردہ دل و جاں بیا بے سروپا در صف رنداں بیا
بیخبراں را خبرے باز دہ زاں مئی دیریں قدرے باز دہ
آں اثر پردۂ سازت چہ شد؟ زمزمۂ خارہ گدازت چہ شد؟

آن ز جنون پرده کشائیت کو؟ ولولهٔ سلسله خائیت کو؟
آن نفس ناله کمندت کجاست؟ وان نگه جلوه پسندت کجاست؟
در هوس جاه فرو رفته‌ام حیف که در چاه فرو رفته‌ام
راه غلط کرده به افسون دیو سی سپری مرحلهٔ رنگ و ریو۱
تاپئے نیرنگ و فن افتاده ای از نظر خویشتن افتاده ای
بندهٔ زر بودن از اهریمنی ست مرد خدا! این چه خدا دشمنی است
آه ز دنیا طلبیهاے تو و این همه ابرام و تقاضاے تو
گرمیِ خونت که ازین پیش بود صرف بر انداختن خویش بود
آتش هنگامه به جان داشتی داغِ مغان شیوه بتان داشتی
بود به پیچ و خم سوداے کار کار تو چون زلف بتان تار و مار
بسکه همے تیره تر از شام بود روز تو داغ دل ایام بود
چشم پریشان نظرے داشتی جلوه به هر رهگذرے داشتی
بسکه بلا بر اثر انداختی دیده به صد جا سپر انداختی
زان همه اجزاے زمانی که رفت وان همه خونابه فشانی که رفت
هر چه کنون می رسدم در نظر شاهد و شعر ست و شراب و شکر
چرخ بسا روز بگشت این چنین آه ز عمرے که گذشت این چنین
حال بدین مایه تباهی که هست خاصه بدین روے سیاهی که هست
آن همه دیوانگی و جاهلی و این همه ناکامی و بیحاصلی
آن همه بدمستی و تن پروری و این همه شیادی۲ و افسونگری

---

۱ - مکر، حیله، فریب.
۲ - مکاری و فریب آرائی.

آں همه بیراهه روی هاے تو و ایں همه بے صرفه دویهاے تو
آں ز جنون برق به خرمن زدن و ایں به خم دام هوس تن زدن
آں همه خوں بوده و خاک است ایں آں مرضے بود و هلاک است ایں
آں چه روش؟ ویں چه بسیچ[1] ست هاے آں همه پوچ، ایں همه هیچ است هاے
نیمه شب از عمر تو در خواب رفت نیمه به پیمودن مهتاب رفت
هیں که دریں کار گه پیچ پیچ ماحصل سعی تو هیچ است هیچ
نقد تمنا به کف افتاده گیر خسروی دست بهم داده گیر
اے همه تن وسوسه سود تو کو؟ دهر سراب است، وجود تو کو؟
هر چه ازیں پرده هوید استے نقش و نگار پر عنقا ستے
هستی اشیا که غبار فناست پرده کشاے اثر سیمیاست
خلق که از وهم نمودیش هست وهم تو دانست که بودیش هست
پیروی وهم مکن زینهار سر ز گریبان حقیقت بر آر
خیز و چو منصور نواے بزن هستی خود را سرِ پاے بزن
خلق اگر روس و گر روم گیر هر چه به جزحق همه معدوم گیر
آں که دریں پرده سگالی بود از اثر همت عالی بود
ساقی همت که صلا می دهد باده ز خمخانه لا می دهد
کاتب توفیق که دم می زند بر رقم غیر قلم می زند
همت اگر بال کشائی کند صعوه[2] تواند که همائی کند

---

۱ ـ قصد، اراده ، تیاری، آمادگی ـ

۲ ـ ممولا ، ایک چھوٹا سا پرندہ ـ

نیّرِ توفیق اگر بر دمد لاله عجب نیست کز اخگر دمد
همت ما نیز شهود حق ست هر چه بسنجیم وجود حق ست
همت ما غیرت حق است و بس کثرت ما وحدت حق است و بس

از اثر سطوت حق در کلام
حرف ز لب می رسدم والسلام

۵

باد مخالف

اس مثنوی پر کلیات نظم فارسی میں عنوان ہے : ''پنجمیں مثنوی موسوم بہ باد مخالف'' - یہ کلکتہ میں لکھی گئی تھی اور میرزا نے ایک مشاعرے میں پڑھی تھی - میرزا خود عبدالرزاق شاکر کو لکھتے ہیں :

اللہ اللہ جو کلکتہ میں شور نشور اٹھا تھا - میرا شعر :

جزوے از عالمم و از ہمہ عالم بیشم
ہم چو موے کہ بتاں راز میاں برخیزد

خستہ ہا جراحت ہاے اعتراض ہوا ہے - منشاء اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے - اس کا ربط ہمہ کے ساتھ بہ حسب اجتہاد قتیل ممنوع ہے - قضا را اس زمانے میں شہزادہ کامران درانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا - کفایت خاں اس کا نام تھا - اس تک یہ قصہ پہنچا - اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے پڑھے، جن میں ہمہ عالم و ہمہ روز و ہمہ جا مرقوم تھا اور وہ اشعار قاطع برھان میں مندرج ہیں -

اس مثنوی سے میرزا کا پہلا مقصد یہ تھا کہ ہنگامہ مخالفت، جو بالکل بے بنیاد تھا ، ختم ہو جائے - دوسرے فارسی میں جن اصول استناد پر میرزا

خود کاربند تھے، وہ واضح ہو جائیں۔ تیسرے سب پر
آشکارا ہو جائے کہ میرزا مقدسے کی پیروی کے لیے
کلکتہ آئے تھے ، ان کا مقصد ہنگامہ آرائی نہ تھا ۔
آخر میں میرزا نے قتیل کی ستایش بھی کر دی ،
اگرچہ اس کا انداز اچھا نہ تھا ۔

اے تماشائیان بزم سخن وے مسیحادمان نادر فن
اے گرانمایگاں عالم حرف خوش نشینانِ ایں بساط شگرف
اے سخن پروران کلکتہ وے زبان آوران کلکتہ
ہر یکے صدرِ بزم بار گہے شمع خلوت سرائے کار گہے
ہر یکے پیش تاز قافلۂ ہر یکے کدخدائے مرحلۂ
اے بشغل وکالت آمادہ دادِ غمخواری جہاں دادہ
اے شگرفان عالم انصاف بہ سفارت رسیدہ از اطراف[۱]
اے سخن را طراز جاں دادہ صفحہ را ساز گلستاں دادہ[۲]

---

۱ - یہ شعر اور اس سے پہلا شعر پڑھ کر دل پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مخالفت کا ہنگامہ بپا کیا تھا، ان میں سے زیادہ تر لوگ وہ تھے ، جنھوں نے باہر سے آ کر کلکتہ میں وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا یا وہ بیرونی اور ملکی حکومتوں کی طرف سے بطور سفیر متعین تھے اور ان سفارتوں کے عملے بھی بیرونی لوگوں ہی پر مشتمل ہوں گے ۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا سرمایہ علم و نظر بہت معمولی ہوتا ہے اور انھوں نے مشاعروں کا سلسلہ علمی ذوق یا پرورش فن کے لیے نہیں بلکہ محض تفریح کے لیے شروع کیا ہوگا ۔

۲ - ''متفرقات غالب'' میں ''باد مخالف'' کا جو ابتدائی نسخہ چھپا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعروں کی ترتیب بھی نظر ثانی میں بدل دی گئی اور بعض اشعار بھی بدل گئے یا حذف کر دیے گئے ۔ چنانچہ یہ شعر اور اس کے بعد کے دو شعر ابتدا میں دوسرے شعر کے بعد تھے ۔ پھر

''ای سخن پروران کلکتہ''

والا شعر تھا اور اس کا دوسرا مصرع پہلے یوں تھا :

''وے بلند افسران کلکتہ''

عطر بر مغز گیتی افشانان پہلوانان پہلوی دانان
اے گرامی فنان ریختہ گو نغز دریا کشان عربدہ جو
اے رئیسان ایں سواد عظیم وے فراہم شدہ ز ھفت اقلیم
ہمچو من آرمیدۂ ایں شہر بہر کاری رسیدۂ ایں شہر
اسداللہ بخت بر گشتہ در خم و پیچ عجز سر گشتہ۱
گرچہ ناخواندہ میہمان شماست بے سخن ریزہ چین خوان شماست۲
بہ تظلم رسیدہ است اینجا بامید آرمیدہ است اینجا
آرمیدن دھید روزے چار خستۂ را بسایۂ دیوار
کار احباب ساختن رسم ست میہماں را نواختن رسم ست

آں رہ و رسم کار سازی کو؟
شیوۂ میہماں نوازی کو؟

کیستم، دل شکستہ غم زدۂ بیدلے، خستۂ، ستمزدۂ
برق بی طاقتی بہ جاں زدۂ آتش غم بہ خانماں زدۂ۳
از گداز نفس بہ تاب و تبے در بیابان یاس تشنہ لبی

---

۱ - یہ شعر پہلے یوں تھا:

اسداللہ خاں ہیچ مداں
جادہ پیمای وادی حرماں

۲ - یہ شعر ابتدائی ترتیب میں "آرمیدن دھید" والے شعر کے بعد تھا۔

۳ - ابتدا میں یہ شعر یوں تھا:

برق بی تابی بہ جاں زدۂ
مست آتش بہ خانماں زدۂ

خس طوفانی محیط بلا سر بسر گرد کاروان فنا [1]
دردمندے جگر گداختهٔ از غم دهر زهره باختهٔ
در آگاهیِ فنا زدهٔ همه بر خویش پشت پا زدهٔ
چه بلا ها کشیده ام آخر که بدیں[2] جا رسیده ام آخر
بسیه روز غربتم بینید تیره شبهای وحشتم بینید
اندهِ دوری وطن نگرید غم هجرانِ انجمن نگرید
نه همیں ناله و فغاں به لبم من و جاں آفریں که جاں به لبم
سویه چوں موے کرده است مرا غصه بد خوے کرده است مرا
ذوق شعر و سخن کجا ست مرا ؟ کے زبان سخن سر است مرا ؟
دارم آرے ز هرزه لائی خویش نوحه بر خویش و بینوائی خویش
گردش روزگار خویشتنم حیرت کاروبار خویشتنم
بامن ایں خشم و کیں، دریغ دریغ ! من چناں ، تاں چنیں دریغ دریغ !

بر غریباں کجا رواست ستم ؟
رحم اگر نیست، خود چراست ستم ؟

ور بگوئید ما جراے رفت از تو در گفتگو خطاے رفت
مهربانان ! خداے را انصاف تا نخست از که بود رسم خلاف ؟
نمک اندر سبوے مے که فگند[3] ؟ به چمن رستخیز دے که فگند ؟

---

۱ - یہاں بھی ترتیب میں تھوڑا سا تغیر ہے - (دیکھیے متفرقات غالب)
۲ - متفرقات میں ''بدیں جا'' کی جگہ ''دریں جا'' ہے -
۳ - ''نمک اندر سبو فگندن'' کا مطلب ہے هنگامہ و غوغا برپا کرنا -

زلف گفتار را که درهم کرد؟ بزم اشعار را که برهم کرد؟
"همه عالم" غلط[1] که گفت نخست؟ پارهٔ زیں نمط که گفت نخست؟
"بیش" را "بیشتر" که گفت به من؟ بد زمن پیشتر که گفت به من؟
موے را بر کمر که گفت غلط؟ شعر را سر بسر که گفت غلط؟
چوں بدیدید کاعتراض خطا ست هر چه غالب نوشته است بجاست
رشتهٔ باز پرس تاب که داد؟ معترض را ز من جواب که داد؟
چوں بدیدید بی گناهی من تاں نه شستید روسیاهی من؟
هر که دیدم ره خموشی رفت بود لازم بر آں گرفت، گرفت[2]
از چه بود آں به عرصه دم نه زدن در ره آ گهی قدم نه زدن
نکشودن لبی به یاوریم خیره بگزاشتن به داوریم
تا به شوریده دل ز بی جگری به فغاں آمدم زخیره سری

---

۱ - اشارہ میرزا کی غزل کے اس شعر کی طرف ہے :

جزوے از عالمم و از همه عالم بیشم
هم چو موے کر بتاں را ز میاں بدخیزد

گویا اس شعر پر تین اعتراض کیے گئے تھے - اول 'همه عالم'' غلط ہے ، دوم ''بیش'' کی جگہ ''بیشتر'' ہونا چاہیے - سوم کمر پر بال کا اگنا غلط ہے - میرزا پہلا ہی اعتراض سن کر پیکر حیرت بن گئے ہوں گے کہ جنہیں خواجہ حافظ کا یہ مشہور عالم شعر بھی معلوم نہیں ، وہ کیسے فارسی داں ہیں :

گر من آلوده دامنم چه عجب
همه عالم گواه عصمت اوست

باقی اعتراض بھی غلط ہیں -

۲ - یعنی مجھ پر جو خوردہ گیری بے وجہ کی گئی اس پر گرفت لازم تھی -

از غم دل ستوہ[۱] گردیدم چہرہ با یک گروہ گردیدم
گلہ‌سندانہ گفتگو کردم پارۂ در سخن غلو[۲] کردم
چوں شنیدم کہ نکتہ پردازاں قدر داناں و انجمن سازاں
از من آزردہ اند زاں پاسخ[۳] بہ نیایش بہ خاک سودم رخ
خجلت آوردم و جنوں کردم خویشتن آب و دیدہ خوں کردم
آب گردیدم و چکیدم من قطرہ آسا بسر دویدم من
نفسِ من بہ جمع در نگرفت کس نیازم بہ ہیچ بر نگرفت
روی دعوی بسویم آوردند سخن من برویم آوردند

داغ گشتم ازاں ملامت ہا
سوختم از تف ندامت ہا

نہ امیدم ز شاعریست، نہ بیم بود شایستہ مر مرا تسلیم
کاش با اعتراض ساختمے نالہ در زیر لب گداختمے[۴]
زانکہ آنہم رضاے یاراں بود رنگے از جوش ایں بہاراں بود
خار داماں دوستاں بودن خوشتر از باغ و بوستاں بودن[۵]

---

۱ - تنگ آنا ، ملول ہونا -

۲ - حد سے بڑھ جانا - مبالغے کی ایک قسم جو عادت و عقل دونوں کے اعتبار سے محال ہو -

۳ - جواب یعنی جو جواب میرزا نے اعتراضات کے سلسلے میں دیا -

۴ - اس شعر اور بعد کے شعر میں تقدم و تاخیر کیا - ''متفرقات'' میں دوسرا پہلا اور پہلا دوسرا شعر ہے -

۵ - متفرقات سے واضح ہوتا ہے کہ اس شعر کا مقام پہلے بہت بعد میں تھا -

دیگرم با هزار رنگ خروش
این نوا میخورد به پردهٔ گوش

که دگر بلبلے صفیر زده است
طعنه بر طعنهٔ فقیر زده است

واے با آنکه شعر من صاف است
''زده،، را می زلد چه انصاف است !

اعتراض آتشم به جاں زده است
شعله در مغزِ استخواں زده است

''زده،، را کسره از ظرافت نیست
یاے وحدت بود ، اضافت نیست

واضع طرز ایں زمیں نه منم
در خور سرزنش ، همیں نه منم

دیگراں نیز گفته اند چنیں
گوهر راز سفته اند چنیں

شورش آماده رفته اند همه
هم بریں جاده رفته اند همه

در نورد گزارش زده ها
کرده اند از نشاط عربده ها

اکثر از عالم شتاب زده
''مے زده،، ''غم زده،، ''شراب زده،،

''مےزده،، ''غمزده،،که ترکیب ست
بقیاس فقیر تقلیب ست

چوں برآید ز انگبیں مومش
''زدهٔ غم" دمد ز مفهومش

لیک در بعض جا ، نه در همه اش
لفظ ''مارےهوے"[۱] ست ترجمه‌اش[۲]

---

۱ - اردو میں اسی طرح لکھنا چاهیے ورنه ''ماری هوئی'' پڑھا جائے گا جو ''مارے هوے'' سے مختلف ہے -

۲ - ابتدا میں اس کے بعد دو شعر تھے جو نظر ثانی میں حذف کر دیے گئے :

حاصل معنی اے ذوالافهام
می تراود ازیں سیاق کلام
ایک مدت سے یاں هم آئے هوے
بیٹھے هیں آپ کو مٹاے هوے

(متفرقات غالب ص - ۱۲۷)

ویں خود از شان فاعل است که هست
حق بود حق نه باطل است که هست۱

همچناں آں محیط بے ساحل قلزم فیض میرزا بیدل
از صحبت حکایتے دارد که بدینساں بدایتے۲ دارد
"عاشقے بیدلے جنون زدۂ قدح آرزو بخوں زدۂ"
اولش خود مضاف مقلوب۳ ست دو یمیں تا کدام اسلوب ست
کردہ ام عرض همچناں "زدۂ" طعنۂ بر بحر بیکراں زدۂ۴

---

۱ - یہ شعر بظاہر نیا ہے -

۲ - ابتدا ، آغاز -

۳ - ابتدا میں شعر یوں تھا :

روش خود بوضع تقلیب است
دو یمیں تا کدام ترکیب است

۴ - "زدہ" کی ردیف میں میرزا کی دو غزلیں ہیں - پہلی کا مطلع ہے :

مے رود خندہ بہ سامان بہاراں زدۂ
خون گل ریختہ و مے بہ گلستان زدۂ

دوسری کا مطلع ہے :

کیستم دست بہ مشاطگی جاں زدۂ
گوهر آمائی نفس از دل دنداں زدۂ

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غزلیں ایک وقت میں کہی گئیں اور ایک مشاعرے میں پڑھی گئیں یا الگ الگ اوقات میں کہی گئیں - تاہم اس مصرع سے خیال ہوتا ہے کہ اشارہ غالباً پہلی غزل کے اس شعر کی طرف ہے :

طعنہ بر بے سروسامانی طوفاں زدۂ

مگر ایں شعر زاں نمط نبود۱ ور بود ، شعر من غلط نبود

گر چه بیدل ز اهل ایراں نیست لیک هم چوں قتیل ناداں نیست۲

صاحب جاه و دستگاہے بود سر ورا زیں نمد کلاہے بود

نه غلط گفته است، ور خود گفت راست گویم در آشکار و نهفت

دعوی بنده بی سر و بن نیست شعر بیدل بجز تفنن نیست

پارهٔ از کلام اهل زبان می فرستم به خدمت یاراں

تابدیں پرده آشنا باشند
با منِ زار هم نوا باشند

وه که دیگر ز جاده بر گشتم خیره بودم، سفیه تر گشتم

وعدهٔ خامشی ز یادم رفت شیوهٔ عجز از نهادم رفت

ساده لوحم مرا چه رنگ و چه ریو؟ آوخ آوخ ز جاهلانه غریو !

من که و عزم داوری کردن ؟ ساز بزم سخنوری کردن

خاک پای سخنورانستم دوستانرا ز کهترانستم

با بزرگاں نیاز ها دارم هم بدیں شیوه ناز ها دارم

بنده ام بنده مهرباناں را رمز فهماں و نکته داناں را۳

---

۱ - ''متفرقات'' میں یہ مصرع یوں ہے :

مگر آں شعر زیں غلط نبود

۲ - یہاں سے پانچ شعر نئے ھیں -

۳ - ''متفرقات'' کے مطابق اس کے بعد یہ تین شعر تھے :

لغو بود آنچه گفته ام زیں پیش ایں زمانم خجل ز گفتهٔ خویش
عجز اهل نیاز به پذیرید خرده بر لغو من چه می گیرید ؟
نقش بند بنائے ایں نه خم لغو را گفته ''لا یو اخذ کم''
(ص ۱۲۹ - ۱۳۰)

نه ز آویزشِ بیان ترسم — من و ایمانِ من، کزاں ترسم
که پس از من به سالهاے دراز — به زباں ماند ایں حکایت باز
که سفیہے رسیده بود ایں جا — چند روز آرمیده بود ایں جا
با بزرگاں ستیزه پیش گرفت — زحمتی داد و راه خویش گرفت
شوخ چشمے و زشت خوے بود — بیحیاے و هرزه گوے بود
هم سفیہانه گفتگوے داشت — هم خراباتیانه هوے داشت
برگِ دنیا نه سازِ دینش بود — ننگِ دهلی و سرزمینش بود
آه ازاں دم که بعد رفتن من — خونِ دهلی بود به گردن من[۱]
تا بوم رنجِ دوستاں باشم — بر دلِ انجمن گراں باشم
شاد گردند کز میاں بروم — آوخ از من که من چناں بروم
خستهٔ و مستمند بر گردم — دژم آیم، نژند بر گردم
به وداعم کس از شما نرسد — شوق را مژدهٔ وفا نرسد[۲]
زیں سپس نیست دعوی سخنم — ندمد دود شمع ز انجمنم
ناله بی صرفه چوں جرس نه زنم — بی صدا گردم و نفس نه زنم
نشکنم بر رخ بیاں رنگے — بر نخیزد ز سازم آهنگے

---

۱ - اس کے بعد یہ شعر تھا :

هم بہ رنجید و هم بہ رنجانید
از من خستہ رخ بہ گردانید

(متفرقات ص ۱۳۱)

۲ - یہ شعر ابتدا میں "هم بہ رنجید . . ." کے بعد تھا -

(متفرقات ص ۱۳۱)

تاب هنگامه ام خدا را نیست
مهربانان! دل است، خارا نیست[1]

وینکه در پیشگاه بزم سخن
به زبانها فتاده است ز من

که فلاں با قتیل نیکو نیست
مگس خوان نعمت او نیست

زلّه بردار کس چرا باشم؟
من همایم، مگس چرا باشم[2]؟

خود کسی نا سزا چرا گوید؟
نا سزا آنکه نا سزا گوید

فیضے از صحبت قتیلم نیست
رشک بر شهرت قتیلم نیست

نه هوا خواهیے، نه دشمنیے
درمیان است پائی هم فنیے

حاش لله که بد نمے گویم
وا نهم از پیش خود نمے گویم[3]

مگر آناں که پارسی دانند
هم بریں عهدو رای و پیمانند[4]

که ز اهل زباں نبود قتیل
هر گز از اصفهاں نبود قتیل

لا جرم اعتماد را نه سزد
گفته اش استناد را نه سزد

کیں زبان خاص اهل ایران است
مشکل ما و سهل ایران است

سخن است آشکار و پنهاں نیست
دهلی و لکهنؤ ز ایراں نیست

---

۱ - یہ شعر نیا ہے -

۲ - یہ شعر نیا ہے -

۳ - پہلے اس کے بعد یہ شعر تھا جو پہلے آ چکا ہے :

خود کسے نا سزا چرا گوید
نا سزا آں کہ ناسزا گوید

۴ - ابتدا میں یہ مصرع یوں تھا :

هم بریں عهد و قول و پیمانند

دوستاں را اگر زمن گلہ است   کہ خرامت خلاف قافلہ است
سے رویم از پئے قتیل ہمہ   ساختہ سر ورا دلیل ہمہ
تو ازیں حلقۂ چوں بدر زدہ ای ؟   گام بر جادۂ دگر زدہ ای
اے تماشائیان ژرف نگاہ   ھاں بگوئید حسبۃً للہ
کہ چساں از حزیں بہ پیچم سر ؟   آں بہ جادو دمی بہ دھر سمر
دل دھد کز اسیر بر گردم ؟   زاں نو آئین صفیر بر گردم؟
دامن از کف کنم چگونہ رھا ؟   طالب[1] و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنی را   آں ظہوری جہان معنی را
آں کہ از سرفرازی قلمش   آسماں ساست[2] پرچم علمش
طرز اندیشہ آفریدۂ او ست   در تن لفظ جاں دمیدۂ او ست
پشت معنی قوی ز پہلویش   خامہ را فربہی ز بازویش[3]
طرز تحریر را نوی از وے   صفحہ ار تنگ مانوی از وے
فتنۂ گفتگوے اینانم   مست لاے سبوے اینانم

---

۱ - ابتدا میں طالب کی جگہ صائب تھا (متفرقات ص ۱۳۵) اس کے بعد ایک اور شعر میں طالب کا ذکر آیا تھا :

سحر سازان پاستانی را   طالب و سعدی و فغانی را
(ص ۱۳۶)

یہ شعر نظر ثانی میں حذف کر دیا گیا ۔

۲ - ''متفرقات'' میں یہ مصرع یوں ہے :

آسماں ساخت پرچم علمش   (ص ۱۳۶)

یہ بظاہر طباعت کی غلطی ہے ۔

۳ - یہ شعر اور اس کے بعد کے شعر نئے ھیں ۔

آنکه طے کردہ ایں مواقف[۱] را
چہ شناسد قتیل و واقف را[۲]

لیک با آں[۳] همه که ایں دارم گنج معنی در آستیں دارم
دل و جانم فدائے احباب است شوق و قف رضائے احباب است
می شوم خویش را به صلح دلیل می سرایم نوائے مدح قتیل
تا نه ماند ز من دگر گلهٔ رسد از پیروان وے صلهٔ
گفتن[۴] آئین هوشیاری نیست لیک دانستن اختیاری نیست

---

۱ - مواقف ، موقف کی جمع ، یعنی ٹھہرنے اور قیام کرنے کے مقامات ، منزلیں -

۲ - یہ شعر نیا ہے -

۳ - ''متفرقات'' میں ہے ''باایں'' (ص ۱۳۶)

۴ - یہاں سے چار شعر نئے هیں - پھر قتیل کی مدح میں جو کچھ کہا گیا تھا اور اسے حذف کر دیا گیا - وہ ذیل میں درج ہے -

نخل بند حدیقهٔ معنی بادشاہ سلیقهٔ معنی
بہ تنومندی خیال دقیق مو شگاف غوامض تحقیق
پشت معنی قومی ز پهلویش خامہ وافر بہی ز بازویش
چہ نزاکت کہ درنکات وے است رگ گل لیقہ دوات وے است
لفظش آئینہ ادائے خیال معنیش شاهد پری تمثال
قلمش نونهال گلشن راز رقمش سبزۂ حدیقہ راز
نثرش آئینه صفائے وحید نظمش آهنگ بربط ناهید
بر بساط سخنوری نامی در سخن هم پیاله جامی
چوں مئے گفتگو بہ کاس کند زهر در جام بونواس کند
بہ کلامش نیاز حسّاں را همزبانیش فخر سحباں را
بر درش انوری و خاقانی آں بہ دریوزہ ، ایں بہ دربانی
بہ وجود چنیں شگرف بیاں رشک دارد عجم بہ هندوستاں

ظاهر ہے کہ یہ ستایش هجو کے برابر تھی - میرزا نے یہ شعر حذف کر دیے اور ان چند شعروں پر قناعت کی جو اگرچہ مدح میں هیں لیکن حقیقتہً انهیں قدح هی سمجھنا چاهیے - مثلاً کسی کی نثر کا انتخاب صراح و قاموس هونا کون سی خوبی ہے ؟

گرچه ایرانیش نخواهم گفت سعدی ثانیش نخواهم گفت
لیک از من هزار بار به است از من و همچو من هزار به است
من کف خاک و او سپہر بلند خاک راکے رسد به چرخ کمند
وصف او حد چوں منے نبود سہر در خورد روزنے نبود
مرحبا ساز خوش بیانی او حبذا شور نکته دانی او
نظمش آب حیات را ماند در روانی فرات را ماند
نثر او نقش بال طاؤس ست انتخاب صراح و قاموس ست
پادشاہے که در قلمرو حرف کرده ایجاد نکته هاے شگرف

خامه هندوی پارسی دانش
هندیاں سر بخط فرمانش

ایں رقمہا که ریخت کلک خیال بود سطرے ز نامۂ اعمال
از من نا رساے هیچمداں معذرت نامه ایست زی یاراں
بو که آید ز عذر خواهی ما رحم بر ما و بے گناهی ما

آشتی نامۂ وداد پیام
ختم شد والسلام والاکرام

★★★★

٦

شان نبوت و ولایت

کلیات میں اس کا عنوان ہے: ''بیان نموداریِ شان نبوت و ولایت کہ در حقیقت پر تو نورالانوار حضرت الوهیت است: مثنوی ششم''

یہی وہ مثنوی ہے جس کا ذکر کرتے ہوے ذکا کو لکھا ہے:

> رد فرقہ ''وہابیہ'' میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی، وہ مجی الدولہ کو بھیجی، رسید بھی نہ آئی۔

یہی وہ مثنوی ہے، جو خواجہ حالی مرحوم کے بیان کے مطابق مولانا فضل حق خیر آبادی نے بہ اصرار لکھوائی تھی اور اس میں امتناع نظر خاتم النبیین کا مسئلہ زیادہ شرح و بسط سے بیان کرنے کی تاکید کی تھی۔ اس مسئلے میں مولانا شاہ اسماعیل شہید کی رائے یہ تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، یعنی مثل و نظیر اس لیے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی ہے، نہ اس لیے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ مولانا فضل حق کی رائے یہ تھی کہ حضور صلعم کا مثل ممتنع بالذات ہے۔ میرزا نے مثنوی لکھی تو

سلامت طبع کی بنا پر یوں لکھ گئے کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔ تاہم ایک عالم میں صرف ایک خاتم ہوگا۔ خدا دوسرا عالم پیدا کر کے اس کے لیے دوسرا خاتم پیدا کر دے گا۔ پھر مولانا کے اصرار پر چند شعر اس کے خلاف بڑھا دیے۔ اس مثنوی میں میرزا نے بعض مبتدعانہ عقائد و اعمال کی بھی حمایت کی ہے، اسی لیے اسے عقائد وہابیہ کا رد کہا گیا۔

باقی رہا اصل مسئلہ تو اس پر گفتگو کا یہ محل نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مثنوی میں کوئی دلیل ایسی نہیں جسے نئی یا شرعی کہا جا سکے۔ عام باتیں ہیں جو بارہا کہی گئیں البتہ انھیں پیش کرنے کا ڈھنگ نیا ہے اور عوام کے لیے خاصا جاذب معلوم ہوتا ہے۔

بعد حمد ایزد و نعت رسولؐ — می نگارم نکتۂ چند از اصول

تا سوادش بخشد اندر رسم و راہ — دیدہ ور را سرمہ، اعمی را نگاہ

حق بود حق کامد از نورش پدید — آسمانہا و زمیں ہا را کلید

نورِ محض و اصلِ ہستی ذات اوست — ہر چہ جز حق بینی از آیات اوست

تا بہ خلوت گاہِ غیب الغیب بود — حسن را اندیشہ سر در جیب بود

صورت فکر ایں کہ بارے چوں کند؟ — تا ز جیب غیب سر بیروں کند

جلوہ کرد از خویش ہم بر خویشتن — داد خلوت را فروغ انجمن

جلوۂ اول کہ حق بر خویش کرد — مشعل از نور محمدؐ پیش کرد

شد عیاں زاں نور در بزم ظہور — ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دور

همچو آں ذرّات کاندر تاب مہر ‌ ‌ ‌ از نقاب غیب بنمایند چہر
مہر بر ذرّات پرتو افگن است ‌ ‌ ‌ عالم از تاب یک اختر روشن است
نور حق ست احمد و لمعان[۱] نور ‌ ‌ ‌ از نبی در اولیا دارد ظہور
هر ولی پرتو پذیر است از نبی ص ‌ ‌ ‌ چوں مہ از خور مستیز است از نبی ص
جلوهٔ حسن ازل مستور نیست ‌ ‌ ‌ لیک اعمی را نصیب از نور نیست
از نبی و از ولی خواهی مدد ‌ ‌ ‌ تا نه پنداری که ناجائز بود
بر نیاید کار بی فرمان شاه ‌ ‌ ‌ لیک آئینها ست با خاصان شاه
هر که او را نور حق نیرو فزاست ‌ ‌ ‌ هرچه از وے خواستی‌هم از خداست
بر لب دریا گر آبے خورده ای ‌ ‌ ‌ آب از موجے به جام آورده ای
آب از موج آید اندر جام تو ‌ ‌ ‌ لیکن از دریا بود آشام تو
وقت حاجت هر که گوید یا علی[۴] ‌ ‌ ‌ با حقش کار است و پوزش با علی[۴]
یا محمد ص جاں فزاید گفتنش ‌ ‌ ‌ یا علی[۴] مشکل کشاید گفتنش

چوں اعانت خواهی از یزدان پاک
یا معین‌الدین اگر گوئی چه باک؟

ابلہاں را زانکه دانش نارسا ست ‌ ‌ ‌ گفتگو ها بر سر حرف ندا ست
مولوی معنوی عبدالعزیز رح [۲] ‌ ‌ ‌ واں رفیع‌الدین رح [۳] دانشمند نیز

---

۱ - درخشندگی -
۲ - شاہ ولی‌اللہ محدث دهلوی کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دهلوی (۱۱۵۹/۱۷۴۶ - ۷- شوال ۱۲۳۹/۵- جون ۱۸۲۴) -
۳ - شاہ رفیع الدین محدث ، شاہ ولی کے دوسرے صاحبزادے اور شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی ، ترجمان قرآن حکیم اور مصنف کتب متعدده (۱۱۶۳/۱۷۴۹ - ۱۲۳۳/۱۸۱۷)

شاه عبدالقادرؒ [1] دانش سگال کاین دو تن را بود در گوهر همال
بردن نام نبیؐ و اولیاء خود روا گفتند با حرف ندا
وان دگر فرزانهٔ قدسی سرشت رهنمای مسلک پیران چشت
آنکه شیخ وقت و خضر راه بود نام والایش کلیم‌اللهؒ [2] بود
گفت استمداد از پیران روا ست هر چه پیر راه گوید، آں روا ست
کے غلط گوید چنیں روشن ضمیر خرده بر قول کلیم‌الله مگیر
همچنیں شیخ المشائخ فخر دینؒ [3] آفتاب عالم علم و یقین
هم بریں هنجار و آئیں بوده است شیخ ماحق‌گوی و حق‌بیں بوده است
تا نه پنداری ز پیراں خواستیم حاجت خود را ز یزداں خواستیم
لیک در پوزش بدرگاه رفیع ماهمی آریم پیراں را شفیع
ایں چنیں پوزش روا نبود چرا ؟ بحث با عارف خطا نبود چرا ؟
ور سخن در مولد پیغمبرؐ ست بزمگاه دلکش و جاں پرور ست
خود حدیث از سرورؐ دیں میرود میرود وانگه به آئیں میرود

---

۱ - شاہ ولی‌اللہ محدث دہلوی کے تیسرے صاحبزادے، اردو میں ترجمہ قران کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں (۱۱۶۷/۱۷۵۳ - ۱۲۳۰/۱۸۱۴)

۲ - شیخ کلیم‌اللہ بن شیخ نوراللہ خاندان چشتیہ کے مشہور ولی‌اللہ (۲۴- جمادی‌الاخر ۱۰۶۰/۱۴ جون ۱۶۵۰ - ۲۴- ربیع‌الاول ۱۱۴۲/۱۶ ستمبر ۱۷۲۹) ان کا مزار لال قلعہ دہلی کے سامنے اس میدان میں ہے جو مسجد اور قلعہ کے درمیان ہے۔

۳ - مولانا فخرالدین فخر عالم (۱۱۲۶/۱۷۱۴ - ۱۱۹۹/۱۷۸۵) خاندان چشتیہ کے مشہور ولی‌اللہ اور عالم۔

سعی ما مشکور و نقد ما روا — چیست آں کاں را شماری ناروا ؟
نکہت "موی مبارک"[۱] جانفزاست — بارگ جانش همی پیوندها ست
برتن نیکو تر از جان رسته است — لا جرم از آب حیواں رسته است
دل نشین ما بود زاں روی "موی" — وہ که گرداند کسی زاں "موی" روی
هر کرا دل هست و ایماں نیز هم — چوں نه ورزد عشق با "نقش قدم"[۲]
در ره دیں تا قدم بنهاده اند — عشقبازاں را نشانها داده اند
برد از خویشم دو صد فرسنگ رشک — می برم زیں نقش پا بر سنگ رشک
نقش پای کایں چنیں افتاده است — اهل دل را دل نشیں افتاده است
کے نشیند در دل آں بد گهر — کش دلی از سنگ باشد سخت تر
بوی پیراهن ز مصر آرد صبا — دیدهٔ یعقوب‌ؑ زو یابد جلا

بر ردا و پیرهن کز مصطفی‌ﷺ ست
جاں نیفشاندن ز است کے رواست ؟

در عرب بودست منعم زادهٔ — قیس نامی دل به لیلی دادهٔ
بر سگی کز کوچهٔ لیلا ستی — قیس از خویشتش فزونتر خواستی
می توانی گفت، هاں اے تن پرست؟ — پیر کنعاں بود پیراهن پرست ؟
یا تواں گفتن که خود چوں بوده است — سگ پرستی کیش مجنوں بوده است؟
حاش لله کایں چنیں باشد نورد — رفت از حد سوء ظن کافر نه کرد

---

۱ - یعنی رسول اکرم صلعم کا موی مبارک -

۲ - رسول اکرم صلعم کے پاے مبارک کا نقش اور پاک و هند میں کئی مقامات پر ایسے نقش موجود هیں -

عشق گر با پیرهن ور با رداست   نیست بهر جامه از بهر خداست
حق فرستاد ست بهر ما رسول   کرده ایم از بهر حق دینش قبول
گر به سوی خواجه رو آریم ما   دوست از بهر حقش داریم ما

چون نه گردد طالب دیدار دوست
شاد از نظّارهٔ آثار دوست

اے که بردی بهره از خوان نبی   برده ای از یاد احسان نبی؟
آمد و آورد پیغام از خدا   لوحش الله، مرحبا، نام خدا
جادهٔ راہے نمایاں کرد و رفت   راه رفتن بر تو آساں کرد و رفت
چوں تو کے از ناسپاسانیم ما   پیرو ایزد شناسیم ما
حق پرستاں جمله ایں ره رفته اند   زاں که بادلهای آگه رفته اند
اصل ایمان است طرز خاص ما   خالصاً لله بود اخلاص ما
عرس و ایں شمع و چراغ افروختن   عود در مجمر بر آتش سوختن
جمع گشتن در یکے ایواں همے   پنج آیت خواندن از قرآں همے
ناں به ناں خواهندگاں دادن دگر   مرده را رحمت فرستادن دگر
گر پئے ترویح روح اولیاست   در حقیقت آنهم از بهر خداست
اولیا را گر گرامی داشتیم   نز پئے رومی و شامی داشتیم
از برائے آں که ایں آزادگاں   از ره حق جاں به جاناں دادگاں
از شهود حق طرازے داشتند   با خدائے خویش رازے داشتند
نور چشم آفرینش بوده اند   شمع روشن ساز بینش بوده اند
حق پرستاں را به باطل کار نیست   محو لیلیٰ را به محمل کار نیست

گر نه از لیلا بود دیدار جوی — کی به محمل آورد دیوانه روی

گر چه بالیلا ست حرف از جان زدن — لیک بر محمل لگد نتوان زدن

آن ولی در یاد حق مستغرق است — عین حق گر نیست خود محو حق است

حق بود پیدا نهان دیگر چه ماند؟ — چون ولی رفت از میان، دیگر چه ماند؟

خیز تا حد ادب داری نگاه — بے ادب را بر دم تیغ است راه

با ولی آویختی دیوانه ای؟ — پا بر آتش ریختی، پروانه ای؟

نیستی عارف که گویم خود مباش — بد مبین و بد مگوی و بد مباش

بد شمردی رهروان پیش را[۱] — رهرو چالاک گفتی خویش را

گر سفر این ست منزلگه کجاست؟ — لا اله گفتی، الا الله کجا ست؟

هست رسم خاص در هر مرزبوم — خود چه می خواهی ز نفی این رسوم

نفی رسم کفر ما هم می کنیم — داد با دانش فراهم می کنیم

نفی کفر آئین ارباب صفا ست — نفی فیض، اے تیره دل رسم کجاست؟

نفی رسم و ره هوا را می کشد — نفی فیض است اینکه مارا می کشد

اے گرفتار خم و پیچ خیال — نفی بے اثبات نبود جز ضلال

ور تو گوئی می کنم اثبات حق — از چه روئی منکر آیات حق

دانم از انکار، انکار آوری — پیچشے در زلف گفتار آوری

منکر اثبات گوئی نیستم — من حریف این دو روئی نیستم

اولیا خاصان شاهی نیستند؟ — یعنی آیات الٰهی نیستند؟

۱- حقیقةً تمام رہرووں کو یا کسی ایک کو بھی برا کہنے کا معاملہ نہیں۔ معاملہ ایسے رسوم و مقررات کا ہے جن کے لیے کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔

معجزات انبیا آیات کیست ؟ وین صفتهارا ظهور از ذات کیست ؟
این و آں را هرزه انگاری همے تا چه از حق در نظر داری همے ؟
چوں ترا انکار تا این غایت است آنچه پز رفتی کدامی آیت است؟
من نه بد گفتم، وگر گفتم مرنج تو کرا بد گفته ای در دل بسنج
خواجۀ دنیا و دیں را منکری ؟ زمرۀ اهل یقیں را منکری ؟
بادلِ رنجیدۀ از کینه پاک منکرے راگر بوم منکر چه پاک ؟

درد دل در نظم گفتن نیست بحث
منکه رندم، شیوه من نیست بحث

من سبکروحم گراں جاں نیستم صد نشاں پیداست، پنهاں نیستم
وین که می گوئی توانا کردگار چوں محمد دیگرے آرد بکار
با خداوند دوگیتی آفریں ممتنع نبود ظهورے این چنیں
نغز گفتی ، نغز تر باید شنفت آنکه پنداری که هست اندر نهفت
گرچه فخر دودۀ آدم بود هم بقدر خاتمیت کم بود
صورت آرایش عالم نگر یک مه و یک مهر و یک خاتم نگر
این که می گویم جوابے بیش نیست مهرومه زاں جلوه تابے بیش نیست
آنکه مهر و ماه و اختر آفرید می تواند مهر دیگر آفرید
حق دو مهر از سوے خاور آورد کور باد آں، کو نه باور آورد
قدرت حق بیش ازیں هم بوده است هرچه اندیشی کم از کم بوده است
لیک در یک عالم ازروے یقیں خود نمی گنجد دو ختم المرسلین
یک جهاں تاهست یک خاتم بس است قدرت حق رانه یک عالم بس است

خواهد از هر ذره آرد عالمے ہم بود هر عالمی را خاتمے
هر کجا هنگامه عالم بود رحمته للعالمینے هم بود [1]

---

۱ - اس شعر پر علامہ اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں گفتگو فرمائی ہے - فلک مشتری پر غالب ، حلاج اور طاهره کی ارواح سے ملاقات هوئی تو ''زندہ رود'' یعنی اقبال نے غالب کی روح سے سوال کیا :

زندہ رود : صد جهاں پیدا دریں نیلی فضاست
هر جهاں را اولیا و انبیا ست

غالب : نیک بنگر اندریں بود و نبود پی بہ پی‌آید جهانها در وجود
هر کجا هنگامۂ عالم بود رحمتہ للعالمینے هم بود

زندہ رود : فاش تر گو زانکہ فهمم نا رساست

غالب : ایں سخن را فاش‌تر گفتن خطاست

زندہ رود : گفتگوے اهل دل بی حاصل است؟

غالب : نکتہ را بر لب رسیدن مشکل است

زندہ رود : تو سراپا آتش از سوز طلب
بر سخن غالب نیائی ، اے عجب!

غالب : خلق و تقدیر و هدایت ابتدا ست
رحمة للعالمینی انتهاست

زندہ رود : من نہ دیدم چهره معنی هنوز
آتشے داری اگر ما را بسوز!

غالب : ای چو من بنیندۂ اسرار شعر
ایں سخن افزوں تر است از تار شعر
شاعراں بزم سخن آراستند
ایں کلیماں بی ید بیضا ستند
آنچہ تو از من بخواهی کافری است
کافری کو ماوراے شاعری است

(دیکھیے اگلا صفحہ)

کثرت ابداع عالم خوبتر ؟ یا به یک عالم دو خاتم خوبتر
در یکے عالم دو تا خاتم مجوی
صد هزاران عالم و خاتم بگوی

غالب ایں اندیشه نپزیرم همے خرده هم بر خویش می گیرم همے
اے که ختم المرسلینش خوانده ای دانم ازروے یقینش خوانده ای
ایں الف لامے که استغراق راست حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشا ایجاد هر عالم یکے است گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
خود همے گوئی که نورش اول ست از همه عالم ظهورش اول ست
اولیت را بود شانے تمام کی بهر فردے پزیرد انقسام ؟
جوهر کُل برنتابد تثنیه در محمدؐ ره نیابد تثنیه
تا نه ورزی اندر امکاں ریو و رنگ حیّز امکاں بود بر مثل تنگ
میم امکاں اندر احمد منزوی است چوں ز امکاں بگزری دانی که چیست
صانع عالم چنیں کرد اختیار کش به عالم مثل نبود زینهار

پھر یکا یک حلاج کی روح نمودار ہوتی ہے اور کہتی ہے :

هر کجا بینی جهان رنگ و بو آں که از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیؐ او را بهاست یا هنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

بعد کی گفتگو پیش نظر گفتگو سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی۔ حضرت علامہ نے ''خلق و تقدیر و ہدایت'' کو ابتدا قرار دیا۔ یہ سورہ اعلیٰ کی دوسری اور تیسری آیت کی طرف اشارہ ہے : الذی خلق فسویٰ والذی قدر فهدیٰ (وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا۔ پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا۔ پھر اس پر راہ (عمل) کھول دی ـــــ سورۂ اعلیٰ آیت ۲ - ۳)

این نہ عجزست ، اختیارست اے فقیہ خواجہ بے ہمتا بود لاریب فیہ

ہر کرا با سایہ نپسندد خدا[۱] ہمچواوئی نقش کے بندد خدا؟

ہم گہر مہر منیرش چوں بود ، سایہ چوں نبود ، نظیرش چوں بود؟

منفرد اندر کمال ذاتی است لا جرم مثلش محال ذاتی است

زیں عقیدت بر نہ گردم والسلام
نامہ را در می نوردم والسلام

---

۱ - اہل علم کے نزدیک رسول اکرم صلعم کا سایہ نہ ہونے کی روایات ثابت نہیں - سیرۃ النبی ص میں ہے: عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا ، لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے - (جلد دوم ص ۱۹۷)

۷

تہنیت عید شوال

اس مثنوی کو کلیات نظم فارسی میں مثنوی ہفتم کہا گیا ہے بظاہر یہی وہ مثنوی ہے جس کے متعلق منشی نبی بخش حقیر کو لکھتے ہیں :

عید کی مثنوی صرف روپے بچانے کی تھی یعنی اگر وہ نہ ہوتی تو مجھ کو چار روپے نذر دینے پڑتے ۔ (نادرات غالب ص ۸۱)

اس سے پیشتر کے خط میں فرماتے ہیں :

میں نے قصیدہ لکھنا موقوف کیا ، موقوف کیا کیا ، مجھ سے لکھا ھی نہیں جاتا ۔ قطعہ یا رباعی عیدین کو لکھ کر نذر کر دیتا تھا ۔ اب کے حکیم صاحب نے بہت شدت کی اور کہا کہ صاحب، یہ تو نذر عید نہ ہوئی، جیسے معلم لڑکوں کو عیدی کے دو شعر لکھ دیتے ہیں۔ یہ تو ویسی عیدی ہے ۔ ناچار میں نے یہ مثنوی کی روش پر چالیس بیالیس بیت لکھ کر نذر کر دی (نادارت غالب ص ۸۰)

اتنا اور عرض کر دینا چاھیے :

۱۔ اس مثنوی کے شعر بیالیس ہیں ۔

۲۔ یہ عید شوال ۱۲۷۱ء (۱۷ جون ۱۸۵۵ (ع) پر پیش ہوئی ۔

۳- حکیم صاحب سے مراد حکیم احسن اللہ خان ہیں

باز برانم که به دیباے راز | از اثر ناطقه بندم طراز
باز برانم که دریں جلوه گاه | غازه نهم بر رخ خورشید و ماه
باز ز انداز رساے سخن | بافته ام دام هماے سخن
باز به آهنگ سخن گستری | ساخته ام خامه ز بال پری
پاے فرو رفته قلم را به گنج | خامه به رقص است و نفس نغمه سنج
رند جهاں سوز ملامت کشم | خود ز دو گیتی به خیالے خوشم
من نه همیں پیکر آب و گلم | راز فراواں بود اندر دلم
یافته ام منصب کارآگهی | خاصه، به توقیع بهادر شهی
جوهر نابم من و شه جوهری است | خوبی آئینه ز روشنگری است
جنبش کلکم به هواے شه است | نازش نطقم به ثناے شه است
کرده قلم از گهر شاهوار | بهر شهنشاه فراهم نثار
نیست دوئی در روش دین من | شاه پرستی بود آئین من
آں که ز شاهی است نشاں مندیش | چوں نه پزیرم بخداوندیش
پیشهٔ من جمله ثنا گستری است | کار خداوند رهی پروری است
باشدم از فرّه انوار شاه | فرّخی عید به دیدار شاه
خامهٔ من گشته به تقریب عید | قفل در گنج سخن را کلید
نکته طرازی به من آموخت عید | سینه به نورِ خرد افروخت عید

تا حرم از هند درازست راه بسته ام احرام د، پادشاه
گر نتوان گشت به گرد سرش جبه توان سود به خاک درش
طلعت شاه آئنهٔ حق نما ست حق طلبان پیرو و شه پیشوا ست
شاه فروزان رخ فرخ گهر قبلهٔ ارباب نظر ، بو ظفر
خسرو فرزانهٔ فیروز بخت هم ز ازل وارث دیهیم و تخت
عالم و ایں نعمت الوان او زلّهٔ از خوان نیاگان او
تاجوران قافله در قافله راست چناں داں که دریں سلسله
راست به آدم رسد ار بنگری سروری و شاهی و پیغمبری
آں که چو شمع خرد افروخته مشتری از وے ادب آموخته
ور به خدنگ افگنی آورده روی از قدر انداز قدر برده گوی
قهرش اگر تفرقه افگن شود نامیه غارت گر گلشن شود
حفظش اگر عام کند ایمنی شمع پزیرد ز هوا روشنی
عزمش اگر بانگ براشهب زند قافلهٔ خور، به دل شب زند
لطفش اگر وایه به گلخن دهد آتش و دودش گل و سوسن دهد
مدح شهنشاه همایوں نژاد نیست نوای که توان ساز داد
زیں همه اندیشه که من می کنم گدیهٔ اقبال سخن می کنم
ور نبود حلقه بریں در زدن گام ز اندازه فرا تر زدن
چوں به سخن دسترس او بود بنده هماں به که دعا گو بود
خواسته غالب به سخن گستری تازگی طرز ستایش گری
ز اهل سخن هر که طرازد ثنا خاتمهٔ آں نبود جز دعا

شیوهٔ گفتار به ائین خوش است   حرف دعا از پس تحسین خوش است
نکته سرایان فروهیده فن   جاده شناسان طریق سخن
حرف دعا چون به زبان آورند   شرط جزاے به میان آورند
منکه ندانم سخن آراستن   بس بود اینم ز خدا خواستن

دولت شه دولت جاوید باد
تا ابدش عید پس از عید باد

۸

تہنیت عید بہ ولی عہد

یہ مثنوی بھی مثنوی نمبر ۷ کی طرح عید شوال ۱۲۷۱ھ (۱۷ جون ۱۸۵۵ع) کو پیش ہوئی - اسے کلیات نظم فارسی میں "مثنوی ہشتم" قرار دیا گیا ہے

من که دریں دائرهٔ لاجورد کرده ام از حکم ازل آبخورد
پیکرم از خاک و دل از آتش است روشنی آب و گل از آتش است
آتشم آن است که دودیش نیست برنمط شعله نمودیش نیست
سوخته ام لیک، نه سوزنده ام آتش بے دود فروزنده ام
آتشم اما به فروغ و فراغ روشنی شمع و نور چراغ
اے که زنی دم ز هوا خواهیم شمع و دانی که سحر گاهیم
دارم ازیں زمزمه شرمندگی پرتو مهرم به درخشندگی
پرتو خرشید[۱] گر افتد به خاک هست ز آلودگی خاک پاک

---

۱ - مرزا غالب "خرشید" اسی طرح لکھتے تھے -

خصم گر ایں نکته شمارد دروغ   غم مخور اینک من و اینک فروغ
نے نے اگر راست سر ایم همے   مهر جهانتاب نشایم همے
ذرّه ام و دیدهٔ بدخواه کور   ذره ز خرشید پزیرفته نور
خاک ره از روشنی آفتاب   جلوه فروشد که منم خویش تاب
ذره اگر بال انا الشرق زد   هم ز درخشانی آں برق زد
با که تواں گفت که ایں تاب چیست   ذره منم مهر جهانتاب کیست؟
مهر ولی عهد شهنشاه عهد   زیب فزایندهٔ ایں هفت مهد[1]
روشنی چشم ظفر فتح ملک[2]   فرخ و فرخنده گهر فتح ملک
هم به دهش داور فریاد رس   هم به سخن خسرو مشکیں نفس
حسن بهار آئنهٔ روے او   نکهت گل توشه کش خوے او
کار گه بار گهش نه سپهر   خاک نشینان رهش ماه و مهر
قیصر و فغفور گداے درش   یافته اوج نظر از منظرش
باد فروش سر راهش بهار   گشته غزل خواں به نواے هزار
گوے فلک در خم چوگاں اوست   نازش ایام به دوراں اوست
باد گر اورنگ سلیماں برد   چوں بود اکنوں که نه فرماں برد
باد خود از بندگی آزاد نیست   توسن شه چیست اگر باد نیست؟
دهر به گیتی دگر آئیں نهاد   تخت نهاد آں یک و ایں زیں نهاد

---

۱ - هفت مهد به معنی سات پنگھوڑے، مراد ہیں یہی سات طبقات زمین -

۲ - فتح الملک شہزادہ غلام فخر الدین رمز تخلص ولی عہد ابو ظفر بہادر شاہ ثانی -

در روش کوکبه خسروی قاعده آن است که در رهروی
زین چو فراپشت تگاور نهند غاشیه بردوش سکندر نهند
گردد اگر دوش سکندر فگار خضر برد غاشیهٔ شهریار
شکر که سعیم ز قلم کام یافت تهنیت عید سر انجام یافت
پایهٔ سلطان بلند آستان بر تر از ان است که گفتن توان
غالب اگر دم ز ثنا زد، مخند گو نکند دعوی نا سود مند
داد نشانے ز ثنا خوانیش لیک نه در خورد جهانبانیش
گرچه به از نظم نظامی است این مدح مخوان، خط غلامی است این
گویم و دانم که ز گفتار من تازه شود رونق بازار من
لیک حق مدح نگردد ادا هیچ نیاید زمن الّا دعا
کار نه از روے ریا می کنم نیم شب آهنگ دعا می کنم
با تو بگویم که چه گویم همے بهر شه از دهر چه جویم همے
طالع اسکندر و آں فرخی زندگی خضر بداں فرخی

با نفسم فیض سحر یار باد
سینه من مشرق انوار باد

✣✣✣✣

۹

دیباچۂ "بست و هفت افسر"

یہ کتاب واجد علی شاہ سلطان اودھ کی تھی جو "سلطان عالم" کہلاتے تھے اور مرزا نے انہیں سلطان عالم ہی کہا ہے۔ لیکن اس کے متعلق اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مرزا نے مثنوی کے اختتام پر بست و هفت افسر کی دو تاریخیں نکالی ہیں۔ ایک "نیراعظم"، دوسری "ریاض ملک معنی" دونوں سے ۱۲۷۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ۱۲۷۱ھ تقویم کے مطابق ۲۴ ستمبر ۱۸۵۴ع سے شروع ہوا اور ۱۴ ستمبر ۱۸۵۵ع پر ختم ہو گیا۔ گویا یہ دیباچہ اس زمانے میں لکھا گیا، جب واجد علی کی بادشاہی محفوظ تھی۔

بنام ایزد زہی مجموعه راز شگفت‌آورتر از نیرنگ و اعجاز نه جادو، لیک هوش افزا فسونے جهاں را سوے دانش رهنمونے تعالی الله کتابے مستطابے غلط گفتم، فروزاں آفتابے پری پروانه شمعے عالم افروز سوادش شب، ولے روشن تر از روز ز بس خوبی سزد بهر سوادش سویدائے دل مردم مدادش

سوادش زلف مشکینے که با او ست هزاران نکته کاں باریک چوں موست
بیاضے کاندراں بین السطور ست تو گوئی موجے از دریاے نور ست
مگر خود چشمهٔ نورست و از وے بہر سو موج سے خیزد پیا پے
بود هر موج از عنبر نشاں مند که دارد جا بجا با سطر پیوند
ید بیضا خریدار بیاضش که بادا گرم بازا بیاضش
ستودم لیک و صفش نے ز من پرس هم از سلطان انجم انجمن پرس
که رازِ دهر در دفتر نگارد همایوں "بست و هفت افسر" نگارد
شه فرزانه چندیں افسرش بیں به هر افسر جهان دیگرش بیں
همانا جم حشم سلطان عالم ۱ بہم آمیخة ارکان عالم
طلسمی بسته اندر آفرینش که افزاید فروغ چشم بینش
به کف ابرو به دل دریاست سلطاں به دانش گوهر یکتاست سلطاں
به لهو ار سلکے از گوهر گسسته ز دانش نیز نقش چند بسته
اگر یابی ز بازی داستانها ز دین و داد هم بینی نشانها
نئے کلکش که بزم آرا ست از حرف به شاخ گلبنے ماناست از حرف
که نتواند گرانی را تحمل نگوں گردد ز بار غنچه و گل
بداں ظلمت همے ماند دو آتش که باشد درمیاں آب حیاتش
سکندر طالع جم بار گاہے ثریا منظری انجم سپاہے
به دارائی خردمند یگانه به دانائی شهنشاه زمانه
پُر از راز دو عالم سینهٔ او زہے شاه و زہے گنجینهٔ او

---

۱ - واجد علی شاه آخری فرمانروائے سلطنت اوده ـ

کفش از پنجهٔ خور زر فشاں تر رگ کلکش زکف گوہر فشاں تر
اگر مانی ہمے نازد بہ ارتنگ فرو خور خشم و بگزر گوسر و سنگ
نگارستان معنی بیں کہ دانی کہ بے معنی است صورتہای مانی
نینگیزد چنیں نقش ارچہ مانی است کہ آں صورت بود، ویں خود معانی است
چو بینی ایں نقوش دلنشیں را طراز شاہ معنی آفریں را
سزد گر "نیراعظم،، نہی نام کہ از نامش برآید سال اتمام
و گر باید ازیں خوشتر گہر سفت "ریاض ملک معنی،، می تواں گفت
سپس بہر بقاے حامی دیں دعا از غالب و از خلق آمیں

شہنشہ را حیات جاوداں باد
بہارستان جاہش بی خزاں باد

◎◎◎◎

۱۰

تقریظ آئین اکبری

کلیات فارسی میں اسے ''مثنوی دھم'' کہا گیا ہے - سر سید مرحوم جس زمانے میں صدرالصدور مراد آباد تھے، انھوں نے آئین اکبری کی تصحیح بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی سے کی تھی - اصل کتاب کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت میں کسی کے لیے کلام کی گنجائش نہیں - پھر سر سید مرحوم کے خاندان سے مرزا کے تعلقات مثل یگانوں کے تھے ، لیکن اس پر جو تقریظ لکھی وہ عام تصور کے بالکل خلاف تھی - اس کے وجوہ خواجہ حالی مرحوم نے یہ بیان فرمائے ہیں :

۱ - مرزا کو ابوالفضل کا اسلوب تحریر پسند نہ تھا -

۲ - ان کے نزدیک دور اکبری کے آئین ، انگریزی آئین کے مقابلے میں کم حیثیت تھے -

۳ - انھیں تاریخ کا مذاق بالکل نہ تھا اور اس کا اعتراف انھوں نے خود کیا ھے -

بہ ہر حال اس تقریظ سے سر سید کے اور مرزا کے تعلقات پر بھی نا خوشگوار اثر پڑا ، جو کچھ عرصہ بعد زائل ھوا - یہ تقریظ سر سید مرحوم نے کتاب کے آخر میں شامل نہ کی -

مژده یاراں را که ایں دیریں کتاب یافت از اقبال سید فتح باب
دیده بینا آمد و بازو قوی کهنگی پوشید تشریف نوی
وینکه در تصحیح آئیں راے اوست ننگ و عار همت والاے اوست
دل به شغلے بست و خود را شاد کرد خود مبارک بندۀ آزاد کرد
گوهرش را آنکه نتواند ستود هم بدیں کارش همے داند ستود
بر چنیں کارے که اصلش ایں بود آں ستاید کش ریا آئیں بود
من که آئین ریا را دشمنم در وفا اندازه دان خود منم
گر بدیں کارش نه گویم آفریں جاے آں دارد که جویم آفریں
با بدآئیناں نه مانم در سخن کس نه داند آنچه دانم در سخن

کس مخر باشد به گیتی ایں متاع
خواجه را چه بود امید انتفاع

گفته باشد کایں گرامی دفتر است تا چه بیند کاں به دیدن درخور است
گر ز آئیں میرود با ما سخن چشم بکشا و اندریں دیر کهن
صاحبان انگلستان را نگر شیوۀ و انداز ایناں را نگر
تا چه آئینها پدید آورده اند آنچه هر گز کس نه دید ، آورده اند
زیں هنر منداں هنر بیشی گرفت سعی بر پیشیناں پیشی گرفت
حق ایں قوم است آئین داشتن کس نیارد ملک به زیں داشتن
داد و دانش را بهم پیوسته اند هند را صد گونه آئیں بسته اند
آتشے کز سنگ بیروں آورند ایں هنر منداں ز خس چوں آورند
تا چه افسوں خوانده اندایناں بر آب دود کشتی را همی راند در آب

گه دخاں کشتی به جیحوں می برد — گه دخاں گردوں به هاموں می برد
غلتک گردوں به گرداند دخاں — زره گاو و اسپ را ماند دخاں
از دخان زورق به رفتار آمده — باد و موج ایں هر دو بیکار آمده
نغمه ها بے زخمه از ساز آورند — حرف چوں طائر به پرواز آورند
هیں نمی بینی که ایں دانا گروه — در دو دم آرند حرف از صد کروه
می زنند آتش به باد اندر همے — می درخشد باد چوں اخگر همے
رو به لندن کاندراں رخشنده باغ — شهر روشن گشته در شب بے چراغ
کاروبار مردم هشیار بیں — در هر آئیں، صد نو آئیں کار بیں

پیش ایں آئیں که دارد روزگار
گشته آئین دگر تقویم پار

هست اے فرزانهٔ بیدار مغز — در کتاب ایں گونه آئینهای نغز ؟
چوں چنیں گنج گهر بیند کسے — خوشه زاں خرمن چرا چیند کسے ؟
طرز تحریرش اگر گوئی خوش است — نے فزوں از هرچه میجوئی خوش است
هر خوشے راخوشترےهم بوده است — گرسرے هست افسرےهم بوده است
مبداء فیاض را مشمر بخیل — نو ز می ریزد رطب ها زاں نخیل
مرده پروردن مبارک کار نیست — خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست
غالب آئین خموشی دلکش است — گرچه‌خوش گفتی،نه گفتن‌هم‌خوش‌است
در جهاں سید پرستی دین تست — از ثنا بگزر دعا آئین تست
ایں سراپا فرّهٔ و فرهنگ را — سید احمد خان عارف جنگ را

هرچه خواهد از خدا موجود باد
پیشکارش طالع مسعود باد

۱۱

ابر گہر بار

یہ مثنوی کلیات میں شامل ہے اور اس کا عنوان ہے :

"مثنوی نا تمام موسوم بہ ابر گہر بار یا اسد اللہ الغالب ، مثنوی یازدہمیں" - اسے ایک مرتبہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۰ھ میں الگ بھی اکمل المطابع نے چھاپ دیا تھا - اس کے ساتھ دو قصیدے ، تین قطعے اور دس رباعیاں شامل تھیں - یہ قصیدے، قطعے اور رباعیاں بعد ازاں "سبد چیں" میں شامل کر دی گئی تھیں - اس ایڈیشن میں مرزا نے بعض الفاظ کے معنی بھی حاشیے پر لکھ دیے تھے -

در اصل مرزا نے حضرت رسول اکرم صلعم کے غزوات نظم کرنے کا ارادہ کیا تھا

وہ خود فرماتے ہیں :

مثالے نویسم کہ پیغمبراں نویسند لا ریب فیہ بر آں
زباں تازہ سازم زنیروے بخت بہ ذکر شہنشاہ بے تاج وتخت
رقم سنج منشور یزدانیم ز ایمانیاں گویم ایما نیم
کسی را کہ نازد بہ بیگانگاں خرد در شمارد ز دیوانگاں
بہ اقبال ایمان و نیروے دیں سخن رانم از سیدالمرسلین

مرزا نے ایک تذکرے کے لیے خود نوشتہ سوانح کے آخر میں لکھا کہ ایک مثنوی غزوات رسالت مآب صلعم میں لکھی - سر سید نے ''آثار الصنادید'' کے چوتھے باب میں بہ سلسلۂ احوال غالب لکھا ہے :

اور ایک مثنوی مشتمل اوپر غزوات حضرت رسالت دستگاهی ختمی پناهی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے، اگرچہ هنوز نا تمام ہے (آثارالصنادید چوتھا باب ص ۷۶)

اس مثنوی پر مختصر سی گفتگو کا یہ محل نہیں، تاهم بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ زور کلام اور جدت طرز و روش میں میرزا کی شاعری کا ایک بہترین نمونہ یہ مثنوی بھی ہے -

---

سپاسے کزو نامه نامی شود سخن در گزارش گرامی شود
سپاسے که آغاز گفتار زوست سخن چوں خط از رخ نمودار زوست
سپاسے که تا لب ازو کام یافت روانها بداں رامش آرام یافت
سپاسے که فرزانۂ دم شناس بداں خویش را دارد از دیو پاس
سپاسے که فرخ سروشان راز براں زمزم آباد گویند باز
سپاسے که شوریدگان الست دهندش به بانگ قلم دل ز دست
سپاسے بپوزش در آمیخته ز دل جسته و بادل آویخته
سپاسے ز بسیاری جوش دل ز اندیشه پیوند غفلت گسل
سپاس دوئی سوز کثرت ربای سپاس دل افروز بینش فزای

خدا را سزد کز دروں پروری بدیں شیوه بخشد شناساوری
خدائے که زاں گونه روزی دهد که هم روزی و هم دو روزی[۱] دهد
به نامے که گم‌گشته بردن درو ز پری نه گنجد شمردن درو
کسے را که باشد بر انگشتری زند گرد او حلقه دیو و پری
متاع اثر بسکه ارزاں دهد مسیحا بداں مرده را جاں دهد
رضا داد، کاید به بردن همی دهد تن به بند شمردن همے
نباشد اگر بخشش عام او کرا زهرهٔ بردن نام او
به فرخندگی هر که نامش گرفت هما از هوا راه دامش گرفت
بود نام پاکش ز بس دل نشیں تراشند پاکانش از دل نگیں
به دل هر که سوزنده داغش نهاد پری رخ به پیش چراغش نهاد

بود سوز داغش ز بس دل پسند
سویدا سزد بر جمالش سپند

رضا جوے هر دل که درویش هست هوا خواه هر رخ که گردیش هست
نه رنجد ز انبوه خوانندگاں نیاید ستوه از پناهندگاں
خرد جنس هستی فروشندگاں دهد مزد بیهوده کوشندگاں
رباید دل اما ز دل دادگاں کشد ناز لیکن ز افتادگاں
ز بادے که بر دل و زد در نهفت زباں را به پیدا در آرد به گفت
نگه را که بیروں نه باشد ز چشم دهد بال پیدائی مهر و خشم
دل و دست باهم دگر دوخته دریں کیسه کردار اندوخته
رواں و خرد باهم آمیخته ازیں پرده گفتار انگیخته

---

۱ - تندرستی -

نه زیں سو گہرہا شمردن تواں　　نه راه اندریں پرده بردان تواں
نگاہے به گردنده کاخ بلند　　کش اندازه چون ست و آثار چند
ز رخشانی گونهٔ لاژورد[۱]　　دمد گونه گوں رنگش از هر نورد[۲]
به هر یک نمودش دو صد رنگ در　　به هر یک نوردش صد آهنگ در
اگر جلوه روشن، ور آواز خوش　　خم رنگ خوش، پردهٔ ساز خوش
بیندیش کایں چرخ و پرویں کرا ست　　چنیں پردهٔ ساز رنگیں کرا ست
نگاہے به بازی گهه روزگار　　ز بازیگرانش یکے نوبهار
که چوں سیمیا در نمود آورد　　اثر ها ز بالا فرود آورد
کشاید هوا پرنیانی بنفش　　شود شاخ گل کاویانی درفش
شود باغ صحرای محشر ز سرو　　پرد نامه هر سو ز بال تدرو
بحالیکه عریاں بود پیکرش　　دمد چشم نرگس ز فرق سرش
چمن خلد و کوثر شود آب گیر　　خیاباں ز جوش سمن جوی شیر
بیندیش کایں روزگار از کجاست　　نمود طلسم بهار از کجاست
به نیروی نه چرخ برهم زدن　　نشاید ز دانست او دم زدن
گروہے به بند گهر یافتن　　فروبسته دل در زمیں کافتن
یکے را دم تیشه بر کاں نخورد　　یکے ره به نایاب گوهر نبرد
به دانش ترا دیده ور کرده اند　　چراغے دریں بزم بر کرده اند
خرد کز جهانیست پیشش خبر　　نه باشد ز عنوان خویشش خبر

---

۱ - لاجورد - مثنوی میں میرزا نے یوں ہی لکھا ہے -

۲ - نورد - تہ - لپیٹ -

نه بیند جز این هیچ بینندهٔ   که مارا بود آفرینندهٔ

که اندازهٔ آفرینش بدوست

دم دانش و داد بینش بدوست

جهان داور دانش آموزگار   به خور روشنائی ده روزگار

کشایندهٔ گوهر آگین پرند   ز پروین به پهناے آن نقشبند

نگارندهٔ پیکر آب و گل   شمارندهٔ گوهر جان و دل

به گردش در آرندهٔ نه سپهر   به گردون بر آرندهٔ ماه و مهر

روان را به دانست سرمایه ساز   زبان را به گفتار پیرایه ساز

بشاهی نشانندهٔ خسروان   ز رهزن رهانندهٔ رهروان

به دانش به‌اندیش فرزانگان   به مستی نگهدار دیوانگان

شناسا گر راز دانان براست   توانا کن ناتوانان بخواست

جگر را ز خونابه آشام ده   نفس را به بیتابی آرام ده

بهر دم ز آواز پیوندبخش   بهر پیکر از دل جگربندبخش

هم از سرخوشی شور در مے فگن   هم از ناله جان در تن نے فگن

روان را به دانش گهر زای دار   جهان را به دستور برپای دار

شناسندگان را به خود رهنمای   هراسندگان را غم از دل ربای

نفسها به سوداے او ناله خیز   جگرها به صحراے او ریز ریز

رگ ابر را اشکباری ازوست   دم برق را بیقراری ازوست

زبانهاے خاموش گویاے او   نهان هاے اندیشه پیداے او

به گویائی از وے زبان فصیح خورد زلۂ زاچ سور[۱] مسیح
بجنبش ازو نال کلک دبیر نماید به مردم رگ جان تیر[۲]
خرد را که جوید شناسائیش نگه خیره در برق پیدائیش
دوئی بے کفن مردۂ در رهش خودی دادگر شحنۂ درگهش
گر از جاں سپاران نازش کسے است ور از پرده داران رازش کسے است
مرآں را پلارک[۳] رگ گردنے مر ایں را روان مجرد تنے
ز گرمی که باشد به هنگامه اش ز تیزی که دارد قط خامه اش

زبانهاے افسردگاں آتشیں
منشهاے سنگیں دلاں نازنیں

زهی هستی محض و عین وجود که نازد به یکتائیش هست و بود
ز شاخابه[۴] کز قلزمی سر دهد به هر تشنه آشام دیگر دهد
به یک باده بخشد ز پیمانۂ به هر ذره رقص جداگانۂ
جهانے ز طوفاں به غرقاب در هنوزش هماں چیں به گرداب در
گروهے ز مستی به غوغا دروں هنوزش هماں مے به مینا دروں
اسیرش ز بندے که برپاے اوست سگالد که بر تخت چیں جاے اوست

---

۱ - ''زاچ سور'' : چھٹی کی شادی (غالب) یعنی پر تکلف دعوت کی وہ رسم جو بچے کی پیدایش کے چھٹے روز دھوم دھام سے منائی جاتی ہے -

۲ - تیر : اسم عطارد (غالب) جسے منشی فلک یا دبیر فلک بھی کہتے ہیں -

۳ - پلارک : شمشیر (غالب)

۴ - شاخابہ : اس نہر کو کہتے ہیں جو کسی دریا کو کاٹ کر جاری کریں (غالب) -

شہیدش بخویش از طرب بہرہ مند بجز چشم زخمش نہ باشد گزند
ز بانگے کہ خیزد زخوں دردلش بداں تار ماند رگ بسملش
کہ چوں خواھدش رغبت انگیز تر مغنی کند زخمہ را تیز تر
شبستانیانش ز مے غازہ جوے بیابانیانش ز خور تازہ روے
گرانمایگاں غرق کوثر ازو خساں خستۂ موج ساغر ازو
مناجاتیاں پیش وے در نماز خراباتیاں را بدو چشم باز
اگر کافرانند زنہاریش[1] وگر مومناں در پرستاریش
"ھوالحق"، سرایان او غیب جوے "اناالحق"، نوایان او تلخ گوے
رھش را ز جانہا غبارے بلند غمش را ز خال عروساں سپند
نہ تنہا خوشی ناز پرورد اوست کہ غم نیز دل را رہ آورد[2] اوست
اگر شاد کامے شکر مے خورد وگر نامرادے جگر مے خورد

نہ آنرا نشاطے بہ پیوند اوست
کہ اینہم بہ ھستی نشاں مند اوست

ز آئیں نگاراں بہ ھنگامہ در رقم گشتہ نامش بہ ھر نامہ در
لغت زاں شود تازی و پہلوی کہ بالد سخن چوں پزیرد نوی
سخن گر بہ صد پردہ دمساز گشت چناں کامد از وے بہ وے بازگشت
بہ ھر لب کہ جوئی نواے ازوست بہ ھر سر کہ بینی ھواے ازوست

---

۱ - زنہاری : مستامن (غالب) یعنی پناہ طلب کرنے والا ۔

۲ - رہ آورد : سوغات (غالب) خصوصاً وہ تحفہ جو سفر سے لایا جائے ۔

اگر دیوسارے است بیہوش وہنگ[۱] · که هموارہ پیکر تراشد ز سنگ
به بت سجده زاں رو روا داشته · که بت را خداوند پنداشته
و گر خیره چشمے است نیر پرست · به دُرد سے از جام اندیشه مست
به سهرش از آں راه جنبیده سهر · کزیں روزنش دوست بنموده چهر
ز تاری درونان اهریمنی · گروهی بود کز خرد دشمنی
ز بس داد ناآشنائی دهند · به آتش نشانِ خدائی دهند
به تن ها به آذر گرایش کناں · به دلها خدارا نیایش کناں
گروہے سراسیمه در دشت و کوے · خداوند جوے و خداوند گوے
ز رسمے که خود را برآں بسته اند · به یزداں پرستی میاں بسته اند
ز سهرے که بی خواست در دل بود · پرستند حق ، گر به باطل بود
نظر گاه جمع پریشاں یکے است · پرستنده انبوه و یزداں یکے است
کدامی کشش کاں ازاں سوے نیست · بد و نیک را جز به وے روے نیست
جهاں چیست؟ آئینه آ گهی · فضاے نظرگاه وجه اللهی
نه هر سو که رو آوری سوے اوست؟ · خود آں رو که آورده ای روے اوست
ز هر ذره کاری به تنهائیش · نشاں بازیابی ز یکتائیش
چو ایں جمله را گفتهٔ عالم اوست · به گفت آنچه هرگز نیا ید هم اوست
چوں اینجا رسیدم، همایوں سروش · بهمن بانگ برزد که "غالب خموش"

---

۱ - هنگ : مخفف فرهنگ (غالب) عقل و دانش -

بپاشید در لرزه بندم ز بند تپاں هم چو بر روے آتش سپند
چوں از وے پزیراے رازے آمدم مناجات را پرده ساز آمدم

بساز نیایش شدم زخمه۱ ریز
بداں تا بدنیساں کنم زخمه تیز

---

۱ - زخمه : مضراب (غالب) ۔

مناجات

خدایا زبانے که بخشیده ای به نیروے جانے که بخشیده ای
دما دم به جنبش گراید همے ز راز تو حرفے سراید همے
نه دا نم که پیوند حرف از کجا ست دریں پرده لحنی شگرف از کجاست
گر از دل شناسم جنوں‌پیش نیست که آں نیز یک قطره‌خوں بیش نیست
خرد را سگالم که نیرو دهد خود او را ز من حیرتے رو دهد
نه آخر سخن راکشایش زتست به نابود چندین نمایش زتست
چو پیدا تو باشی، نهان هم توئی اگر پردهٔ باشد، آں هم توئی
به هر پرده دمساز کس جز تو نیست شناسندهٔ راز کس جز تو نیست
چه باشد چنیں پرده‌ها ساختن شگافے بهر پردهٔ انداختن
بدین روے روشن نقاب از چه رو ؟ چوکس جز تو نبود، حجاب از چه رو؟
هما نا از آنجا که توقیع ذات بود فرد فهرست حسن صفات
تقاضاے فرمانروائی دروست ظهور شیون[۱] خدائی دروست
ز فرماں دهی خاست فرمانبری شناساوری شد شناساگری
ترا با خود اندر پرند خیال بود نقطهٔ از صفات کمال

۱ - شیون : شان کی جمع -

کزان نقطه خیزد سیاه و سپید وزآن پرده بالد هراس و اُمید
بدان تازه گردد مشام از شمیم بدان بشگفد گل به باغ از نسیم
از آنجا نگه روشنائی برد و ز آنجا نفس نغمه زائی برد
از آن جنبش آید به شوخی برون اگر موج رنگ است ور موج خون
اگر سود گوهر به دامن برد زیان‌گر خود اخگر به خرمن برد
ز آلایش کفر و پرداز دین ز داغ گمان و فروغ یقین
به هر گونه پردازش هست و بود جمال و جلال تو گیرد نمود
به گردون ز مهر و به اختر ز تاب به دریا ز موج و به گوهر ز آب
به انسان ز نطق و به مرغ از خروش به نادان ز وهم و به دانا ز هوش
به چشم از نگاه و به آهو ز رم به چنگ از نوائے و به مطرب زدم
به باغ از بهارو به شاه از نگین به گیسو ز پیچ و به ابرو ز چین
عیار وجود آشکارا کنی نشانهائی جود آشکارا کنی
جمال تو ذوق تو از روے تو جلال تو تاب تو از خوے تو
جمال ترا ذره از آفتاب جلال ترا یوسف اندر نقاب
چه باشد چنین عالم آرائیے هما نا خیالے و تنهائیے
توئی آنکه چون پاگزاری به راه نیابی بجز خویشتن جلوه گاه
چو رو در تماشائے خویش آوری هم از خویش آئینه پیش آوری
نه چندان کنی جلوه بر خویشتن که کس جز تو گنجد درین انجمن
بفرمان خواهش که آن شان تست هم از خویش برخویش فرمان تست
کنی ساز هنگامه اندر ضمیر چو نم در یم و رشته اندر حریر

ظهور صفات تو جز در تو نیست　　نشانهاے ذات تو جز در تو نیست
ز خواهش به کوریِ چشم روئی　　به آرایش دهر کاں هم توئی
کشائی نورد هنر رنگ رنگ　　کشی پرده برروے هم تنگ تنگ
ز هر پرده پیدا نوا سازئیے　　بهر جلوه پنهاں نظر بازئیے
پدید آوری برگ و سازے فراخ　　چو نخلے به انبوهی برگ شاخ
دریں گونه‌گوں آرزو خواستن　　بود چوں به بایست آراستن

ز هر پرده رنگی که گیرد کشاد
چناں دلکش آفتد که بی آں مباد

قلم در کف و تاج بر سر رسد　　به هر جا رسد هر چه ازدر[۱] رسد
به نه چرخ والائی و برتری　　به چار آخشیج[۲] آدمی پیکری
به یزدانیاں فرهٔ ایزدی　　به یونانیاں بهره بخردی
به کشور کشایاں دم گیر و دار　　به مسکین گدایاں غم پود و تار
به ناهیدیاں بادهٔ بے غمی　　به کیوانیاں گونهٔ ماتمی
به مستاں نشید و به عشاق آه　　به آهن کلید و به زر نام شاه
به بیرنگ[۳] نقش و به پرکار سیر　　به طامات[۴] لعن و به طاعات خیر

---

۱ - ازدر : لائق (غالب) -

۲ - آخشیج : مجازاً به معنی عنصر ، چار آخشیخ ، چار عناصر یعنی آب، آتش باد ، خاک -

۳ - بیرنگ : خاکه جو نقاش اور مصور اول مرتبه کاغذ یا دیوار پربناتے هیں -

۴ - عربی میں میم مشدد ہے لیکن فارسی والے بلا تشدید استعمال کرتے هیں - طامه کی جمع ، به معنی واهی اور پریشان باتیں - عموماً صوفیوں کی اس لاف و گزاف کے لیے مستعمل ہے جو کشف و کرامات کے اظهار میں بعض کا معمول ہے - مراد ہے، هرزه گوئی، بے اصل باتیں کهنا -

به ابر از پئے خاک آب حیات　　به خاک از نم ابر جوش نبات
به مے در فروغے که چون بر دمد　　ز سیماے میخواره نیّر دمد
به نے در نواے که چون برکشند　　به آواز آن ناله ساغر کشند
به ساقی خرامے که از دلبری　　ز شاهد برد دل بساقی گری
به شاهد اداے که از سر خوشی　　به ساقی دهد داروے بیهشی
به آزاده دستے که ساغر زند　　به افتاده سنگے که بر سرزند
هر آئینه ما را که تر دامنیم　　ز دیوانگی با خرد دشمنیم
ز آلودگیها گرانی بود　　همه سختی و سخت جانی بود
ز هر شیوه ناسازگاری رسد　　ز هر گوشه صدگونه خواری رسد
به بزم ار چه در خوردن باده ایم　　ولیکن بداں گوشه آفتاده ایم
که چون سوے ما ساقی آرد بسیچ　　نیابیم جز گردش از جام هیچ
به کفر آنچنان کرده کوشش که خویش　　نه باشیم تارے ز زنار بیش
ز لب جز به ناگفتنی کار نه　　ز خود جز به نفریں سزا وار نه
نه سودای عشق و نه راه صواب　　نه در سینه آتش ، نه در دیده آب
نه دستور دان و نه خسرو شناس　　نه از شحنهٔ شرع در دل هراس
نیا سوده از ما به کنج و کمیں　　کسی جز وقایع نگار یمیں ۱

---

۱ - عام عقیدہ ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں، جو اس کے اعمال لکھتے ہیں - ایک دائیں بازو رهتا ہے جو نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا بائیں بازو، جس کا کام برائیاں لکھنا ہے - انہیں ''کراماً کا تبین'' کہتے ہیں - جن کا ذکر سورۂ انفطار میں آیا ہے - میرزا نے دائیں جانب کے فرشتے کو ''وقائع نگار یمیں'' اور اگلے شعر میں بائیں بازو والے کو ''سروش یسار'' اور آگے چل کر ''دبیر یسار'' کہا ہے -

گناه آں قدرها بروں از شمار که رنجد یسار سروش یسار
چو از پردهٔ پرس و جو بگزرند روانهاے ما را بدوزخ برند
هر آئینه از ما به تر دامنی فرومیرد آتش بداں روشنی
بداں تا چو ایں گرد خیزد ز راه به سوزند مارا به شرم گناه
ولے با چنیں آتشے خانه سوز تر و خشک و آباد و ویرانه سوز
نه ایں بسکه سوزاں بداغ توایم ز پروانگان چراغ تو ایم
به هر گونه کالا روائی ز تست به ما بهرهٔ ناروائی ز تست
ز ابری که بارد به گلزار بر بروید گیاهی به دیوار بر
بداں نا برومندی آں نا تواں زسرسبزی باغ بخشد نشاں
اگر خوار ور ناروائیم ما به باغ تو برگ گیائیم ما
بخویش از ظهور جلالت خوشیم فروزینهٔ[1] ایزدی آتشیم
تراب جگر خستگی را نمے است که گلهاے باغ ترا شبنمے است
ز ره نا شناسان کژرو[2] به گشت دمد جادهٔ دیگر از روی دشت
فزاید به غوغاے یوسف دوبهر ترنج و کف خرده گیران شهر

اگر کاسهٔ قیس مسکیں شکست
صدای ز لیلیٰ در ان کاسه هست

---

۱ - ''فروزینه'' : ایسی چیزیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے مثلاً خس و خار۔
۲ - کژرو : کج رو یعنی راه راست سے هٹ کر چلنے والے لوگ ۔

حکایت

شنیدم که شاهی درین دیر تنگ　　ز پهلو[۱] برون راند لشکر به جنگ
گزیں شہسواراں عناں بر عناں　　سهیں نیزه داراں سناں بر سناں
به پیچش ز چرمیں عناں ہاے سخت　　زحل را به دلو اندروں پاره رخت
به جنبش ز رخشاں سنانهای تیز　　بروے هوا نور خور ریز ریز
دلیرانه با لشکر نا مجوی　　به اقلیم بیگانه آورد روی
ز بس چست خود را به پیکار برد　　به دشمن شبیخوں به ایوار[۲] برد
بداں دم که در رهروی بر گرفت　　ز بدخواه اورنگ و افسر گرفت
ز کالای تاراج دامن فشاند　　به لشکر زر و مال دشمن فشاند
از آں گنج کز لعل و گوهر شمرد　　سر خصم پا مزد خود بر شمرد
هنوز از غباری که برجسته بود　　بسا ذرّه بر خاک ننشسته بود
که در جنبش از چرخ آرام یافت　　ز دادارِ پیروزگر کام یافت

---

۱ - ''قاطع برهان'' میں ہے کہ پہلو بہ معنی شہر ہے اسی لیے پہلوی شہری زبان ٹھہری، بہ مقابلہ دیہاتی، نیز اصفہان کے نواح میں ایک مقام ۔ ایک ولایت کا نام جس سے پہلوی منسوب ہے ۔

۲ - ایوار : سفر روز (غالب) مطلب یہ کہ دن بھر سفر کر کے شبخون مارا ۔

نیازش ز فرخندگی ناز گشت　سوی کشور خویشتن باز گشت
خود آهسته‌رو بود و در ره ز پیش　فرستاد فرمان به دستور۱ خویش
که فرمان دهد تا به هر گونه بهر　به بندند آئین شادی به شهر
نمطها۲ به آراستن نو کنند
پرستاری بخت خسرو کنند
بدین دلکشا مژده کز شه رسید　بهار طرب را سحر گه رسید
به روزے که بایستے از شاهراه　به ایوان خرامد خداوند گاه
هم از شام مشعل بر افروختند　امینان بکوشش نفس سوختند
به مهتاب شستند سیماے خاک　فشاندند پروین به دیباے خاک
به بازار ها سو به سو صف به صف　به پیرایه بندی کشودند کف
ز هر پرده نقشے بر انگیختند　به هر گوشه چینی در آویختند
بدان گونه آئینه ها ساختند　که بینندگان چشم و دل باختند
سحر گاه چون داد بار آفتاب　ز هر گوشه سرزد هزار آفتاب
زمین را ز گرمی به جوشید مغز　برون داد از کان گهر های نغز
به آرایش جادهٔ رهگزار　صدف ریخت از بحر در بر کنار
تو گوئی ز تاب گهر ها به روز　که نگسسته پیرایهٔ شب هنوز
چو هر کس به اندازهٔ دسترس　به شادی زد از خود نمائی نفس
گروہے ز بے مایه زندانیان　علی‌الرغم نو کیسه سامانیان

---

۱ - وزیر -
۲ - نمطها : پردے -

به آئیں به بستند از خویشتن سیه پردهٔ بر رخ انجمن
که هر تار زاں پرده زنجیر بود نوا ناله، گر بم وگر زیر بود
به سرغوله۱ کاندر نوا داشتند هماں دود دل بر هوا داشتند
بر اجزاے تن جابجا بند سخت به هر بند لختے ز تن لخت لخت

نفس گرم شغل چراغاں ز آه
ز گرمی خس و خار سوزاں براه

چو گیتی کشا موکب خسروی قدم سنج اندازهٔ رهروی
به شهر اندر آورد از راه روے رسیدند گوهر کشاں پوے پوے
بداں جاده گوهر فروریختند به مغز زمیں رنگ و بو ریختند
ز آئیں که در شهر بربسته بود دو صد نقش بر یک دگر بسته بود
بداں تا رود خطوهٔ چند پیش به جنبید هر نقش بر جاے خویش
جگر گوں نگاهان خونیں نوا گرفتند چوں داغ بر سینه جا
ز اشک فرو خورده مشتے گهر ملک را فشاندند بر رهگزر
ز خوں گشته پنهاں‌هوسهاے خویش کشیدند خوانهاے یاقوت پیش
شه دیده ور را دل از جاے رفت به خاموشیش بر زباں "هاے" رفت
خموشی به دلجوئی آواز شد ترحم به گفتار دمساز شد
لب از جوش دل چشمهٔ نوش ریخت نوید رهائی به سر جوش ریخت

---

۱ - پیچ و تاب، گانے والوں کی آواز کے پیچ و تاب کو بھی مرغوله کہتے هیں جو کمال فن کی نمایش کا خاص وسیله ہے - اردو میں اسے گٹگری کہتے هیں - یه لفظ هندی‌الاصل ہے -

ده و دودهٔ و گنجدانها ز پے
گدایان روان کاروانها ز پے

عزیزے که یارائے گفتار داشت بهر پرده اندازهٔ بار داشت
ز بیداد ذوق شناساوری فغان بر کشید اندران داوری
که الماس در زر نشانندگان نه سنجیده گوهر فشانندگان
بیایند و داغ بیائی روند جگر تشنه مرحبائی روند
تهی کیسگان تا دمے بر کشند به گردوں زر و لعل و گوهر کشند
به حرفی کز و لب گهر خیز شد جهانبان چنیں پاسخ انگیز شد
که اینان جگر خستگان من اند به آهن فروبستگان من اند
بجز موے و ناخن که بینی دراز زباں کو ته از دعوی برگ و ساز
لباس از گلیم و زر از آهن است گر آهن ز من، ور گلیم از من است
نیاورده اند آنچه آورده اند ز من برده اند آنچه آورده اند
به آئیں در آئینهٔ انجمن مرا کرده اند آ شکارا به من

ازاں رو که در تب ز تاب من اند
هماں ذرّهٔ آفتاب من اند

تو نیز ای که هرچیز و هرکس ز تست بهار و خزان و گل و خس ز تست
به روزے که مردم شوند انجمن شود تازه پیوند جانها به تن
رواں را به نیکی نوازندگان به سرمایهٔ خویش نازندگان
گهر های شهوار پیش آورند فروهیده۱ کردار پیش آورند

---

۱ - فروهیده : خوب و نیک (غالب) ـ

ز نورے که ریزند و خرمن کنند جهاں را بخود چشم روشن کنند
به هنگامه با ایں جگر گوشگاں در آیند مشتے جگر توشگاں
ز حسرت به دل برده دنداں فرو ز خجلت سر اندر گریباں فرو
در آں حلقه من باشم و سینهٔ ز غمهای ایام گنجینهٔ
در آب و در آتش بسر بردهٔ ز دشواری زیستن مردهٔ
تن از سایه خود به بیم اندروں دل از غم به پهلو دو نیم اندروں
ز ناسازی و ناتوانی بهم دم اندر کشاکش ز پیوندِ دم
ز بس تیرگی هاے روز سیاه نگهه خورده آسیب دوش از نگاه
به بخشاے بر ناکسی هاے من تهی دست و در مانده ام، واے من
به دوش ترازو منه بار من نسنجیده بگزار کردار من
به کردار سنجی میفزائی رنج گرانباری درد عمرم بسنج

که من با خود از هرچه سنجد خیال
نه دارم بغیر از نشان جلال

اگر دیگراں را بود گفت و کرد مرا مایهٔ عمر رنج است و درد
چه پرسی چوں آں رنج و درد از تو بود غمے تازه در هر نورد از تو بود
فروهل که حسرت خمیر من است دم سرد من ز مهریر من است
مبادا به گیتی چو من هیچ کس جحیمی دل و زمهریری نفس
بپرسش مرا در هم افشرده گیر پر کاه را صرصرے برده گیر
پس آنگه به دوزخ فرستاده داں در آتش خس از باد افتاده داں
ز دودے که برخیزد از سوز من شود بیش تاریکی روز من

در آن تیرگی نبود آب حیات　که بروے خضر[۴] را نویسی برات
ز دود و شرارے که من در دهم　نه گردون فرازم، نه اختر دهم
فتد بر تنم چون ازان شعله داغ　نه سوزد به خاک شهیدان چراغ
اگر نالم از غم ز غوغاے من　نه پیچد به فردوس آواے من؟

که زهاد مینو نشین زان صدا
به افشاندن دست کوبند پا

و گر همچنین است فرجام کار　که می باید از کرده راندن شمار
مرا نیز یارای گفتار ده　چو گویم بر آن گفته زنهار ده
دریں خستگی پوزش از من مجوی　بود بندهٔ خسته گستاخ گوی
دل از غصه خون شد نهفتن چه سود　چو نا گفته دانی، به گفتن چه سود
زبان گرچه من دارم، اما ز تست　به تست ارچه گفتارم، اما ز تست
هما نا تو دانی که کافرنیم　پرستار خورشید و آذرنیم
نه کشتم کسے را به اهریمنی　نه بردم ز کس مایه در رهزنی
مگر مے که آتش به گورم ازدست　به هنگامه پرواز مورم ازدست
من اندوهگین و مے انده ربای　چه میکردم ای بنده پرور خدای
حساب مے ورامش و رنگ و بوی　ز جمشید و بهرام و پرویز جوی
که از باده تا چهره افروختند　دل دشمن و چشم بد سوختند
نه از من که از تاب مے گاه گاه　به دریوزه رخ کرده باشم سیاه
نه بستان سرائے، نه میخانهٔ　نه دستان سرائے، نه جانانهٔ
نه رقص پری پیکران بر بساط　نه غوغاے را مشگران در رباط

شبانگه به می رهنمونم شدے | سحر گہ طلبگار خونم شدے
تمنائے معشوقۂ باده نوش | تقاضائے بیہودۂ میفروش
چه گویم چو هنگام گفتن گزشت | ز عمر گرانمایه بر من گزشت
بسا روزگاران به دلدادگی | بسا نوبہاران به بےبادگی
بسا روز باران و شبہائے ماہ | که بود ست بی مے به چشمم سیاہ
افقہا پر از ابر بہمن مہی | سفالینه جام من از مے تہی
بہاران و من در غم برگ و ساز | در خانه از بے نوائی فراز
جہاں از گل و لاله پُر بوےورنگ | من و حجره و دامنے زیر سنگ
دم عیش جز رقص بسمل نه بود | به اندازۂ خواهش دل نه بود
اگر تافتم رشته، گوهر شکست | وگر یافتم باده، ساغر شکست
چه خواهی ز دلق مے آلود من | ببیں جسم خمیازه فرسود من
ز پائیز[۱] گویم، بہارم گزشت | ز مے بگزرم، روزگارم گزشت
به نا سازگاری ز همسایگاں | به سرمایه جوئی ز بی مایگاں
سر از منت ناکساں زیر خاک | لب از خاکبوس خساں چاک چاک
به گیتی ورم بے نوا داشتی | دلم را اسیر هوا داشتی
نه بخشنده شاہے که بارم دهد | به هر بار زر پیل بارم دهد
که چون پیل ز انجا بر انگیزمے | زرش بر گدایاں فرو ریزمے
نه نازک نگارے که نازش کشم | به هر بوسه زلف درازش کشم
چو زاں غمزه نیشے به دل بر خورد | رگ جاں غم نوک نشتر خورد

---

۱ - پائیز : موسم خزان -

بداں عمر نا خوش کہ من داشتم ز جاں خار در پیرہن داشتم
چو دل زیں ہوسہا بہ جوش آمدے ز دل بانگ خونم بہ گوش آمدے
ہنوزم ہماں دل بہ جوش اندر ست ز دل بانگ خونم بہ گوش اندر ست
چو آں نامرادی بیاد آیدم بہ فردوس ہم دل نیاسایدم
دلے را کہ کمتر شکیبد بہ باغ در آتش چہ سوزی بہ سوزندہ داغ
صبوحی خورم گر شراب طہور کجا زہرۂ صبح و جام بلور
دم شب رویہاے مستانہ کو بہ ہنگامہ غوغاے مستانہ کو
دراں پاک میخانۂ بیخروش چہ گنجائیِ شورش ناے و نوش
سیہ مستی ابر و باراں کجا؟ خزاں چوں نباشد بہاراں کجا؟
اگر حور در دل خیالش کہ چہ؟ غم ہجرو ذوق وصالش کہ چہ؟
چہ منت نہد نا شناسا نگار؟ چہ لذت دہد وصل بے انتظار؟
گریزد دم بوسہ اینش کجا؟ فریبد بہ سوگند وینش کجا؟
برد حکم و نبود لبش تلخ گوے دہد کام و نبود دلش کامجوے
نظر بازی و ذوق دیدار کو؟ بہ فردوس روزن بہ دیوار کو

نہ چشم آرزو مند دلالۂ
نہ دل تشنۂ ماہ پرکالۂ

از ینہا کہ پیوستہ مے خواست دل ہنوزم ہماں حسرت آلا ست دل
چو پرسش رگے را بہ کاود ز دل دو صد دجلہ خونم تراود ز دل
بہ ہر جرم کز روے دفتر رسد ز من حسرتے در برابر رسد
بفرمای کایں داوری چون بود کہ از جرم من حسرت افزوں بود

هر آئینه هم چون منے را به بند تلافی فرا خور بود ، نے گزند
بدیں مویه در روز امید و بیم بگریم بدانساں کـه عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چاره جوے تو بخشی بداں گریه ام آبروے
و گر خون حسرت هدر کرده ای ز پاداش قطع نظر کرده ای
گزشتم ز حسرت امیدیم هست سپید آب روی سپیدیم هست
که البته این رند نا پارسا کج اندیشه گبر مسلماں نما
پرستار فرخنده منشور[1] تست هوا دار فرزانه وخشور[2] تست

به بند امید استواری فرست
به غالب خط رستگاری فرست

---

۱ - یعنی قرآن حکیم -

۲ - پیغمبر یعنی رسول اکرم صلی‌الله علیه وسلم -

نعت

بنام ایزد ای کلک قدسی صریر — به هر جنبش از غیب نیرو پزیر
ز مهرم به دل همچو آه اندر آی — ز دل تا بر آرم به گردوں بر آی
چو بر سلسبیلت ره افتد به خم — خیاباں خیاباں به مینو به چم
به دم درکش آب گهر سائے را — نمودار کن گوهر لائے را
فرو رو بداں لائے و دیگر بروی — ز سرسبز گرد و فرو سو بپوی
شگافی از آں در بخویش اندر آر — بهشتی نسیمے به پیش اندر آر
بداں نم که اندر سرشت آوری — بداں باد خوش کز بهشت آوری
دل آویز تر جنبشی ساز کن — به جنبش رقم سنجی آغاز کن
درودے به عنوان دفتر نویس — بدیباچه نعت پیمبر نویس
محمدؐ کز آئینهٔ روے دوست — جز اینش ندانست دانا که اوست
زهی روشن آئینهٔ ایزدی — که در وے نگنجیده زنگ خودی
ز راز نهاں پردهٔ بر زده — ز ذات خدا معجزے سر زده
تمنائے دیرینهٔ کردگار — به وے ایزد از خویش امیدوار
تن از نور پالوده سرچشمهٔ — ولے هم چو مهتاب در چشمهٔ

به هر جام ازو تشنهٔ جرعه خواه به هر گام ازو معجزے سرِ براه
کلامش به دل در فرود آمدن ز دم جسته پیشی بزود آمدن
خرامش به سنگ از قدم نقشبند برنگے که نادیده پایش گزند
به دستش کشاد قلم نا رسا به کلکش سواد رقم نا رسا
دل امید جاے زیان دیدگاں نظر قبله گاه جهان دیدگاں
به رفتار صحرا گلستاں کنے به گفتار کافر مسلماں کنے
به دنیا ز دیں روشنائی دهے به عقبیٰ ز آتش رهائی دهے
بخوے خوش اندوه کاه همه به آمرزش امید گاه همه
لب نازنینش گزارش پذیر جهان آفرینش سپارش پذیر
زمیں دل ز کف دادهٔ پاے او خود از نقش پایش سویداے او
پئے آنکه او را ببوسد قدم لب آورده یثرب ز زمزم بهم
ز بس محرم پردهٔ راز بود به نزدیکی حق سر افراز بود
ز رازے که باوے سرودے سروش صدائیش بودے ز اول به گوش
خهے قبلهٔ آدمی زادگاں نظر گاه پیشیں فرستادگاں
کسائی[۱] ده نسل آدم بخویش روائی ده نقد عالم بخویش
بلندی ده کعبه بالاے او گرامی کن سجده سیماے او
یمن روشن از پرتو روے او ختن بستهٔ چین گیسوے او
به کیش فریور[۲] جهاں رهنمای ز بیراهه پویاں خراش ربای

---

۱ - کسائی : شخصیت (غالب) -

۲ - فریور : صاحب دبدبه (غالب) -

ز بت بندگی مردم آزاد کن جهانے بیک خانہ آباد کن
بہ محراب مسجد رخ آرائے دیر بہ اندیش خویش و دعا گوی غیر
تو گوئی ز بس دل ز دشمن رباست کہ سنگ درش سنگ آهن رباست
ز خونیکہ در کربلا شد سبیل ادا کرد وام زبان خلیل
گزین بندہ کز بندگی سر نہ تافت ز والا پسیچی عوض بر نہ تافت
کنش[۱] را بداں گونہ شیرازہ بست بدیں صفحہ نقشے چناں تازہ بست
کہ تا گردش چرخ نیلوفری بود سبز جایش[۲] بہ پیغمبری
دل افسردہ مالک[۳] ز خوش خوئیش کمر بستہ رضوان بہ دل جوئیش
ز کوثر بہ بینند تا در گہش ز طوبیٰ ہماں تا بہ لشکر گہش
کدوے گدا و شراب طہور کف پاے درویش و رخسار حور
ز بادے کہ از دم بر افلاک زد ز نقشے کہ از مہر بر خاک زد
فرازین جہانش ز خود بیش دید فرودین گروہش ہم از خویش دید
مگس ران خوانش پر جبرئیل[۴] بہ خواں گستری پیشکارش خلیل[۴]
جمالش دل افروز روحانیاں خیالش نظر سوز یونانیاں
بہ دم، حرز بازوے افلاکیاں بہ پیوند، پیرایۂ خاکیاں

---

۱ - کنش (بہ ضم کاف و کسر نون) : کردار و عمل -

۲ - سبز بودن جاے - خالی بودن جاے (غالب) -

۳ - اس فرشتے کا نام جسے دوزخ کا موکل کہتے ہیں جس طرح رضوان بہشت کا موکل ہے - مالک دل افسردہ اس لیے ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ و علیہ وسلم کی تعلیم مبارک سے دنیا کا بڑا حصہ راہ راست پر آ گیا اور یہ امر دوزخ کی بے رونقی کا باعث ہوا -

به معراج رایت به گردون برے بدیں شبرواں بر شبیخوں برے
سخن تا دم از ذکر معراج زد به من چشمک خواهش تاجِ زد
هانا تهیی دستم ۱ انگاشته که خواری به من بر روا داشته
چو نبود مرا زیں تمنا گزیر هر آئینه گردم تمنا پزیر
ز مه پایه تا کلبهٔ مشتری به رو بم فلک را بجولانگری
نفس ریزه هاے فروزنده هور۱ جگر پاره هاے کواکب ز نور
که افتاده بینم بداں رهگزار گدایانه بر چینم از ره نثار
نثار شبے کش ستایش گرم به چیدن ز بالا فرود آورم
کنم تاج طرح از گهر ریزه ها ز گوهر به تاج اندر آویزه ها

بسائل دهم تا رسانم سرش
بجاے کز آنجا رسید افسرش

---

۱ - آفتاب -

بیان معراج

همانا در اندیشهٔ روزگار　　شبی بود سر جوش لیل و نهار
شبی دید روشن کن دل فروز　　ز اجزای خود سرمهٔ چشم روز
شبی فرد فهرست آثار عید　　بیاضش ز جوش رقم نا پدید
ز ایام فیض سحر یافته　　به شبگیر خرشید در یافته
به روشن دلی مایه اندوز بود　　چنین شب مگر بهر یک روز بود
در آن روز فرخنده آن شب نخست　　همه روز خود را به خرشید شست
فرو رفت چون روز ، لیلای شب　　بر آراست محمل به رسم عرب
رخی جلوه گر در پرند سیاه　　چو از مردمک جوش نور نگاه
به راهش ز بس نور می بیختند　　به هر ذره خرشید می ریختند
چه بود از درخشندگی کان نه داشت؟　　نیازی به خرشید تابان نه داشت
نه گویم شبی ، ماه وش دلبری　　خور از زیور پیکرش گوهری
گر از زیوری گوهری کم شود　　چه از تابش پیکری کم شود
بزیر زمین کرده خفاش روی　　پئی امن گردید خرشید جوی
چنان گشته سر تا سر اجزای خاک　　فروغانی و روشن و تابناک

که گوئی مگر مہر زیر زمین
فروزاں فوه[۱] بود و پشت نگین

و یا خاک با جوهر آفتاب
بیامیخت چون دُردِ سے با شراب

سحر با خود از خود بریده امید
که چون پیش ایں شب تواں شد سپید

بفرض ار دراں شب ز بے ره دوی
زدے مہر تاباں دم از شب روی

بداں گونه بودے به چشم خیال
که شاهد نہد بر رخ از مشک خال

شده چشم اعمی در آں جوش نور
تماشا گر حال اهل قبور

دریغا نبودم ، اگر بودے
وزاں روشنی بینش افزودے

به خندیدے بر دبیر یسار
چو او را ز خود دیدے شرمسار

خرد گر بگوشش نفس سوختے
بروں زیں نمط مایه نندوختے

که برقیست امشب که رم نیستش
ز جا جستن دمبدم نیستش

چه گویم چساں گیتی افروز بود
شبے بود کز روشنی روز بود

از آں روز تشبیه عارض به شب
اگر رسم گشتے نه بودے عجب

دراں شب ز بس بوده رخشاں سرشت
فرو خوانده مردم خط سر نوشت

نگه را به هنگامه بے سعی و رنج
نمایاں ز دل راز و از خاک گنج

ز بس ریزش نور بالاے نور
به گیتی رواں بود دریاے نور

که ناگه درود سروشاں سروش[۲]
در آں بےکراں قلزم افگند جوش

---

۱ - فوه : ڈانک جو نگ کے تلے رکھتے ہیں - (غالب) نگ کی چمک بڑھانے کے لیے اس کے نیچے سنہرا یا رپہلا ورق رکھ دیتے ہیں - اسے فوه یا ڈانک کہتے ہیں -

۲ - سروشاں سروش : یعنی سروش سروشاں سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں -

ز بادیکه از بال جبریل[۴] خاست تنومند موجے ازاں نیل خاست

صداے رسید از پر بهمنی

که خود گوش چشمے شد از روشنی

سهیں پرده دار در کبریا کشایندۀ پرده بر انبیا
همایون هماے پیام آورے بآوردن نامه نام آورے
روان و خرد را روانی بدو نبیؐ را دم راز دانی بدو
امینے "نخستیں خرد۱،، نام او ز سر جوش نور حق آشام او
فروزاں به فرّ فروغ یقیں چناں کز مهؐ دل، ازوے جبیں
سرایندۀ راز بعد از درود بدیں پرده راز نهانی سرود
که اے چشم هستی بروے تو باز نیاز تو هنگامه آراے ناز
خداوند گیتی خریدار تست شب است ایں، ولی روز بازار تست
چنیں لنگر ناز سنگیں چرا نه ای طُور اظهار تمکیں چرا؟
کسان جلوه بر طور گر دیده اند ز راه تو آں سنگ برچیده اند
نه بینی به راه اندروں سنگلاخ کراں تا کران است راهے فراخ
بلے از گدایان دیدارخواه نه بنید کسے جز به ره روی شاه
عزیزے که فرمان شاهش بود گزیں پایه دربارگاهش بود
به دور تو شد "لن ترانی" کهن فصاحت مکرر نه سنجد سخن
ترا خواستگارست یزدان پاک هر آئینه از "لن ترانی،، چه باک؟
توئی کانچه موسیٰ به او گفته است خداوند یکتا به تو گفته است
توئی آنکه تا مر ترا خوانده اند دریں رهگزر گرد بنشانده اند

---

۱ - عقل اول -

ز ایمن چگوئی که راه ایمن است   به شبگیر برشو که شب روشن است
بنه در ره از پرتوِ روے خویش   چراغے فراطاق ابروے خویش
نه گویم که یزداں ترا عاشق است   ولے زاں طرف جذبهٔ صادق ست
جہاں آفریں را خورو خواب نیست   تو فارغ به بستر چه خسپی؟ بایست

بیارای شمشاد بی سایه۱ را
به پیمای اورنگ نه پایه۲ را

چو خاطر به گفتار خویشش کشید   هماسایه رخشے۳ به پیشش کشید
به روحانیاں پرورش یافته   ز ریحان مینو خورش یافته
هیونے۴ که تا دم ز مستی زند   ز بالا قدم سوے پستی زند
ز گنبد بغلطانی از گردگان   نیفتد که آید فرو ز آسمان

---

۱ - شمشاد سے مراد قامت مبارک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے - بے سایہ اس لیے کہا کہ مشہور ہے حضور صلعم کا سایہ نہ تھا ، اگرچہ اس کے لیے کوئی مستند روایت نہیں -

۲ - اورنگ نہ پایہ سے مراد آسمان ہیں یا بلندیاں جن کے نو طبقے مانے جاتے ہیں -

۳ - رخش کے معنی سرخ و سفید رنگ ملا ہوا - چونکہ عام روایت کے مطابق رستم کے گھوڑے کا رنگ یہی تھا، اس لیے اسے رخش کہتے تھے - مجازاً گھوڑا - پھر اسے ''ہما سایہ'' کہا اس کے دو مفہوم ہیں - اول وہ گھوڑا جس کا سایہ یمن و برکت میں ہما کی خاصیت رکھتا ہے - دوم جس طرح ہما مفقود ہے، اسی طرح گھوڑے کا سایہ بھی معدوم ہے -

۴ - هیون : اونٹ اور سانڈنی کو کہتے ہیں - گھوڑے کے لیے بھی مستعمل ہے، یہاں مراد وہ خاص سواری یا مرکب مبارک ہے، جو رسول اللہ صلعم کے لیے لایا گیا -

شتابش به رفتار زان حد گزشت — که تا گوئی "آید"، ز آمد گزشت
به هم چشمی "هور"، ساغر سُمے — به هم دوشی "حور"، گیسو دُسے
سبک خیزی اش خنده زن بر نسیم — که در جنبش انگیزد از گل شمیم
هم از باد صبحے سبک خیز تر — هم از نکہت گل دل‌آویز تر
ز ساق و سمش گر به بزم مدام — کنی ساز تشبیه مینا و جام

ق

نه باشد شگفت ار به دیدن رسد — که آں باده پیش از رسیدن رسد
ز تیزی به گلبرگ گر بگزرد — ز گلبرگ رنگ آنچناں بسترد

ق

که دیگر بداں دیدۂ راست بیں — کدیور۱ نه داند گل از یاسمین
دو صد ره ز چشم ار به دل در رود — دریں ره به جستن سراسر رود

نه اجزاے بینش ز هم بگسلد
نه پیوند هنجار دم بگسلد

پیمبرؐ بدیں مژدۂ دل نواز — که بودش در اندیشه از دیر باز
ز بس ذوق ناسوده بر یال دست — برآں باره۲ یک بارگی بر نشست
مثل زد بریں ماجرا بلبلے — که باد آمد و برد بوی گلے
خراسے ز مقراض "لا"، تیز تر — جالے ز "الا"، دل آویز تر
چو بود آتش آں پویهٔ آتشیں — بر افروختش باد دامانِ زیں

---

۱ - کسان، مالی، رئیس ده - یہاں مراد ہے مالی -

۲ - باره کے کئی معنی ہیں مثلاً دیوار، قلعہ، شہر پناہ، گھوڑا وغیرہ یہاں گھوڑا یا سواری مراد ہے -

براق از قدم خار در راه سوخت
پیمبرؐ به دم ماسوی الله سوخت

فرس چون سواری سر افراز یافت دمے تازہ در خویشتن باز یافت
به جنبش درآمد عنان تا گہش فضاے زمیں گشت جولاں گہش
به سم گنج قارون نمایاں کناں به دم عقد پرویں پریشاں کناں
چنیں تا ز بیت‌المقدس گزشت ازیں کہنه کاخ مقرنس۱ گزشت
ہوا تا زند بوسه برپاے او به راه اندر آویخت درپاے او
ولے توسن از بسکه سرکش گزشت ہوا تا دہد بوسه ز آتش گزشت
قدم تا بر اورنگ ماہش رسید به اکلیل کیواں۲ کلاہش رسید
به بالید چنداں ز بیشیِ قدر که بے منت مہر گردید بدر
شد از پر دلی ہم به تحت‌الشعاع مقابل به خرشید در اجتماع
زمه گر کند مہر پہلو تہی چه غم، چون ز خویشش بود فربہی
چو فرماں چناں بودش از شہریار که گردد دراں راه منزل شمار
به ہنگام عرض نشانہاے راه برآں پیک دانا به بخشود شاه
به فرّ قبول خودش خاص کرد به داغش نشان مند اخلاص کرد
به سیمای مه داغ چون بر نہاد دوم پایه را پایه برتر نہاد

---

۱ - مقرنس (میم مضموم اور قاف و نون مفتوح) : ایسی عمارت جو بینی کوه کی مانند ہو - ''کاخ مقرنس'' سے مراد ہے آسماں -

۲ - زحل ستاره جو سب سے اونچا ہے -

صفاے کشاد خدنگ نگاہ بداں حد کہ شد تیرش۱ آماج گاہ
بہ شمعی کہ بینش بہ شبگیر سوخت شہ دیدہ‌ور تیر بر تیر دوخت
عطارد بہ آہنگ مدحت گری زباں جست بہر زباں آوری
بہ دستوری خواہش روزگار نہان خود از پردہ کرد آشکار

در اندیشہ پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرفت

بہ دل گرمئ شوق جرأت فزای شد از دست و گردیدہ دستاں سرای
دریں صفحہ مدحی کہ من می کنم خود از گفتۂ خود سخن می کنم
کہ ای ذرۂ گرد راہ تو من ز خود رفتۂ جلوہ گاہ تو من
نظر محو حسن خدا داد تو ستم کشتۂ غمزۂ داد تو
بہ رفتار رخش تو اختر فشاں بہ گفتار لعل تو گوہر فشاں
قبول غمت حرز بازوے شاہ غریب رہت جنت آرام گاہ
خراج تو بر گنج گل شائیاں نثار تو پا رنج۲ مشائیاں

---

۱ - یہاں ''تیر'' سے مراد عطارد ستارہ ہے، جیسا کہ میرزا خود اس مثنوی کے اوائل میں لکھ چکے ہیں۔

۲ - ''پارنج،، اس انعام یا عطیے کو کہتے ہیں جو قاصد کو دیا جاتا ہے۔ لفظی معنی چلنے میں جو تکلیف اٹھائی، اس کا صلہ۔ مشائی کے معنی ہے چلنے والا۔ یہ لفظ ابتدا میں ان یونانی فلسفیوں کے لیے مروج ہوا، جو درس حکمت دیتے وقت ٹہلتے رہتے تھے۔ پھر یہ ان فلسفیوں کے لیے ایک اصطلاح بن گئی، جن کا تعلق دبستان ارسطو سے تھا اور جو اپنے تمام دعاوی کا اثبات دلائل سے کرتے تھے، خواہ وہ مشاہدے پر مبنی ہوں یا عقل سلیم پر۔ ''مشائیوں'' سے مراد وہی فلسفی ہیں۔

جہان آفریں را گرایش بہ تو   گنہ بخشی اش را نمایش بہ تو
سر من کہ بر خط فرمان تست   نجاتش ز دوراں بہ درمان تست

دریں رہ ستایش نگار تو ام
بہ بخشایش اُمیدوار تو ام

ازاں پس کہ گشت اندراں مرحلہ   عطارد فروزاں بہ نور صلہ
سپہر سوم گشت جولاں گہش   جبین سود ناہید[1] اندر رہش
بط و بربط از پیش بر چیدنش   نشان می و نغمہ پوشیدنش
بداں گرمی از جاہر انگیخت گرم   کہ خونش ز اعضا فرو ریخت گرم
نہ تنہا بہ رخسارہ رنگش شکست   کہ از لرزہ در دست چنگش شکست
بہ ناخن شکستش از آں زخمہ نے   کہ دلہای شوریدہ خستے بہ وے
ز بیم از کف چنگیٔ دل نواز   بغیر از دف مہ فرو ریخت ساز
چو در حلقۂ شرع شد چنبری   بداں دف درآمد بہ خنیا گری[2]
مہ و زہرہ با ہمد گر خوش بود   چو ساقی کہ از نغمہ سر خوش بود

---

۱ - ناہید کو ''زہرہ،، بھی کہتے ہیں - اور لولی فلک بھی - اس کا مقام خاص تیسرا آسمان ہے - چونکہ اس سے گانا بجانا اور عیش و عشرت منسوب ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس کا سامان خاص اٹھا دیا گیا یا چھپا دیا گیا - اس کا چہرہ فق ہو گیا - ایسا لرزہ طاری ہوا کہ ہاتھ میں جو ساز تھا، وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا -

۲ - نغمہ گری، مطربی، قوالی -

بدان دم که زاور۳ به راش گرفت   چو شه سوی بالا خرامش گرفت

ردا ے ز نورش به انعام داد

که در جلوه بر سر کشد بامداد

رباط سوم چون نوردیده شد   فرازش رباط دگر دیده شد

زر اندوده کاخے گزیں منزلے   ز بس روشنی دل نشیں منزلے

ز هوشنگ هوشان کاؤس کوس   بسی بر در خانه در خاکبوس

به بالا و پائین ز شش راهرو   نظر ها بدان حلقهٔ در گرو

بدان در به دریوزه روے همه   وزان قلزم آبے بجوے همه

دران کاخ جا کرده نام آورے   شهنشه نه گویم شهنشه گرے

جهانگیری شهر یاران بدو   گل افشانی نو بهاران بدو

اگر نور گوئی نمودش ازو   و گر سایه جوئی وجودش ازو

به بی خواهشی با نظر های پاک   ز لعل و زر اکسیری سنگ و خاک

به سرهنگی شرع هنگامه ساز   بدو بسته گر روزه ور خود نماز

ز شادی سر از پای نشناخته   پزیره شدن را بروں تاخته

رواں پیش پیشش مسیحا و بس۱   روانهای شاهان پیشیں ز پس

قدمبوس پیغمبرؐ آهنگ کرد   ز بس بوسه جابر قدم تنگ کرد

ز مهرش به جنبش درآمد لبے   به هر بوسه رست از فلک کوکبے

بدنیساں که گردوں پر از کوکب است   هما ناز گلبازیٔ آں شب است

---

۱ - زاور : زهره

۲ - یہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے ، جنہیں عام طور سے چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے -

رسیدش بدان خسروانی مناص[۱] به تعمیم اوقات در وقت خاص
ز نیر نیاز و ز شاهان سجود ز عیسیٰ سلام و ز یزداں درود
خرامنده کبک بلندی گرای براں زمرہ گسترد ظل ہمای
توانا رہ انجام گردون خرام
فرا تر زد از چارمیں چرخ گام
ز فر سوار و خرام ستور به پنجم نشیمن در افتاد شور
سپہری سپہبد[۲] به پر کلاہ گہر ریزہ ہا رُفت از شاهراہ
ولے بود چوں بر کمر دامنش توانگر نه کرد آن گہر چیدنش
اگر خود ہماں یک کله دار برد نه آخر گہر ہائے شہوار برد
بگو تا بدان گوہریں افسری به خرشید تاباں کند ہمسری
ازیں بیش کس چوں توانگر شود که سرہنگ باشه برابر شود
ازاں دم که خونش به رگ گرم شد به منت پزیری دلش نرم شد
رگ گردنش از وفا پیشگی ثمر سجدہ آورد در ریشگی
صف آرا گروہے ز بہرامیاں[۳] چو پیرامن کعبه احرامیاں

---

۱ - مناص : مقام ، منزل، قیام گاہ -

۲ - سپہری : سپہبد سے اشارہ مریخ ستارے کی طرف ہے -

۳ - بہرام فارسی میں مریخ ستارے کو کہتے ہیں، لہذا بہرامیوں سے مراد ساکنان مریخ اور مخلوق فلک پنجم ہیں - اس شعر سے آگے چونتیس شعر ایسے ہیں جو ''ابر گہر بار،، کی طبع دھلی میں شامل نہیں، لیکن کلیات میں شامل ہیں حالانکہ کلیات کی طباعت ''ابر گہر بار،، طبع اول سے کچھ پیشتر ہوئی - معلوم ہوتا ہے کہ ابر گہر بار کی کتابت کرتے وقت کاتب پورا ایک صفحہ نظر انداز کر گیا اور اس کے ہر صفحے میں چونتیس ہی شعر ہیں -

نیاگان[۱] من تا جهانبان پشنگ[۲] قدم بر قدم اندران حلقه تنگ
به آسیب بازو به بازو زدن[۳] ز هم جسته پیشی به زانو زدن[۴]

روانهاے ترکان خنجر گزار
پر افشان دران بزم پروانه وار

شهنشاه چون عرض لشکر گرفت فراز ششم چرخ ره بر گرفت
به پیش آمدش دلکشا معبدی چنان چون به‌ره نا گهان گنبدی
سروشان فرخنده امشا سپنده[۵] زده بر در صو معه دست بند
در و بام کاشانه خرشید زاے نکو محضری را به کاشانه جاے
که منشور خوبی به تمغاے اوست ظهور سعادت به امضاے اوست
کنش را به با یست نیرو دهی منش را به فرزانگی خو دهی

---

۱ - آبا و اجداد -

۲ - پشنگ (پ مضموم وش مفتوح) افراسیاب کے باپ کا نام تھا ، چونکہ میرزا اپنے آپ کو پشنگ و افرا سیاب کی اولاد میں سے مانتے تھے لهذا کہا کہ میرے بزرگ پشنگ بادشاہ تک وهاں موجود تھے اور ان سب کو مریخ میں اس لیے رکھا کہ وہ جنگجو اور تیغ زن تھے اور ایسی روحوں کے لیے موزوں مسکن مریخ هی هو سکتا ہے -

۳ - بازو زدن : اپنے بازوؤں پر تھاپ لگانا جیسا کہ پهلوان کشتی کے لیے تیار هونے پر کرتے ہیں -

۴ - زانو زدن : با ادب بیٹھنا یعنی دو زانو هو کر نیز سر بہ سجود هونا کیونکہ سجدے میں بھی زانو زمین پر ٹیکنے پڑتے ہیں - یہاں مراد ہے با ادب بیٹھنا -

۵ - امشا سپند، (قاطع برهان نے ''امساسبند،، اور امشاسفند بھی لکھا ہے) بہ معنی فرشتہ و ملک -

به تلخی گوارا چو قهر طبیب ‏ به تندی ملائم چو خشم ادیب

جوان بخت پیرے، هایون صفات ‏ ز دل زندگی بر مزاج حیات

خداوند از پاکی گوهرش ‏ بیفشرد از مهر اندر برش

خداوند دریا و برجیس۱ سیل ‏ ازیں سو کشش بود و زانسوے میل

بداں جذب و سیلے که انگیخت نور ‏ چو شیرو شکر باهم آمیخت نور

خورد آب در راه رهرو اگر ‏ پیمبر به ره خورد شیرو شکر۲

بجوشید سر چشمهٔ نور ازو ‏ خوشا راهرو، چشم بددور ازو

بداں جرعه کز چشمهٔ نوش زد ‏ بداں ذوق کاندر دلش جوش زد

به لطفش دم از آب حیواں گزشت ‏ به موجش سر از کاخ کیواں گزشت

به چشم اثر بین فرزانه در ‏ درآمد چراغے بداں خانه در

که گرخود تواں گوهر جاں شناخت ‏ فروغ وے از داغ نتواں شناخت

به دل تنگی از بس فرو خورده دود ‏ شده شعله را روے روشن کبود

دراں پرده هندوے واژون پسیچ ‏ به زنار تابی کفش خورده پیچ

---

۱ - ستارہ مشتری، جس کا خاص مقام چھٹا آسمان مانا جاتا ہے -

۲ - معراج کی روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن دودھ کا اور ایک شراب کا پیش کیا گیا - حضور اکرم صلعم نے دودھ پسند فرمایا - جبریل علیہ السلام نے بتا دیا کہ حضور انور صلعم نے فطرت اصلیہ کو پسند فرمایا - شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو فطرت اصلیہ پر جمع کرنے والے تھے - دودھ اختیار کرنے سے مراد یہی ہے کہ اُمت فطرت اصلیہ کو پسند کرے -

سراسیمه از بس به تعظیم جست نخ از دست رفت و بهم سود دست
بران رفته مسکین تاسف کنان ز خجلت به رفتن توقف کنان
زدش بسکه در هر قدم بر ملا ادب "دورباش"، و عنایت "صلا"،
فروماند حیران بدان کار در گران گشت پایش به رفتار در
پیغمبرؐ که پوینده راه بود به دادار جوینده راه بود
چو زین گونه زین هفت در بند ژرف پدید آمدش فتح یابی شگرف۱
سپهر ثوابت۲ به پیش آمدش گهر ها ز اندازه بیش آمدش

گهر پیکران از یمین و یسار
نمودند برشه گهر ها نثار

همانا سپهر اندران مرحله ز هجرش دلے داشت پر آبله
و یا خود نگاهش دران شهر بند ز تیزی به دیوار روزن فگند
که از جذبهٔ شوق و ذوق ظهور ز روزن شد آن پرده غربال نور
زہے شوق گستاخ دیدار خواه زہے حسن مستور عاشق نگاه
بدان شوق نازم که بے خویشتن دود حسن سویش چنین قطره زن

---

۱ - یہاں پہنچ کر وہ چونتیس شعر ختم ہو گئے، جو ابر گہر بار طبع دھلی میں شامل نہ ہو سکے -

۲ - پرانے علم ہیئت کے مطابق ثوابت سات معروف ستاروں کے علاوہ ان ستاروں کو کہتے تھے کہ یا تو وہ حرکت کرتے ھی نہیں یا ان کی حرکت ایسی ھے کہ وہ حرکت نہ کرنے کے برابر ھے مثلاً کئی کئی ہزار سال میں وہ محور کا ایک چکر لگاتے ہیں - ثوابت کے آسمان سے مراد ھے فلک ہشتم -

مگر قدسیاں را خود از دیر باز به راه نبیؐ چشمہا بود باز
ویا رحمت حق بجولاں گہش ز سر جوش نور آب زد در رہش
خرامندہ اندر گزر گاہ ناز خراش ہمے کرد با برگ و ساز
بنظّارہ ہفت آشنا از پیش روا نہاے کروبیاں بر خیش۱
صور گونہ گون از جنوب و شمال کشودند بند نقاب خیال
حمل سر بہ نرمی فراپیش داشت سپاسے ازاں لا بہ بر خویش داشت
نہ بینی کہ حیوانِ بیگانہ خوی بپوزش ز منعم بود طمعہ جوی
چو او راست چوپانی آں رمہ ہر آئینہ تازند سویش ہمہ
دود گاو تا سوے او بے درنگ سرون۲ خودش زد بہ دل گاوشنگ۳
نبودے اگر شیر در عرض راہ چریدے بہ چالاکی از خوشہ کاہ
تو گوئی بہ راہ خداوند دور سپہر از نمود ثریا و ثور
گدائیست ہندی کہ سر تا بپا بہ خرمہرہ آراستہ گاو را
بہ دریوزہ گستاخ پوید ہمے ز رہرو بہ رہ وایہ جوید ہمے
برینی سروشانِ فرخ لقا ازاں ہر دو کاشانۂ دلکشا

---

۱ - برخی : بفتحتین بہ معنی صدقہ و قربانی (غالب) ۔

۲ - سرون : بہ فتح س اور بہ ضم ر بہ معنی جانوروں کے سینگ اور ہر دو مضموم بہ معنی پچھلا حصہ ۔

۳ - گاؤشنگ : بہ معنی چو بے کہ بداں گاورا رانند (غالب) یعنی بیل ہانکنے کی لکڑی ۔ اصل میں اس لکڑی کے سرے پر لوہے کی ایک تیز سوئی سی لگی ہوتی ہے، جسے جانور کے پُٹھے میں چبھوتے ہیں تو وہ تیز چلتا ہے ۔

ز پیوند خوشحالی سهر و ماہ　　به بستند حرزے به بازوے شاہ
که چوں باز گردد به بنگاہ خاک　　نه باشد ز چشم بد اندیشه ناک
دو پیکر که گوی ورا تو اماں　　به رهرو پزیری در آمد چماں
پئے هستی شه به دست نیاز　　ره آوردے از روز های دراز
ز بس بود جوزا۱ دران رهروی　　کمر بستهٔ خدمت خسروی
بداں تار دو نیمه از نیمه پیش　　ز تیزی به برّید پیوند خویش
چو همسایه بکشود در هاے نور　　به غلطید سرطان۲ به دریاے نور
به کاشانهٔ مه ازاں فتح باب　　به بستند پیرایهٔ ماهتاب
چناں دلکش اُفتاد از هر طرف　　که بر جیس را گشت بیت الشرف۳
به شاهانه کاخے کاسد نام داشت　　دراز نقطهٔ اوج بهرام داشت
کشودند در تابداں اصطکاک۴　　شود دشمنان را جگر چاک چاک

---

۱ - جوزا آسمان کے بارہ برجوں میں سے ایک برج - اصلاً جوزا اس بکری کو کہتے ہیں ، جو سیاہ سفید ہو اور سیاہ بکریوں کے ریوڑ میں وہ ممتاز ہوتی ہے - اسی طرح برج جوزا دوسرے برجوں کے مقابلے میں زیادہ روشن ہوتا ہے اس لیے ممتاز مانا گیا - اس کی شکل دو جڑواں لڑکوں کی سی -

۲ - چوتھا آسمانی برج -

۳ - بزرگی اور بلندی والا مکان - منجموں کی اصطلاح میں وہ برج کہ سات سیاروں میں سے جب کوئی سیارہ اس میں پہنچتا ہے۔ تو شرف و سعادت کا حامل بن جاتا ہے - مثلاً آفتاب کا مقام شرف برج حمل، مشتری کا مقام شرف برج سرطان ،

۴ - اصطکاک : بہ معنی آواز کشودن در (غالب) یعنی دروازہ کھلنے کی آواز- دو سخت چیزوں کو ایک دوسری پر مارنے سے جو صدا بلند ہوتی ہے، اسے بھی اصطکاک کہتے ہیں -

نه شد گرچه چون گاو قربان او ولی شیر شد گربهٔ خوان او
نه چنداں به محنت کشی خو گرفت که برگا و بتواند آهو گرفت
نه در پنجه زور و نه در سینه دم فرو ماند بی حس چو شیر علم
شود تا خداوند را سجده بر بر آورد از خوشه صد دانه سر
دراں راه گر توشهٔ داشت چرخ هم از خرمنش خوشهٔ داشت چرخ
ازیں ره به خود بسکه بالید تیر هم از خانهٔ خود شرف دید تیر
کشایش در گنج تا باز کرد به میزاں گہر سنجی آغاز کرد
از آنجا که در مطرح۱ روزگار ترازو پئی سختن۲ آید به کار
سپہر از شرف تا خیالے به پخت زحل را به خاک ره خواجه سخت
هم آن پله را چرخ فرسائے دید هم این پله را بر زمیں جائے دید
به عقرب۳ خداوند آں جلوه گاه براں شد که تازد به سویش ز راه
ولے چون نگہبانی راه داشت سر باز گشت شہنشاه داشت
نگه داشت خود را ازاں بی رهی که از حکم شه سر نه پیچد رهی۴

---

۱ - مطرح : مختلف چیزیں ڈالنے کی جگہ، کیسہ ، شکاریوں کا تھیلا جس میں شکار ڈالے جاتے ہیں -

۲ - سختن : بہ معنی وزن کردن (غالب) -

۳ - عقرب : ایک برج کا نام ہے، اسی طرح میزان جو چند شعر اوپر آ چکا ہے اور میزان ترازو کو بھی کہتے ہیں -

۴ - رهی : غلام، عبد -

به قوس۱ اندر آورد چون‌خواجه روی　　سعادت به برجیس شد مژده گوی
کمان گشت زیں فخر قربان خویش　　ز هی طالع غالب عجز کیش
بدیں خوش دلی بایدم شاد زیست　　که در طالع من قدسبوس کیست
پزیرفت خوا هم ز گردون سپاس　　که باشد مرا طالع روشناس
کماں چون بد ینساں نمایش گرفت　　خدنگ خبر زو کشایش گرفت
چناں جست تیر از کماں دل پسند　　که ننشست جز در دل تو سپند
گرفتش دواں سعد ذابح۲ به راه　　که نخچیر گیرد جلو دار شاه
چو شد ذابح از تشنگی تاب کش　　به دو لاب شد فرع دلو آب کش
عزیزاں بہم کار دیں می کنند　　بلے خواجه تاشاں چنیں می کنند
زہے شوکت خواجۂ رہ سپار　　که باشندش اختر به رہ پیشکار
سپہری رفیقان بسیار فن　　گسستند از دلو۳ گردون رسن
به غمخوارگی تافتندس به دست　　که‌گیرد مگر خواجه ماهی به شست

ز حق هر که فرمان شاهی گرفت
تواند ز مه تا به ماهی گرفت

ازاں پس که ایں راه کوتاه شد　　حمل تا به حوتش قدمگاه شد

---

۱ - آسماں کا نواں برج، جس کی شکل کمان کی ہے -

۲ - سعد ذابح : اس سے مراد دو ستارے ہیں ، جو چاند کی بائیسویں منزل ہیں - ان ستاروں کے درمیان فاصلہ صرف ایک هاتھ کا هے - ان میں سے ایک کے پاس ایک چھوٹا سا ستارہ ہے ، جسے دیکھیں تو معلوم هوتا ہے کہ اسے ذبح کرنے کے در پے ہے -

۳ - آسماں کا گیارھواں برج جسے آفتاب کا وبال مانا جاتا ہے -

بداں پویه پیمود ایں هشت چرخ   که صد بار گرد سرش گشت چرخ

نهم پایه کاں را تواں خواند عرش   به ره ز اطلس خویش گسترد فرش

زہے نامور پایهٔ سرفراز   سرا پردهٔ خلوتستان راز

سر رشتهٔ نازش چون و چند   به پیوند هستی بداں پایه بند

بود گرچه برتر ز افلاکیاں   ولے لرزد از نالهٔ خاکیاں

دل بے نواے گر آید به درد   نشیند بداں پایهٔ پاک گرد

صداے شکست کمر گاه مور   دریں جاست هیچ و درآں پرده شور

نه از مهر نام و نه ز انجم نشاں   نه دریا نمایاں، نه ریگ رواں

دو گیتی نمایش ز صبحش دمے   خود آن صبح را هر فلک شبنمے

ز ایزد پرستاں به هر سر زمیں   بود سجده آں جا چو سر بر زمیں

بساطے هم از خویشتن تابناک   ز آلایش کلفت رنگ پاک

ز بس پاے لغز خیال از صفا   رسیدن به پهناے آن نارسا

درآمد گرانمایه مهمان حق   به رخ ماهتاب شبستان حق

قدم زد به راہے که رفتن نه داشت   نگهبان و همراه و رهزن نه داشت

در آنجا که از روے فرهنگ و راے   بجا باشد ار خود نه گویند جاے

جهت را دم خود نمائی نه ماند   زمان و مکان را روائی نه ماند

غبار نظر شد ز ره ناپدید   سراپاے بیننده شد جمله دید

در آورد بے کلفت سمت و سوی   بنورالسموات والارض روی

تماشا هلاک جمال بسیط   فروغ نظر موجهٔ زاں محیط

شنیدن شهید کلامے شگرف   منزه ز آمیزش صوت و حرف

کلامے به بیرنگی ذات علم
شنیدن به عقل اندر اثبات علم

نخستیں دراز "لا"، کشود آں رواق
ز "الا"، به صد اندرش پیش طاق

بر "الا"، رسید و ز "لا"، در گزشت
رسیدن ز پیوند جا در گزشت

دراں خلوت آباد راز و نیاز
بروے دوئی بود چوں در فراز

نه ماند اندر "احمد"، ز میمش اثر
که آں حلقهٔ بود بیروں در

احد جلوه گر با شیون و صفات
بنی محو حق چوں صفت عین ذات

فروغے به مهر جهانتاب در
به هر ذره تابے ازاں تاب در

ز خرشید نا گشته پرتو جدا
محیط ضیا خود محیط ضیا

رقمهای اندازهٔ هر شمار
هماں از شگاف قلم آشکار

دو عالم خروش نوا های راز
و لیکن هماں در خم بند ساز

ورق در ورق نکتهٔ دل پزیر
و لیکن هماں در خیال دبیر

ز گفتن، شنیدن جدائی نه داشت
نمودن، ز دیدن جدائی نه داشت

چو اندازهٔ هر نمایش گرفت
ز وحدت به کثرت گرایش گرفت

به حکم تقاضای حب ظهور
تنزل در اندیشه آورد زور

احد کسوت احمدی یافته
دم دولت سرمدی یافته

به کوشش ز طبع وفا کوش او
هماں میم او حلقهٔ گوش او

به هرگونه بخشش سرفراز گشت
هم از حضرت حق بحق باز گشت

بیامد بدیں خاکداں بے درنگ
چو در جوے آب و چوبر روے رنگ

نه رفته بروں پاے از نقش پاے
که کرده قدم بر قدمگاه جاے

شرارے که از سنگ آں آستاں
بدر جست از نعل برق جهاں

هنوزش قدم در ره اوج بود که آمد ز بالا به پستی فرود
به جنبش درش حلقهٔ در همان ز وے گرم بالین و بستر همان
سرے را که رحمت نهد در کنار در آورد محبوب پروردگار

به خوابے که بیداری بخت او
ز تار نظر بافتے رخت او

سحرگه که وقت سجودش رسید ز همنام یزدان درودش رسید
به شادی درآمد علی[۴] از درش وصال علی شادی دیگرش
شب از بادهٔ قدس ساغر گرفت صبوحی ز دیدار حیدر گرفت
جمال علی چشمهٔ نوش بود صبوحی هم از بادهٔ دوش بود
دو هم راز باهم دگر راز گوی نشانهای بینش بهم باز گوی
دوچشم است وهرچشم را بنیشے است ولے آنچه بینند هر دو، یکے است

نه گنجد دوئی در نبی ص و امام
علیه الصلوة، علیه السلام

◎◎◎◎

منقبت

هزار آفریں بر من و دین من　　که منعم پرستی است آئین من
چراغے که روشن کند خانه ام　　تو گوئی منش نیز پروانه ام
حریفے که نوشم می از ساغرش　　به هر جرعه گردم به گرد سرش
برانم که دادار یکتا ستے　　فروغ حقائق ز اسما ستے
به هر گوشه از عرصهٔ این طلسم　　دهد روشنائی جداگانه اسم
بران شے که هستی ضرورش بود　　به اسمے ز اسما ظهورش بود
کزاں اسم روشن شود نام او　　بداں باشد آغاز و انجام او
بود هر چه بینی سودائے دوست　　پرستار اسمے ز اسمائے دوست
هر آئینه در کارگاه خیال　　کزاں جاست انگیزش حال و قال
لبم در شمار ولی اللهی ست　　دلم راز دار علی اللهی ست
چو مربوب این اسم سامیستم　　نشاں مند ایں نام نامیستم
بلندم به دانش نه پستم همے　　بدیں نام یزداں پرستم همے
نیاساید اندیشه جز با علی[ع]　　ز اسما نیندیشم الّا علی[ع]
به بزم طرب هم نوایم علی[ع] است　　به کنج غم، انده ربایم علی[ع] است

به تنهائیم راز گوئی به اوست — به هنگامه ام پایه جوئی به اوست
در آئینهٔ خاطرم رو دهد — به اندیشه پیوسته نیرو دهد
مرا ماه و مهر و شب و روز اوست — دل و دیده را محفل افروز اوست
به صحرا، به دریا براتم ازوست — به دریا ز طوفاں نجاتم ازوست
خدا ، گوهرے را که جاں خوانمش — ازاں داد تا بروے افشانمش
مرا مایه در دل و گر جاں بود — ازو دانم ار خود ز یزداں بود
کنم از نبیؐ روے در بو تراب — به مه بنگرم جلوهٔ آفتاب
ز یزداں نشاطم به حیدر بود — ز قلزم به جو آب خوشتر بود
نبیؐ را پزیرم به پیماں او — خدا را پرستم به ایمان او
خدایش روا نیست هر چند گفت — علیؑ را توانم خداوند گفت
پس از شاه کس غیر دستور نیست — خداوند من از خدا دور نیست
نبیؐ را اگر سایه صورت نه داشت — تردد نه دارد، ضرورت نه داشت
دو پیکر دو جا در نمود آمده — اثرها بیک جا فرود آمده
دو فرخنده یار گرانمایه بیں — دو قالب زیک نور و یک سایه بیں
بداں اتحادے که صافی بود — دو تن را یکے سایه کافی بود
ازاں سایه یک جا گرایش کند — که احمد ز حیدر نمایش کند
به هر سایه کافتد ز بالاے او — بود از نبی سایه هم پاے او
زہے قبلهٔ اهل ایماں علی — به تن گشته همسایهٔ جاں علی
پدیدار در خاندان نبی — به گیتی در، از وے نشان نبی
به یک سلک روشن ده ویک گهر — نبی را جگر پاره، او را جگر

جگر پاره ها چون برابر نہند به گفتن جگر نام آن بر نہند
علی[۴] راست بعد از نبیؐ جاے او ہماں حکم کُل دارد اجزاے او
همانا پس خاتم المرسلینؐ بود تا به مہدی علی[۴] جانشین
نژاد علی[۴] با محمدؐ یکے است محمدؐ ہماں تا محمد یکے است
در احمدؐ الف نام ایزد بود ز میم آشکارا محمدؐ بود
الف میم را چوں شوی خواستار
نه ماند ز احمدؐ بجزهشت و چار ۱
ازیں نغمه کاینک ره هوش زد به دل ذوق مدح علی[۴] جوش زد
ز کویش به گلشن سخن مے کنم ستم بر گل و نسترن مے کنم
ز نطقش به گفتار خواں مے نہم سخن را شکر در دهاں مے نہم
ز لطفش به هستی خبر مے دهم به ریگ رواں دجله سر مے دهم
علی[۴] آں ز دوش نبیؐ رفرفش علی آں یدالله را کف کفش
خدا را گزیں بندهٔ رازدار خدا بندگاں را خداوندگار
به تن بینش افروز آفاقیاں به دم دانش آموز اشراقیاں
به کثرت ز توحید پیوند بخش به بے برگ نخل بر و مند بخش
به سائل ز خواهش فزوں تر سپار به لب تشنهٔ جرعه کوثر سپار
نوید ظفر، گردے از لشکرش حساب نظر، فردے از دفترش

---

۱ - یعنی اسم مبارک احمد سے ''الف،، اور ''میم،، الگ کر لیے جائیں تو ''ح،، اور ''دال،، رہ جائیں گے - ''ح،، کے عدد آٹھ اور دال کے چار ہیں - یہ مل کر بارہ ہوئے اور میرزا کے نزدیک ان سے بارہ امام مراد ہیں۔ دو شعر اوپر مصرعہ ثانی میں پہلے محمدؐ سے رسول اکرم صلعم اور دوسرے محمد سے محمد المہدی مراد ہیں -

گداز غمش کیمیاے سرشت   غبار رهش سیمیاے بهشت
نگه کوثر آشامد از روے او   روان تازه رو گردد از بوے او
نیازرده گوشش ز آواز وحی   ضمیرش سرا پردهٔ راز وحی
به راه حق اندر نشانها ازو   به هر نکته در داستانها ازو
به پیوند او ربط هر سلسله   خود او را رهی[1] خضر هر مرحله
گزشته به معشوقی از همسری   بدوش نبیؐ پایش از بر تری
زمین و فلک در گزرگاه او   غبار سحر خیزیِ آه او
اگر پارهٔ گشته پستی گرا   بود پارهٔ هم چناں بر هوا
به یاد حق از خواهش نفس دور   ز شادی ملول و به انده صبور
به چشمے که گرید به بزم اندروں   دل آسوده خسپد به رزم اندروں
به درویشی اش فر شاهنشهی   زہے خاکساری و ظل اللهی
هوا و هوس گشته فرماں پزیر   به فرماں روائی حصیرش سریر
خرد زّله خوارش به فرزانگی   قضا پیشکارش به مردانگی
نهانش بیاد آوری دلکشاست   عیانش بری نام مشکل کشاست
براهیمؑ خوے، سلیمانؑ فرے   مسیحاؑ دمے مصطفیاؐ گوهرے
لباس وفا را طراز عمل   جهان کرم را صباح ازل
نهادش به خلق خدا مهر خیز   جبینش به درگاه حق سجده ریز
نوید نجات اسیران غم   نظر گاه احرامیان حرم
ز شش سو بسویش نگاه همه   ولادت گهش قبله گاه همه
روان و خرد گردے از راه او   نه ایزد، ولے کعبه درگاه او

---

۱ - رهی به معنی غلام (غالب) -

حدوثش نمود حدوث جهاں　　به گردندگی درگهش آسماں
اگر خاکبازان دشت نجف　　به خرشید سازی کشایند کف
چو انجم به شب مهر گیتی فروز　　نیارند مردم شمردن به روز
نبیؐ را جگر تشنه روے او　　خدا را به خواهش نظر سوے او
کسانے که اندازه پیش آورند　　سخنها ز آئین و کیش آورند
به نادانی از شور گفتار من　　سگالند زاں گونه هنجار من
که آرایش گفتگو کرده ام　　به حیدر ستائی غلو کرده ام
مرا خود دل از غصه بیتاب باد　　ز شرم تنک مایگی آب باد
چه باشد ازیں بیش شرمندگی　　که خور را ستایم به رخشندگی
به بحر از روانی سرایم سرود　　به خلد از ریاحیں فرستم درود
به گلشن برم برگے از نسترن　　به پیچاک سنبل فروشم شکن
ستایم کسی را که در داستان　　شوم با سخن آفریں هم زباں
به رد و قبول کسانم چه کار ؟　　علیؑ بایدم، با جهانم چه کار ؟
در اندیشه پنهان و پیدا علی است　　سخن کز علی میکنم با علی است
دلم در سخن گفتن افسرده نیست　　هما نا خداوند من مرده نیست
چو خواهم حدیثے سرودن ازو　　بود گفتن از من شنودن ازو
گر از بنده های خدا چوں منے　　که در خرمن ارزد به نیم ارزنے[1]
علیؑ را پرستد به کیش خیال　　چه کم گردد از دستگاه جلال؟
گلستاں که هر سو هزارش گل است　　همه سبزه و لاله و سنبل است

---

۱ - ارزن : چینا، ایک غله جس کے دانے بہت باریک ہوتے ہیں -

اگر رفت برگ خزانے ازاں چمن را نه باشد زیانے ازاں
نه دارد غم و غصه یزدان پاک علی را اگر بنده باشم، چه باک؟
تو غافل ز ذوق ثنا گوئیم سزا گویم و نا سزا گوئیم
مرا نا سزا گفتن آئیں مباد لب من رگ ساز نفریں مباد
بود گر چه با هر کسم سینه صاف من و ایزد البته نبود گزاف
که تا کینه از مهر بشناختم به کس غیر حیدر نپرداختم
جوانی بریں در بسر کرده ام شبے در خیالش سحر کرده ام
کنونم که وقت گزشتن رسید زمانِ به حق باز گشتن رسید
د مادم به جنبش ورائے دل است شنیدن رهین صدائے دل است
که برخیزد آهنگ ره ساز ده به جمازهٔ خفته آواز ده
به شبگیر زیں تیره مسکن بر آ به جنباں درای و به رفتن در آ
نجف کاں نظر گاه امید تست طرب خانهٔ عیش جاوید تست
نه دور ست چنداں که فرسخ شمار بر نجاند اندر شمردن یسار
دلیرانه راهے بریدن تواں به آرامگاهے رسیدن تواں
بر آن است دل بلکه من نیز هم که چوں جاں خود آں جاست تن نیز هم
بود گرچه ثابت که چوں جاں دهم علی گویم و جاں به یزداں دهم
به هند و عراق و به گلزار و دشت به سوے علی باشدم باز گشت
و لیکن چوں آں ناحیه دلکش است اگر در نجف مرده باشم خوش است
خوشا عرفی و گوهر افشاندنش به انداز دعوی پر افشاندنش
که ناگاه کار خود از پیش برد به دشت نجف لاشهٔ خویش برد

تن مردہ چوں رہ بہ مژگاں رود اگر زندہ خواهد خود آساں رود ۱
چو عرفی سر و برگ نازم کجا بہ دعوی زباں درازم کجا
چو عرفی بہ درگاهم آں روی کو چناں داد رس جذبہ زاں سوی کو

نہ گویم غلط ، با خودم خشم نیست
ز مژگاں خویشم خود ایں چشم نیست

مزن طعنہ چون پایۂ خاص هست نہ باشد اگر جذبہ ، اخلاص هست
چو این است و از خواجہ آں بایدم ز غم چشم قلزم فشاں بایدم
ز دل گریہ اندوہ رشکم برد نہ مژگاں مگر سیل اشکم برد

---

۱ - عرفی نے حضوت علی علیہ السلام کی مدح میں ایک طویل قصیدہ کہا تھا جس کے اشعار ایک سو چوراسی ہیں اور اس کا نام ترجمۃ الشرق رکھا تھا - اس میں کہتا ہے :

بکاوش مژہ از گور نجف بروم
اگر بہ هند هلا کم کنی و گر بہ تتار

عرفی نے ۱۵۹۱/۹۹۹ ، میں بمقام لاهور انتقال کیا اور قلعہ کی شمالی دیوار کے پاس ایک چھوٹے سے قبرستان میں دفن هوا - اٹھائیس سال بعد ۱۶۱۸/۱۰۲۷ میں میر صابر اصفہانی نے اس کی میت نجف پہنچا دی اور یوں عرفی کی پیشگوئی درست ثابت هوئی - رونقی همدانی نے نقل میت کی تاریخ عرفی هی کے مصرع میں تصرف سے نکالی یعنی :

بکاوش مژہ از هند تا نجف آمد

سال ۱۰۲۷ھ - میر صابر اصفہانی جہانگیری عہد کا ایک نیک نام عہدیدار تھا جو آخری دور میں دکن کے لیے وقائع نویس مقرر هوا -

میرزا نے زیر نظر شعر میں اسی پیشگوئی اور اس کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا ہے -

من این کار بر خود گرفتم به چشم — به مژگان گر او[1] رفت رفتم به چشم
به گریم ز غم بو که شادم کنند — گهر سنج گنج سرادم کنند
به گریم که سیلم ز سر بگزرد — نه از سر، ز دیوار و در بگزرد
سرشکے که از دیدهٔ من چکد — دگر باره از چشم روزن چکد
طلب پیشگاں را به دعوی چه کار — ز بخشنده یزدانم امیدوار
که جاں بر در بوترابم دهد — دراں خاک فرمان خوابم دهد
چه کاهد ز نیروی گرداں سپهر — چه کم گردد از خوبی ماه و مهر
که دل خستهٔ دهلوی مسکنے — ز خاک نجف باشدش مدفنے
خدایا بدیں آرزویم رساں — ز اشک من آبے به جویم[2] رساں
نفس در کشم جاے گفتار نیست — تو دانی و ایں از تو دشوار نیست
کزیں بعد در عرصهٔ روزگار — بروے زمیں یا بـه کنج مزار

ز غالب نشاں جز براں در مباد
چنیں باد فرجام و دیگر مباد

---

۲ - یعنی عرفی -

مغنی نامه

مغنی دگر زخمه بر تار زن — گل از نغمهٔ تر به دستار زن
به پردازش آن گل افشاں نوائے — نه گویم غم از دل، دل از من ربائے
دل از خویش بردار و بر ساز نه — هم از خویش گوشے بر آواز نه
ز گنجینهٔ ساز بردار بند — دریں پرده نقشے به هنجار بند
براسش به زاور[1] هم آواز شو — به آهنگ دانش نوا ساز شو
که دانم ز دستانرائے چنیں — دل‌آویز باشد نوائے چنیں
ز کام و زباں هر سه جاں را درود — ز جاں جاودانی رواں را درود
گهر جوئے را مژده کز تیره خاک — درخشد همے گوهر تابناک
که هر گوهرے را که دارند پاس — بداں گیرد اندازه گوهر شناس
دمے کاندر آئین ز من میرود — تو دانی سخن در سخن میرود
سخن گر چه گنجینهٔ گوهر است — خرد را ولے تابشے دیگر است
همانا به شبهائے چوں پرّ زاغ — نه بینی گهر جز به روشن چراغ

---

۱ - زاور : جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس سے مراد زهره ستاره ہے ، جسے لولی فلک کہتے ہیں ۔

به پیرایش این کهن کار گاه به دانش توان داشت آئین نگاه
بود بستگی را کشاد از خرد سر مرد خالی مباد از خرد
خرد چشمهٔ زندگانی بود خرد را به پیری جوانی بود
فروغ سحرگاه روحانیان چراغ شبستان یونانیان
پگاہے که پوشیده رویان راز به خمیازه جستند از خواب ناز
چه خمیازه عنوان نام آوری خمار مئے خواهش دلبری
ازاں پیش کاین پرده بالا زنند نگه را صلاے تماشا زنند
رداے فلک گوهر آما شود بساط زمیں عنبراندا شود
نوردے ازاں پرده بر جاے خویش بروں داد نورے ز سیماے خویش
ز بالے که رخشانئی برق زد سرا پرده جوش "اناالشرق" زد
نخستین نمودار هستی گرای خرد بود کامد سیاهی زدای
به پیمانه هاے نظر نور پاک نمودند قسمت بر اجزاے خاک
ز هر ذرّه کاں آفتابی شود نگه سر خوش کامیابی شود
هنوزم در آئینهٔ رنگ بست خیالے ازاں عالم نور هست
که بینی به تاریکی روز من فروزاں سواد دل افروز من
کف خاک من زاں ضیا گستری است که‌چوں‌ریگ‌رخشاں‌به انجم گری‌است
کسی کو دم از روشنائی زند به خود فال دانش ستائی زند
دریں پرده خود را ستایشگر است که دانند مردم که دانشور است
خرد جویم ار خود بود مرگ من به هستی خرد بس بود برگ من
سخن گرچه پیغام راز آورد سرود ار چه در اهتزاز آورد

خرد داند ایں گوہریں در کشاد　　ز مغز سخن گنج گوہر کشاد
خرد داند آں پردہ بر ساز بست　　بہ راسش طلسمی ز آواز بست
بہ دانش تواں پاس دم داشتن　　شمار خرام قلم داشتن
ازیں بادہ ہر کس کہ سر مست تر　　بہ افشاندن گنج تر دست تر
بہ مستی خرد رہنمای خودست　　رود گر ز خود ہم بجای خودست
بہ کام دل مے پرستاں شبے　　بہ ساقی گری خاست نوشیں لبے
تبسم کناں بادہ در جام ریخت　　پئی نُقل از پستہ بادام ریخت
ز لب بوسۂ بر لب جام زد　　بخود کرد پیمانہ را نامزد
لبش را مے از بسکہ افشردہ تنگ　　بیامیخت با لب چو با لعل رنگ
ہمے خواست با تشنگاں دستبرد　　خودش بادۂ خویش از دست برد
بداں مے کہ خود خورد و از دست شد　　نہ یک تن، دو تن، کانجمن مست شد

کجا در خور آں شرابیم ما
ز میخوارہ ساقی خرابیم ما

چو ساقی رہ خود نمائی گرفت　　بہ مستی خرد زو روائی گرفت
سیہ مست تر ہر کہ ہشیار تر　　سبکدوش تر چوں گرانبار تر
جگر گوں نوائے کہ ناسش دل است　　ز تہ جرعہ خواراں ایں محفل است
نشیدے کہ مستاں ایں مے کشند　　صریر از قلم، نالہ از نے کشند
سرود سخن روشناس ہم است　　کہ ہر یک ز وابستگاں دم است
بود در شمار شناساوری　　خرد را بہ گفتار ہم گوہری
زہے کیمیائے معانی سخن　　بخود زندۂ جاودانی سخن

سخنی‌را ازاں دوست دارم که دوست
به تصدیق از ما طلبگار اوست

سخن گرچه خود گوهریں افسرست
سخن در سخن لعل با گوهر ست

سخن باده، اندیشه مینائے او
زباں بے سخن ، لائے پالائے او

به پیمودن باده پیمانه گوش
خرد ساقی و خود خرد جرعه نوش

حریفاں دریں بزم همواره مست
به بوئے ز بے جمله یکباره مست

پلنگینه پوشاں دریں انجمن
چو گردوں به رقص اندروں چرخ زن

خرد کرده در خود ظهورے دگر
دل از دیده پزرفته نورے دگر

ز گنجے که بینش به ویرانه ریخت
در آفاق طرح پری خانه ریخت

زدودن ز آئینه زنگار برد
ز دانش نگه ذوق دیدار برد

دریں حلقه اوباش دیدار جوی
به دریوزهٔ[1] رنگ آورده روی

خرد کرده عنوان بینش درست
رقم سنجی آفرینش درست

فروغ خرد فرهٔ ایزدی است
خدا نا شناسی ز نا بخردی است

نظر آشنا روئے دانائیش
عمل روشناس توانائیش

ز اندیشه دم زد، نظر نام یافت
به کردار رفت از اثر کام یافت

به چشم سبک سر از و گوش تاب
گراپنائے خواهش ازو در حساب

چناں سطوتش را زبوں خشم و آز
که فرمان او برده گرگ و گراز[2]

غضب را نشاط شجاعت دهد
ز خواهش به عفت قناعت دهد

به اندازهٔ زور آزمائی کند
خورد باده و پارسائی کند

---

۱ - درویزه اور دریوزه به معنی بهیک -

۲ - خوک نر، نر سؤر -

بدیں جنبش از مرگ بخشد نجات — بر اندیشه پیماید آب حیات
منشہاے شایستہ عادت شود — نظر کیمیاے سعادت شود
ز دانش پدید آید آئین داد — رسی چوں بدیں پایہ نعم‌المعاد
برند از تو گر خود سرایندگی — نہ دارد زیانے بپایندگی
جگر خوں کن و از دل آزاد زی — بدیں جاودانی رواں شاد زی
چناں داں کہ مردی بر اسپے سوار — بہ دشتے رخ آوردہ بہر شکار
جگر خوارہ[۱] یوزے است ہمراہ او — جگر خواری یوز دلخواہ او
کند گر بہ اندیشہ رفتار ہا — نگہ دارد اندازۂ کار ہا
نہ گیرد سمندش رہ توسنی — بود رام پوزش بہ صید افگنی
بہ نیروے مردی و غمخوارگی — ہمش یوز آسودہ، ہم بارگی
چنیں کس بدیں گو نہ رخش و پلنگ — تواند کہ صیدی در آرد بچنگ
وگر دشت پیما ہنر پیشہ نیست — شناساے فرجام اندیشہ نیست
رہ انجام[۲] بیراہہ پوئی کند — دد اندر روش زشت خوئی کند
چرد در چراگاہ تا برگ و شاخ — رود در پئے صید در سنگلاخ
بہ جوشد بسر مغز رخش از تموز — بہ خارا شود سفتہ چنگل یوز
بہ مستی یکے گشتہ پولاد پاے — ز تندی یکے رفتہ پولاد خاے
مرایں را ز پری شکم باد ناک — مرآں را ز گرمی زباں چاک چاک
سوار اندریں ہرزہ گردی نژند — نہ رویش براہ و نہ صیدش بہ بند

---

۱ - یوز بہ معنی چیتا (غالب) -

۲ - رہ انجام: سواری - مرکب - مجازاً گھوڑا -

سوارے که رخشش نـه فرمان بود
نـه دانم که بیچاره چوں جاں برد

من بی خبر کایں قدم میزنم ــــ سپندار کـز داد دم میزنم
بدیں دم که در نامه رانم همے ــــ بداں خاک ناچیز سانم همے
کزاں خاک ریحان و سنبل دمد ــــ دگر گونه گوں لاله و گل دمد
تماشائیاں را بود سرو و تاک ــــ بود هم چناں جوهر خاک خاک
ز دردے که دل را بهم میزند ــــ ز جوشے که خاطر به غم میزند
بود در گزرگاه آواز من ــــ شناور به خوں گوش دمساز من
به دانش غم آموز گار من است ــــ خزان عزیزاں بهار من است
غمی کز ازل در سرشت من است ــــ بود دوزخ اما بهشت من است
به غم خوش دلم غمگسارم غم است ــــ به بیدانشی پرده دارم غم است
ز من جوی در بد نکو زیستن ــــ جگر خوردن و تازه رو زیستن
درشتی به نرمی زبوں داشتن ــــ رسد گر ستم غمزه پنداشتن
به عجز از دروں سو جگر سوختن ــــ بناز از بروں سو رخ افروختن
به هنگامه نیرنگ ساز آمدن ــــ ز خود رفتن و زود باز آمدن
ز دل خار خار غم انگیختن ــــ خسک[۱] در گزار نفس ریختن
سمن چیدن و در ره انداختن ــــ دل افشردن و در چه انداختن
به دریوزه گنجینه اندوختن ــــ به بازیچه دانائی آموختن
طرب را به میخانه گردن زدن ــــ طرب خانه را قفل آهن زدن

---

۱ - گو کهرو -

روان کردن از چشم همواره خون | به شورابه شستن ز رخساره خون
به رفتن سر از پاے نشناختن | به ماندن تن از جاے نشناختن
شگفتن ز داغے که بر دل بود | نهفتن شرارے که در دل بود
بدیں جاده کاندیشه پیموده است | غم خضر راه سخن بوده است
نظامی نیم کز خضر در خیال | بیاموزم آئین سحر حلال
زلالی نیم کز نظامی به خواب | به گلزار دانش برم جوے آب
نظامی کشد ناز تابم کجا | زلالی بود خفته، خوابم کجا
مرا بسکه در من اثر کرده غم | به سرگ طرب مویه گر[۱] کرده غم
نظامی به حرف از سروش آمده | زلالی ازو در خروش آمده
من از خویشتن بادل درد مند | نواے غزل بر کشیده بلند
غزل را چو از من نواے رسید | ز والا پسیچی بجاے رسید
که نشگفت کایں خسروانی سرود | شود وحی و هم بر من آید فرود
نه باشم گر از گنجه گنجم بس ست | به غم گر چنیں پرده سنجم بس ست
کنونم بسر شور گفتار نیست | به ساز غزل زخمه بر تار نیست
به شعر ارچه کمتر شکیبم همے | بدیں پرده خود را فریبم همے
کسے کش بجاے بود دل به بند | به افسانه لختے گسارد گزند
کسے را که باغم شمارے بود | روا باشد ار غمگسارے بود
که در خستگی چاره جوئی کند | به غم خواری افسانه گوئی کند
چو میرد برآں مرده نالد هم او | سرانجام کارش سگالد هم او

---

۱ - نوحه گر، ماتمی -

مرا بیں کہ چوں مشکل افتادہ است　　چہ خونہاست کاندر دل افتادہ است
خود از درد بیتاب و خود چارہ جوی　　خود آشفتہ مغز و خود افسانہ گوی
بہ تنہائی از ہمدمان خودم　　بہ دل مردگی نوحہ خوان خودم
کسم در سخن کار فرمائے نیست　　بہ بخشندگی ہمت افزائے نیست
چہ گوید زباں آور بے نوا　　چہ آید ز ہیلاج[۱] بے کد خدا
شبے کایں ورق را کشودم نورد　　بہ پرکار اندیشۂ تیز گرد
شب از تیرگی اہرمن روے بود　　ز سودا جہاں اہرمن خوے بود
بہ خلوت ز تاریکیم دم گرفت　　نشاط سخن صورت غم گرفت
در آں کنج تار و شب ہولناک　　چراغے طلب کردم از جان پاک
چراغے کہ باشد ز پروانہ دور　　چراغے کہ بادا ز ہر خانہ دور
نہ بینی نشانے ز روغن درو　　کند شعلہ بر خویش شیون درو
چراغے کہ بے روغن افروختم　　دلے بود کز تاب غم سوختم
ز یزداں غم آمد دل افروز من　　چراغ شب و اختر روز من
نہ شاید کہ من شکوہ سنجم ز غم　　خرد رنجد از من، چو رنجم ز غم
غم دل ز من مرحبا جوے باد　　دلم زار و لب مرحبا گوے باد

دلم ہم چو غالب بہ غم شاد باد
بدیں کنج ویرانہ آباد باد

---

۱ - ایک حساب جس کے مطابق منجم عمر کا اندازہ کرتے ہیں - مجازاً بہ معنی زائچہ -

ساقی نامہ

بیا ساقی آئین جم تازہ کن   طراز بساط کرم تازہ کن
بہ پرویز از می درودے فرست   بہ بہرام از نے سرودے فرست
بہ دور پیاپے بہ پیمانے مے   بہ شور دما دم بہ فرسائے نے
قدح را بہ پیمودن مے گمار   نفس را بہ فرسودن نے گمار
نکیسا دماں[1] را بہ رامش در آر   سہی سرو را در خرامش در آر
بہ خشم اربلائی ز یاراں بگرد   بہ کام دل شاد خواراں بگرد
مبادا نظامی ز راحت برد   بہ دستاں سوے خانقاہت برد
فریبش مخور چوں مے آشام نیست   ستمدیدۂ گردش جام نیست
خود او راست از پارسا گوہری   سپہری سروشے، بہ ساقی گری
ورع پیشہ مسکیں چہ داند ترا   بہ آرایش نامہ خواند ترا
رضا جوے من شو کہ ساغر کشم   گرم نیل و جیحوں دہی در کشم

---

۱ - نکیسا : مشہور گویا جو خسرو پرویز کے دربار میں ملازم تھا۔ عموماً ''ک'' ہی سے لکھا جاتا ہے، ''قاطع برہان'' اور غیاث میں ہے کہ صحیح ''گ'' (کاف فارسی) سے ہے۔

ز پیمودن مے بہ جام سفال خورد دجلہ در ساغرم خاکمال
اگر زود مستم ، پریشاں نیم و گر دیر مستم گراں جاں نیم
پزیرد ز مے گوهرم آب و رنگ بہ مستی فزوں گرد دم هوش و هنگ
ز اندازہ سنجی بر آنم کہ تو گرانمایہ ای لیک دانم کہ تو
بہ ساقی گری رند و آزادہ ای خوری بادہ اما تنک بادہ ای
هر آئینہ چوں یک دو ساغر کشی ز مستی خرد را بہ خوں در کشی
بہ لغزد ترا پا بہ رفتار در سراسیمہ گردی بہر کار در
بجاں در رسد کار کز تاب مے گلوی صراحی نہ دانی زلے
ازاں پیش کایں رفتگی رو دهد گل جلوۂ بیخودی بو دهد
بیندیش جاے و بیاراے بزم بنہ بادہ و گل بہ پهناے بزم
فروهشتہ ای از دو سو بر عذار شکن در شکن طرۂ مشکبار
بہ مے دادن اے سرو سوسن قباے بہ زلف درازت مپیچاد پاے
همانا تو دانسة ای کز دو سال ننوشم مے الا ببزم خیال
ز لب تشنگی چوں بہ مے در خورم تو کمتر خور امروز تا بر خورم
تو آں چشمہ کز تو خضر آب خورد سکندر ز لب تشنگی تاب خورد
نہ خضری کہ در آب باشی بخیل تو آبی ولے کوثر و سلسبیل
هر آئینہ چوں اعتقاد ایں بود منوش و بنوشاں کہ داد ایں بود
ز خود رفتہ ترکے است هندوے تو عجب نبود از خوبی خوے تو
کہ جوئی رضاے ز خود رفتۂ دهی مے بہ ترک جگر تفتۂ

تو اے آنکه پہلو نشین منی — به پیغاره[1] اندر کمین منی
نه دانی پس از روزگارے دراز — به می کرده ام دست بارے دراز
در اندیشه محو تلاشم هنوز — قدح ساز و ساقی تراشم هنوز
دریں داستاں نیز گر وارسی — به خویش است گفتارم از بیکسی
مئے خویش و جام سفال خودم — نه ساقی که من هم خیال خودم
چه ساقی؟ یکے پیکر سیمیا — مس آرزوے مرا کیمیا
مرا دستگاه مئے و شیشه کو؟ — نشاطی چنیں جز در اندیشه کو؟
مئے و شیشه بگزارو بگزر ز من — همانا نه من ، بلکه ایں انجمن
گل و بلبل و گلستاں نیز هم — مه و انجم و آسمان نیز هم
نمودیست کاں را بود بُود هیچ — زیاں هیچ و سرمایه و سود هیچ
به عرض شناسائیے هر چه هست — به وهم است پیدائیے هر چه هست
نه هر گه که تنہا نشینی بجاے — به خاطر کنی طرح بستانسراے
به آرایش باغ رو آوری — دراں باغ از دجله جو آوری
دمانی گل و نرگس از روے خاک — نشانی به طرف چمن سرو و تاک
نواگر کنی مرغ بر شاخسار — به موج آوری آب در جویبار
به خویش ار چه داری گمانے ز باغ — بروں از تو نبود نشانے ز باغ
در اندیشه پنہاں و پیدا توی — گل و بلبل و گلشن آرا توئی
نمود دوگیتی به گیتی خداے — چنین است دیگر نه دانیم راے
من و تو که بد نام پیدائیم — رقمہاے منشور یکتائیم

---

۱ - سرزنش و طعن .

و لیکن چو ایں ایزدی سیما ست　　بہ دانست حسی چنیں دیرپا ست
نمودے کہ حق راست نبود چرا ؟　　زماں چوں از آں جاست نبود چرا ؟
دو گیتی ازاں جو نمے بیش نیست　　ازل تا ابد خود دمے بیش نیست
زمان و مکان را ورق در نورد　　خیالے بروں ریز از ہر نورد
نہ از من ز سعدی شنو تا چہ گفت　　سخن گفت در پردہ ، اما چہ گفت
”رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست　　بر عارفان جز خدا ہیچ نیست“
دگر رہروے گوید از زیر دلق　　کہ‌حق است محسوس و معقول خلق [۱]
خیالے در اندیشہ دارد نمود　　ہماں غیب غیب است بزم شہود

نشانہاے راز　　خیال خودیم
نوا ہاے ساز　　خیال خودیم

خوشت باد غالب بہ ساز آمدن　　نوا سنج قانون راز آمدن
بہ گیتی مگر حرف دیگر نہ ماند　　و یا خود ترا ہوش در سر نہ ماند
کہ چوں سینہ کمتر دہد بانگ خون　　بہ نشتر کشائی رگ ارغنون
چہ زاں راز پنہاں نوا بر کشی　　کہ چوں باز پرسند، دم در کشی
بہ گفتارِ اندیشہ بر ہم مزن　　در اندیشہ دل خوں کن و دم مزن
نہ دانی کہ دانش بہ گفتار نیست　　دریں پردہ آواز را بار نیست ؟
نہ دانی کہ مینا شکستن بہ سنگ　　نہ بخشد بہ دل ذوق گلبانگ چنگ؟
تصوف نہ زیبد سخن پیشہ را　　سخن پیشہ رند کژاندیشہ را
نشاں مند ایں روشنائی نہ ای　　غزل‌خوان و می خور، سنائی نہ ای
غزل گر نہ باشد نواے دگر　　سر دل سلامت ہواے دگر

---

۱ - غالباً اشارہ خود اپنے شعر کی طرف ہے -

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول　　غالب ایں زمزمہ آواز نہ دارد خاموش

اگر مجلس آرای را عود نیست بر آتش فگندن نمک سود نیست
غزل گر ملال آرد افسانه گوی کهن داستانهای شاهانه گوی
من آن خواهم ای لاابالی خرام کزین پویه خوشتر سگالی خرام
ز شاهان سخن گر گهر سفتن است سخن گفتن از حق جگر سفتن است
نه نالی ز غم گر جگر سفته شد سخنهای حق بین که چون گفته شد
خود این نامه فهرست راز حق است درون و برونش طراز حق ست

ز انگیز معنی و پرداز حرف
به هنگامه بستی طلسمی شگرف

سخن چون ز همدم به پیغاره نیست مرا از پزیرفتنش چاره نیست
به زهدم ثنا گوی نابوده کس به والائی جاه نستوده کس
نه زر گفت کانم ته خاک نیست سخن در سخن می رود باک نیست
سخن را خود آنگو نه دانم سرود کزین نیز خوشتر توانم سرود
ولی تاب در خود نیابم کنون صریر قلم بر نتابم کنون
دریغا که در ورزش گفتگوی به پیری خود آرائی آورد روی
به برنائیم روی پیری سیاه ز مو بود بر فرق مشکین کلاه
کنون نیست ظل همایم بسر به پیری فتاد این هوایم بسر
سیاهی ز سوی سرم زود رفت مگر کاتش افسرد، کاین دود رفت
شبابم که تاب و تبی بوده است ز شبهای جوزا شبی بوده است
بدا! من که دارم شماری دراز شبهی کوته و روزگاری دراز

---

۱ - بدا، به معنی بسیار بد (غالب) یعنی بهت برا -

نبود ارچه لبهاے خنداں مرا ولے در دهن بود دنداں مرا
که هر گه به هنگامه غم خوردمے ز مردم نهاں در دل افشردمے
چه گریم که لبهای خنداں کجا جگر خایم از غصه دنداں کجا
به بے برگیم گلفشاں بودن است به دم سردی آتش زباں بودن است
دریغ از ترقی معکوس من که باشد سر من به پابوس من
فلک بسکه نا چیز خواهد مرا به بالاند اما به کاهد مرا
ز سر باد پندار بیروں شده سهی سر و من بید مجنوں شده
بود قد خم گشته چوگاں من سرم گوی و اندیشه میداں من
چه غم گر فلک رنگم از روے برد توانم ز خود در سخن گوے برد
نه نالم ز پیری جوانم به راے هنوزم بود طبع زور آزماے
سخن سنج معنی ترازم هنوز به شیوائی شیوه نازم هنوز
هنوزم جگر موج خوں میزند ز دل نیش غم سر بروں میزند
ز چشمم هماں خوں به داماں چکد به تن نبود، اما ز مژگاں چکد
ز حرفے که اندر ضمیر آیدم هنوز از دهن بوے شیر آیدم
به هر بذله کز لب فشانم چو قند خضر "در من قال،، گوید بلند

به دستاں زنی خامه منقارمن
هدر خون مرغ گل از خار من

توانم که در کارگاه هنر به نیروے یزداں پیروزگر
ز هم بگسلم باستانی تراز سخن را دهم جاودانی تراز
سریرے ترازم که در سایه اش بود بالش قدسیاں پایه اش

نهالے نشانم که در پاے او مه و زهره ریزد ز بالاے او
رہے پیش گیرم کز اقبال من دَوَد خضر بیخود به دنبال من
نفس را کنم با دعاے گرو که باشد مرآں را اثر پیش رو
مثالے نویسم که پیغمبراں نویسند "لا ریب فیه" براں
زباں تازه سازم به نیروے بخت به ذکر شهنشاه بے تاج و تخت
گزشت آنکه دستانسراے کهن ز کیخسرو و رستم آرد سخن
منم کم بود در تراز کلام شهنشه پیمبرص سپهبد امام
ز فردوسیم نکته انگیز تر ز مرغ سحر خواں سحر خیز تر
فرو مردن شمع ساسانیاں بود صبح اقبال ایمانیاں
رقم سنج منشور یزدانیم ز ایمانیاں گویم ایمانیم
کسی را که نازد به بیگانگاں خرد در شمارد ز دیوانگاں
به اقبال ایماں و نیروی دین سخن رانم از سیدالمرسلینص
دریں ره بسیچ سفر ها بسے ست بود راست لیکن، خطر ها بسے ست
ز پالغزها کاندرین ره بوَد بود ره دراز ارچه کوته بود
به مستی تواں نغز گفتار بود مرا باید از خویش هشیار بود
سخن گفتن و پاس ره داشتن سخن را ز سستی نگهداشتن
یکے در شبستاں به شبهاے وے هم آتش نهد پیش و هم مرغ وے
یکے را به عشرت گه شهریار ز مے بوی مشک آید اندر بهار

مرا بیں که دے ماه واردی بهشت
نیاید بجز دانهٔ سبحه کشت

به بزمے که در وے بود اجتناب ز رود و سرود و شراب و کباب
سخنور چه گفتار پیش آورد کزاں رنگ بر روے خویش آورد
نه ماند به شاهان دیهیم جوی شمار شهنشاه درویش خوی
دریں بزم اوباش را بار نیست مئے و ساغر و زخمه و تار نیست
نه من، بلکه اینجا به رامشگری اگر زهره آید شود مشتری
اگر جاے دستاں سرائی ُبدے ره و رسم جادو نوائی ُبدے
زباں را به رامش گرو کردمے دم جنبش زخمه نوکردمے
همم زخمه از دیگراں تیز تر همم ساز دانش نوا خیز تر
به آزادگی خسروی می کنم ! بدیں پشت دولت قوی می کنم
نباشد اگر پاے دیں درمیاں نهم هفتخواں بلکه هفتاد خواں
پرم از تو بر تر به بال گزاف تو سیمرغ آری و من کوه قاف
تو سوسن فرستی به خنیا گری مرا جنبش کلک رقص پری
تو کاں باده هاے گوارا زنی دم از ُنقل و مے آشکارا زنی
من و جام بے باده در خوں زدن به لب تشنگی جوش جیحوں زدن
ترا زانکه ایں طرز و هنجار نیست مرا با تو دعوی به گفتار نیست
ببیں تاچه نازاں به خویش ازمن است کسےکاں پس از تست وپیش از من است
به نامش گراز صاف مے قرعه ایست مرا نیز فرمان ته جرعه است
یکے صاف آب طرب ناک خورد یکے خود به ته جرعگی پاک خورد
ز سر جوش نوشاں چه گوئی، خموش به ته جرعه خواراں رها کن خروش
به نوشیدن ار صاف مے خوشترست ولے ُدرد را مستیٔ دیگرست

دگر غالب ای عهدو راے توسست — به پیمان دانش وفاے توسست
حدیث می و شیشه و جام چیست؟ — چگوئی و ایں شیوه را نام چیست؟
نه گفتی که بیزار گشتم ز مے؟ — بریدم ز بزم و گزشتم ز مے؟
ز دیوانگی تاکے اے شور بخت — نہی در گزرگاه سیلاب رخت؟
به رفتار ناخوش مشو تیز گرد — دریں ره بشوخی مینگیز گرد
به مستی دریں راه دستاں مزن — میاشوب و هوے چومستاں مزن
ادب در زمیں جوی و آئیں گزیں — به فن سخن شیوهٔ دیں گزیں
به راہے کنی پویه کز پاے تو — درخشد چو خرشید سیماے تو
به کاری زدی دست، کز ساز تو — دم جبرئیل است همراز تو
چو کشتی نشینان دریا نورد — به سیر از رهت بر مخیزاد گرد

ترا بخت در کار یاری دهاد
به پیوند دیں استواری دهاد

متفرقات

یہ مثنویاں "متفرقات غالب" "سبد چین"، "باغ دودر"، اور کلیات نثر فارسی سے لی گئی ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۱

کلمات طیبات

یہ مثنوی مختصر سی تمہید کی متقاضی ہے - ۱۸۵۳ء میں بہادر شاہ ظفر سخت بیمار ہو گئے اور بظاہر ان کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ رہی، مگر خدا نے انہیں صحت عطا کی - شاید اس لیے کہ وہ ۱۸۵۷ء کا دردناک المیہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں -

بادشاہ کی عیادت کے لیے لکھنئو سے میرزا حیدر شکوہ بھی دہلی آئے، جن کا مذہب امامیہ تھا - وہ میرزا کام بخش بن سلیمان شکوہ بن شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور رشتے میں بہادر شاہ کے بھتیجے تھے - (بہادر شاہ بن اکبر شاہ بن شاہ عالم ثانی) انھوں نے بطور خود منت مانی کہ بادشاہ صحت‌یاب ہو جائیں گے تو لکھنئو میں حضرت عباس علمدار کی درگاہ پر علم چڑھائیں گے - چنانچہ بادشاہ کی صحت پر حیدر شکوہ کی ہدایت کے مطابق ان کے چھوٹے بھائی نورالدین نے اس منت کو پورا کرنے کا انتظام کر لیا - بادشاہ نے بھی مالی مدد دی اور ۲ ربیع‌الاول ۱۲۷۰/۳ دسمبر ۱۸۵۳ کو دھوم دھام سے علم چڑھایا گیا - اس پر افواہ پھیل گئی کہ بہادر شاہ نے مذہب امامیہ اختیار کر لیا ہے - دہلی کے کئی علماء و مشائخ نے بہادر شاہ کو دھمکی دی کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جمعہ اور عیدین کے خطبوں سے بادشاہ کا نام نکال دیا جائے گا - اس افواہ کی تردید کے لیے بہادر شاہ کے خیالات و عقائد ایک

مثنوی کی شکل میں پیش کرنے کا فیصلہ ہوا اور میرزا غالب نے حسب فرمایش بہادر شاہ یہ مثنوی لکھی، جسے ابتدا میں بے نام بتایا جاتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام "کلمات طیبات" تھا -

اس کے رد میں ایک مثنوی میر دوست علی خلیل شاگرد آتش نے لکھی، جس کا جواب مولانا صہبائی نے "دمغ الباطل"، نام کی ایک مثنوی کی شکل میں دیا - اسی طرح شیعوں کی طرف سے ایک مثنوی مفتی عباس نے اور ایک خود میرزا حیدر شکوہ نے لکھی - ان میں ایک دوسرے پر چوٹیں بھی کی گئیں -

بہرحال یہ مثنوی میرزا غالب کی ہے اور پانچوں مثنویوں میں سے تنہا ہے، جس میں ذاتی طعن و تشنیع سے کام نہیں لیا گیا گویا زیادہ سے زیادہ سلامت روی کی پابندی کی گئی - خیالات و مضامین میرزا کے نہیں بہادر شاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کے ہیں - تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے "متفرقات غالب" مرتبہ سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب -

---

هله هاں اے دقیقه اندیشاں　حق پرستان و معدلت کیشاں
ترزباناں و صف جد و جهاد　راز دانان دین و دانش و داد
شاهی ما به دهر حادث نیست　نو برِ نخلهٔ حوادث نیست
یافت هر کس که جست عنوانش　منتهی تا به یافث اغلانش
زاں نشاں گاه تا صفی‌الله　بود هر دیده ور نبی‌الله

شد به نیروے ایں دلیل درست که نیاگان ما ز روز نخست
یا گرامی پیمبراں بودند
یا گرانمایه سروراں بودند

زاں سپس روزگار های دراز در سرا پرده هاے عزت و ناز
بود هر کس به کشور آرائی تا به چنگیز خاں مسیحائی
چوں قرا چار دم زد از اسلام بنگه قوم یافت ماه تمام
بعد ازاں تابه ما که بو ظفریم هماں فرماں دهان داد گریم
هیچ کس دم ز اعتزال نه زد
گام بر مسلک خیال نه زد

دشمن جوهر نگاه نه ایم منکر رویت اله نه ایم
رسم ما نیست نا سزا گفتن کار ما نیست جز ثنا گفتن
خانه زاد رسول و آل وے ایم دشمن خصم بدسگال وے ایم
خانه زاد نبی و آل نبی نه کند با صحابه بے ادبی
زانکه ایناں امین و دادگراند با نبی هم‌نشین و هم‌سفر اند
کیش بیگانگی رها کرده بر نبی مال و جاں فدا کرده
به ولاے نبی و عترت او
یافته ملک دیں بدولت او

بد سگال صحابه بے دین است در خور صد هزار نفریں است
کار اصحاب بیں و بد مشمر حال ایشاں چو حال خود مشمر
گر ترا صرفهٔ نکو کاری است حب ایشاں طراز دیں داری است

فکر بغض صحابه سودا ایست
خاطر کفر را سویدا ایست

رفض ماخولیاے خام آرد صید دیوانگی به دام آرد
با تو گویم اگر یقیں داری کیں بزرگاں ز روے دیں داری
خیرخواه رسول و آل ویند عاشق جلوهٔ جمال ویند

دوستاں را شمرده ای دشمن
در خور سرزنش توئی یا من؟

آنچه اندیشهٔ نهانیِ تست همه از روے بدگمانی تست
کار دیں مشکل است ، آساں نیست بد گمانی طریق ایمان نیست
پیش ازیں آں چنانکه ما گفتیم حرفے از راز برملا گفتیم
تاج و تیغ و نگیں خود از ما بود دولت و ملک و دیں خود از ما بود
آں نیر زد به غصه گر ایں ماند ملک گر رفت ، گو برو ، دیں ماند
اندریں روزگار گر شب و روز ما نه داریم طالع فیروز

حاصل ماست با همه خم و پیچ
گوشه و توشهٔ و دیگر هیچ

بے شکوہے[۱] و ظلمت الدینے[۲] بست بر من غلط بدآئینے
کاں غلط بسکه بر زبانها رفت تا اوده زاں غلط نشانها رفت
دیده باشد که شهریار نه ایم کار فرماے بند و دار نه ایم

---

۱ - حیدر شکوه (بن کام بخش بن سلیمان شکوه) جو تہمت کا اصل ذمه دار تھا -

۲ - حیدر شکوه کا بھائی نورالدین جو اس تہمت میں شریک رہا -

شاهی ما بجز ریاست نیست بهر من پایهٔ سیاست نیست
لاجرم رفت و هر چه خواست سرود ناروا گفت خود ، نه راست سرود
بر چنیں کس هزار نفریں باد
لعنت از حق ، ز خلق آمیں باد
زیں که توقیع من نوشت به جعل خاطرم راست اندر آتش نعل
حاش لله که پنجهٔ سیمیں سترد نقش داد و دانش و دیں
پنجهٔ را که ساخت خو به ستیز چوں تواند شمرد دستاویز
راه حق را به حرف نتواں بست
خود ز واگویه طرف نتواں بست
آں یکے کز خدا نه داشت خبر سر نبی را شمرد جادوگر
چوں نه گردد رها رسول خدا من لسان الوریٰ فکیف انا ؟[۱]
گرچه برمن به زور نتواں بست تهمتے را که مرد ناداں بست
لیک بدنام کرد و داد این است که ز خوں ریختن زیاد این است
نخورم خون دل ز خشم چرا ؟ که رود بر من ایں دروغ و مرا
ق
نیست یارا دریں گزرگه تنگ که بگویم من و رود سرهنگ
تا زباں از قفا بروں کشدش چوں به میرد به خاک و خوں کشدش
یا بگیرند و خوار و زار کنند و اژ گوں بر خرش سوار کنند
روسیه گرد شهر گردانند
گر نه گردد ، به قهر گردانند

---

۱ - رسول خدا صلعم لوگوں کی زبان سے نہ بچ سکے تو میں کس شمار میں ہوں؟

ور تو گوئی مجال و یارا نیست حاکماں راست، گرچه ما را نیست
دهر را حاکمان دادگر اند که ز هر کس به داد بیشتر اند

هر که بد کرد، کیفر آں هست
قتل گر نیست، بند و زنداں هست

لا جرم من که بادشاه هستم پیش دادار دادخواه هستم
علت جعل کم گناهے نیست بهر مجرم گریز گاهے نیست
جعل سازی و فتنه پردازی جرم دانی و نشمری بازی

رائے حکام دهر تا چه بود؟
ایں چنیں جرم را سزا چه بود؟

گر جفا پیشه را نیازردم به امینان ملک بسپردم
بو ظفر! ملک و دیں خداداد است داد خواهیم و کار با داد است
نامه را ختم کن که پایان یافت مدعا صورتے نمایان یافت

علما را ز خود دعا بفرست
ویں نمودار جا بجا بفرست

ضمیمہ نمبر ۲

مکتوب منظوم

(بنام جواہر سنگھ جوہر)

جواہر سنگھ جوہر رائے چھج مل کا بیٹا اور میرزا کا عزیز شاگرد تھا - رائے چھج مل بھی میرزا کے عزیز دوست تھے - یہ مکتوب میرزا نے چھج مل کے ایما پر جوہر کو تحریر فرمایا -

---

وفا جواہر از تو غم دور باد
دلت سر خوش بادۂ سور باد
رسید از تو الفت فزا نامۂ
روان تازہ کن ، دلکشا نامۂ
نخواہم کہ در عرصۂ روزگار
نشیند ترا بر دل از غم غبار
ز رنجوری من مخور غم کہ من
ندارم غم ہستی خویشتن
نہ جاں از منست و نہ جسم آن من
خود از مردن من چہ نقصان من
حدیثے است شایستہ و سودمند
ز شایستگی بودہ دانا پسند

گر از من نباشی نکوئی، شنو
از آنکس که فرزند اوئی شنو
چنین داده فرمان که در سازِ راه
نباشی به حیلت گری عذر خواه
عزیزان رهرو گرامی کس‌اند
بشادی دران ناحیت میرسند
بشادی بدین جمع انباز گرد
چو گردند اینان، تو هم باز گرد
الا تا نه سنجی که ایں زاں به است
چنین خواستست آنکه فرمانده است
مشو سخت کوش و مشو سخت گیر
درین آمدن باش فرمان پذیر
بحکم پدر[۱] چون گزیدی سفر
بگرد از سفر هم بحکم پدر
درین رفتن و آمدن شاد باش
به تبعیت از طعنه آزاد باش
ز هجر تو مادر به تاب اندر است
گدازان چو شکّر به آب اندر است
پدر نیز مشتاق دیدار تست
بصد گونه خواهش طلبگار تست

---

۱ - رائے چھج مل -

ترا خواهد، از بس که خواهد ترا
نخواهد گر او، پس که خواهد ترا؟

بیا و دو خونین جگر را ببین
بمادر نشین و پدر را ببین

دگر من چراغ سحر گاهیم
قدم نه براه هوا خواهیم

بیا تا به بینی که چوں می تپم
چسان دیده تا دل بخوں می تپم

بیا تا تنم غرق خوں بنگری
درون مرا از بروں بنگری

بیا تا به بینی که از روزگار
کنونم بجاے رسیدست کار

که مے نوشم از خستگی، نز ورع
بجاے مئے ناب ماء القرع[1]

بیا و بیا و بیا و بیا
سر آمد سخن والدعا والدعا

بخوان چون بخوانی ورق را تمام
ز نیر[2] سلام و ز عارف[3] سلام ("باغ دودر")

---

۱ - آب کدوے تازہ -
۲ - ضیاالدین احمد خاں نیر -
۳ - زین‌العابدین خاں عارف -

ضمیمہ نمبر ۳

گل کادی

خوشا کادی و بوے جاں پرورش　　ز خود بہر پرواز بو شہپرش
شمیم رواں پرورش دادہ اند　　دگر صورت شہپرش دادہ اند
ازاں اوست کایں گل بہ نشر شمیم　　نہ زیبا ست منت پرست نسیم
تو گوئی بہاران فرخندہ خوی　　کہ رسّام رنگ است و قسّام بوی
پئے تازہ گلہاے اردی بہشت　　برات رواں بخشی بو نوشت
شمیمے کزاں تازہ گردد دماغ　　فزوں آمد از طرف گلہاے باغ
نگہ‌داشت آں مایۂ دل فروز　　بہ کادی بہ بخشید اندر تموز
تموز از دمش نو بہاراں شدہ　　شرفنامۂ روزگاراں شدہ
اگر حور را رخت شادی بود　　ز اکسون گلہاے کادی بود
شمال و صبا پیشکارش بہ باغ　　گل از شبنم آئینہ دارش بہ باغ
بدیں ارمغانے کہ فرخ دم است　　چنیں تازہ برگے دریں جا کم است
بدانساں کہ جاں راست از تن سپاس　　فرستندہ را باد از من سپاس
بود تا کہ زیب بساط سپہر　　ز نسرین ماہ و گل سرخ مہر
ہر آں گل کہ آرد بہ گلزار باد　　مہا راجا را وقف دستار باد

---

۱ 1 گل کادی سے مراد ہے کیوڑے کا پھول - مہا راجا راؤ بنے سنگھ فرمانروا ے الور نے کیوڑے کے پھول میرزا کو بطور تحفہ بھیجے تھے ، جن کے شکریے میں یہ مثنوی ایک فارسی مکتوب کے ساتھ مہا راجا راؤ کو بھیجی گئی - (کلیات نثر فارسی غالب ص ۲۰۳)

ضمیمه نمبر ۴

نموداری صبح

بامدادان که شب روان سپهر | نقد جان باختند در ره مهر
دهشت دزد از میان برخاست | از سر کوچه پاسبان برخاست
بستگی روے تافت از درها | رفت پیوند بالش از سر ها
گرد از راه کاروانها جست | گونه گون مرغ ز آشیانها جست
در نهان خانه های سوز و گداز | دل ز اندوه رفت و شمع از گاز
مهر، آن مایه فروغ و فراغ | خون بهاے هزار شمع و چراغ
گشت شمع و چراغ هر خانه | ذره سر کرد رقص پروانه
نو عروسان خویشتن آراے | گوهریں یارهٔ نگاریں پاے
پیش ازاں دم که دست و رو شستند | دست و پا از حنا فروشستند
شاهد باغ را به جلوه گری | تازه گردید رسم پرده دری
تا در آن صبح دم به گوشهٔ باغ | نه فتد چشم نیم باز به زاغ
بر لب آب جو هر آئینه | دید روے خود اندر آئینه
چرخ نیرنگ ساز شعبده زاے | کرد از زاغ آشکار هماے
تیرگی از میان کنار گرفت | کار را روشنی قرار گرفت

صبح صادق برات نور آورد
روشنی مژدهٔ سرور آورد[1]

---

۱ - کلیات نثر فارسی (ص ۲۷) -

ضمیمه نمبر ۵

هجوم ظلمت شب

شام مگو، جادوی مشکین لباس
هم به هنر، هم به اثر روشناس

تازگی کسوت عباسیان
تیرگی خاطر شمّاسیان

غالیه سای نفس مقبلان
پرده کشای هوس بیدلان

هم سبق پرده کشایان راز
هم نفس پرده نشینان ناز

نکته وری را به سخن جان‌فزاے
راهروان را دم راحت کشاے

رهبر دزدان به نهان خانه ها
قاسم مهتاب به ویرانه ها

شهپر پرواز مناجاتیان
سرمهٔ آواز خراباتیان

رام کن شوخ عروسان به شوے
غازه نه شمع شبستان به روے

بربط آوازهٔ شبگیر ها
رشته به شیرازهٔ زنجیر ها[۱]

---

۱ - کلیات نثر فارسی (ص ۳۷) -

ضمیمہ نمبر ٦

تاریخ جلوس

نواب محمد علی خاں فرمانروائے ٹونک

دریں سال نواب عالی جناب
بروے زمیں غیرت آفتاب

محمد علی خان فرخنده خوے
که هم نا مدار است و هم نام جوے

چو بنشست بر مسند سروری
ازو سروری یافت آں برتری

که از سروری یافت شاهی رواج
کلاه سهی گشت همسر به تاج

زہے شہرت ایں همایوں جلوس
که آوازه افتاد در روم و روس

ز غالب که از روزگار دراز
بریں عتبه ساید جبین نیاز

به نظّارهٔ حسن اقبال جشن
سخن رفت دربارهٔ سال جشن

پس از شکر دادار جاں آفریں
چنیں گفت پیر قناعت گزیں

که چوں اختر نیک آمد به فال
هم از اختر نیک پیداست سال[1]

۱۲۸۱ھ

---

۱ - یمین‌الدولہ، وزیرالملک نواب محمد علی خاں بہادر صولت جنگ کے والد ماجد نواب وزیرالدولہ والی ٹونک کا انتقال ۱۲ محرم ۱۲۸۱/۱۸ جون ۱۸۶۴ء کو ہوا - تین روز بعد نواب محمد علی خان کے لیے جلوس کی منظوری آئی - نواب موصوف ۲۳ شعبان ۱۲۸۴/۲۰ ستمبر ۱۸۶۷ء کو معزول کر دیے گئے - ظاہر یہ کیا گیا کہ ان کے عہد میں ایک ٹھاکر کو قتل کیا گیا، لیکن حقیقت میں ان کے خلاف معزولی کی کاروائی صرف اس وجہ سے عمل میں آئی کہ نواب محمد علی خاں اور ان کے والد نواب وزیرالدولہ دونوں سید احمد شہید کے مجاھدین کے سرگرم حامی و مرید تھے اور ہر ممکن ذریعے سے ان کی امداد فرماتے رہتے تھے - انگریزوں کو یقین تھا کہ جب تک نواب محمد علی برسر کار رہیں گے امداد برابر جاری رہے گی، خواہ کتنی ہی تدبیریں اختیار کر لی جائیں - پھر انھیں بنارس بھیج دیا گیا جہاں ۱۸۹۵ء میں انھوں نے انتقال کیا - وہ بڑے فاضل خصوصاً قرآن و حدیث کے بڑے عالم تھے - نظر بندی کے زمانے میں انھوں نے متعدد دینی کتابیں تصنیف کیں، جن میں صحیح بخاری کا اردو ترجمہ بھی تھا -

ٹونک سے میرزا غالب کا تعلق نواب وزیرالدولہ کے زمانے میں شروع ہوا - کلیات میں نواب ممدوح کے نام دو قصیدے ھیں - نواب محمد علی خاں کے جلوس کی اس تاریخ کے بعد میرزا نے نواب محمد علی خاں یا کسی دوسرے نواب کے لیے اور کوئی چیز نہ لکھی - اختر نیک سے ۱۲۸۱ھ نکلتے ہیں - یہی جلوس ہے -

ضمیمه نمبر ۷

اشعار مثنوی

در صنعت تعطیل

صرصرِ صد دم سرد آمد دل　　همه درد و همه گرد آمد دل
گه درم دام دل ما گردد　　گه کرم کام دل ما گردد
هوس طرۂ طرار او را　　حرص وصل و سر دلدار او را
ساده دل گرد هوسها گردد
که عسل دام مگسها گردد[۱]

خاک نمناکم و تو باد بهار　　نتوانی مرا ز جا بردار
اے علائی ز من چه می خواهی؟　　زحمت خویشتن چه می خواهی؟[۲]

در صنعت مقطع الحروف

روان را داد داور ورزش راز　　در آورد از روان دل را به آواز
روان در دل روش زان راز دارد　　درون دل روش آواز دارد
روان آوارۂ وادی دردش　　ره آورد ره دل روی زردش
وداع روح دارد دل در آن راه
ز روح آوخ ، ز دل داد و ز راه آه[۳]

---

۱ - کلیات نثر فارسی ص ٦۳
۲ - اردوے معلی خط بنام علائی -
۳ - کلیات نثر فارسی ص ۸۰